66

سیرت الاخوین

یعنی

علی ابن ابی طالب و عثمان ذوالنورین

مرتبہ

خالد گھرجاکھی

مکتبہ نور گھرجاکھ ضلع گوجرانوالہ

قیمت فی جلد ـــــ پانچ روپے

Marfat.com

۲۹۶۰۹۲۳
خ 19 س
۱۳۲۲۲

نام کتاب	سیرت الاخوین
حصہ اوّل	سیرت عثمان رض
حصہ دوم	سیرت علی رض
مصنف	خالد گھرجاکھی
ناشر	مکتبہ نور گھرجاکھ۔ ضلع گوجرانوالہ
مطبع	اشرف پریس لاہور
ملنے کا پتہ	سکول بُک ڈپو۔ گوجرانوالہ

قیمت مجلد
پانچ روپے

مذہبیات

Marfat.com

پہلا حصّہ

سیرت سیّد الشہداء

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ذو النورین

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

Marfat.com

محمد اللہ کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)
اور وہ جو ان کے ساتھی (یار غار) بنے
کفار کے لیے بڑے سخت ہیں
آپس میں بڑے نرم دل ہیں
تم انہیں دیکھتے ہو رکوع و سجود میں رہتے ہیں
اللہ کا فضل اور اسکی رضا تلاش کرتے ہیں۔ انکے چہروں پر سجدوں کے نشان ہیں
تورات میں ان کی یہی مثال بیان ہوئی ہے۔
اور انجیل میں ان کی یہ مثال ہے
جیسے ایک کھیتی ہے جس نے اپنی کونپلیں نکالیں
پھر وہ مضبوط ہوئی
پھر وہ موٹی ہو گئی
پھر وہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہو گئی (یعنی اس کھیتی کو حوادثات کا خدشہ نہ رہا)
وہ کھیتی بونے والوں کو بہت اچھی لگتی ہے تاکہ کفار اس سے جلیں
جن لوگوں نے اللہ کے احکام قبول کیے اور اس کے مطابق اچھے کام
انکے لیے اللہ تعالیٰ نے بخشش اور بڑے ثواب کا وعدہ کیا ہے (فتح)

Marfat.com

اَخرِجُوا الْیَهُودَ وَالنَّصَارٰی مِنْ جَزِیرَۃِ الْعَرَب

(الحدیث)

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے

تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لا چکے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں
کہ ضرور بالضرور انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسے خلیفہ بنایا تھا ان لوگوں
کو جو ان سے پہلے تھے۔
اور یقیناً اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ نے
ان کے لیے پسند کیا ہے۔
اور یقیناً ان کی (موجودہ) حالت خوف کو امن سے بدل دے گا کہ
وہ علی الاعلان) خالص میری ہی پرستش کرتے رہیں گے اور میرے ساتھ
کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔
اب جو شخص اس (وضاحتِ حق) کے بعد بھی انکار کرتا ہے تو ایسے لوگ
فاسق (نافرمان) ہیں

(سورۂ نور ۲۴۔۵۵)

Marfat.com

Marfat.com

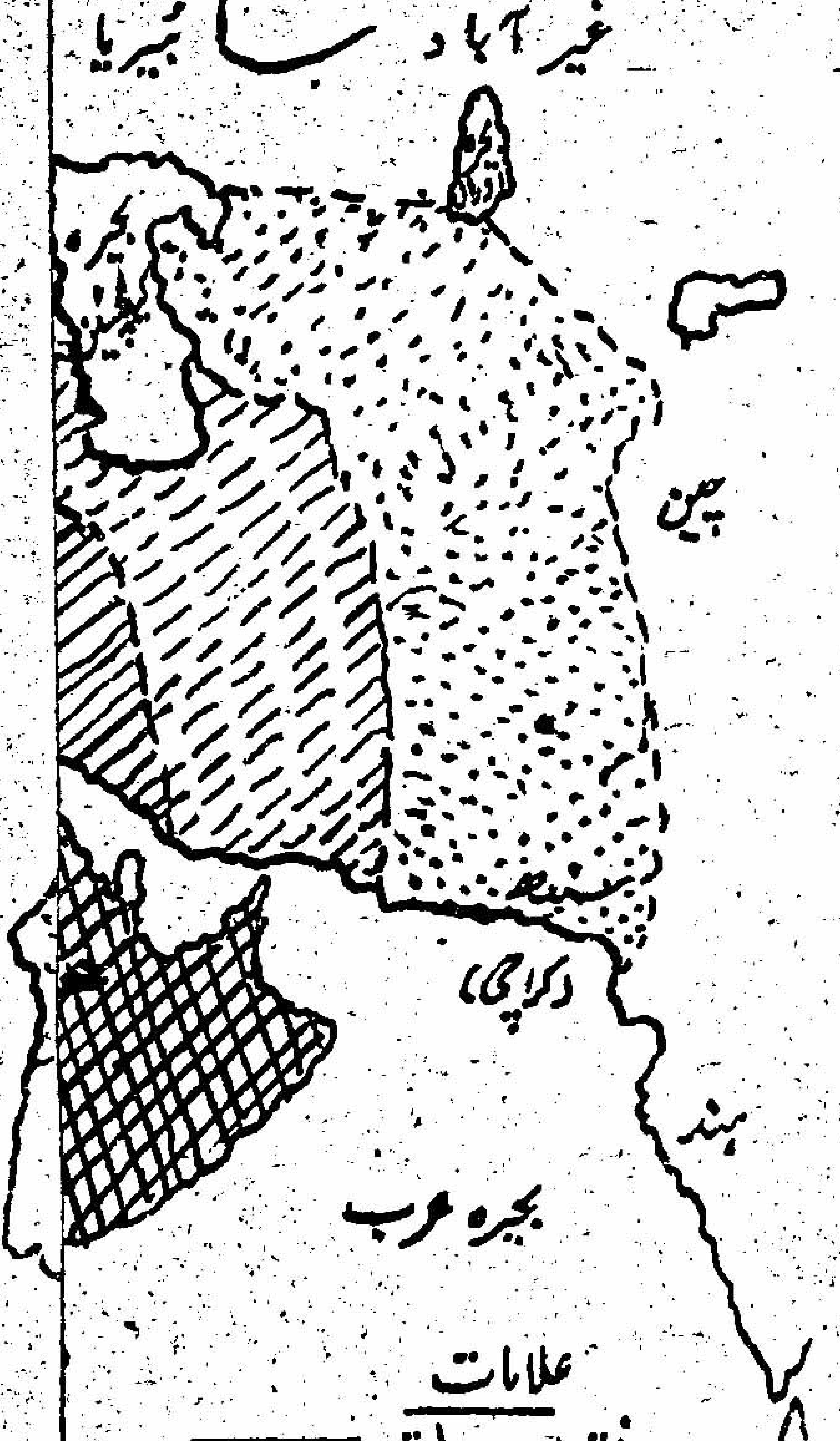

غیر آباد سائبیریا
چین
(کراچی)
ہند
بحیرہ عرب
علامات
فتوحات صدیقی
فتوحات فاروقی
فتوحات عثمانی
فتوحات علوی ۔ بوجہ تسلط نہ ہو سکنے کے
فتوحات اموی

ترتیب حصّہ اوّل

نقشہ جزیرۃ العرب ۵
نقشہ فتوحات اسلامیہ ۶
فہرست ۷
دیباچہ ۱۴
باب اوّل (بیعت خلافت سے پہلے) از صفحہ ۲۱ تا صفحہ ۵۲
نام و نسب، کنیت اور لقب ۲۱
سنِ ولادت ۲۳
اسلام ۲۳
نکاح اوّل ۳۰
صبر و ثبات ۳۱
ہجرت حبشہ اور واپسی ۳۲
ہجرت مدینہ ۳۴
بیر رومہ کی خریداری ۳۶
جنگ بدر ۳۷
ذو النورین ۳۸
غزوات و استخلاف ۳۹
صلح حدیبیہ ۴۱

Marfat.com

جنگ تبوک	۴۵
خلافت صدیق رضؓ	۴۷
خلافت فاروق رضؓ	۵۱
باب دوم (بیعت خلافت کے بعد) از صفحہ ۵۳ تا صفحہ	۱۱۵
انتخاب	۵۳
پہلا خطبہ	۵۸
پہلا فیصلہ	۶۰
عاملین خلافت	۶۲
فتوحات - فتح اسکندریہ	۶۳
فتح افریقہ	۶۵
اسپین پر حملہ	۶۷
فتح قبرس و روڈس	۶۸
فتح آرمینیا و آذربائیجان	۷۱
فتح فارس و طبرستان	۷۲
قتل کسریٰ یزدجرد	۷۵
خلافت عثمانی کے اہم واقعات	۷۶
فتنہ عبداللہ بن سبا	۸۰
ابن سبا کا نیا عقیدہ	۸۲
سنہ ۳۵ھ	۹۹

Marfat.com

شہادت خلیفہ راشد	۱۰۱
باب سوم (فضائل وخصائل) از صفحہ ۱۱۶ تا صفحہ	۱۵۳
حلیہ وعادات	۱۱۶
ایثار وسخاوت	۱۱۹
فضائل	۱۲۱
خطابت۔	۱۳۱
فتوحات پر اجمالی نظر	۱۳۳
انتظامات حکومت	۱۳۵
ازواج واولاد	۱۳۹
خصائص	۱۴۰
شہادت عثمانؓ پر صحابہ کا تاثر	۱۴۴
باب چہارم (تنقیحات) از صفحہ ۱۵۴ تا صفحہ	۲۴۰
وجوہات شہادت واعتراضات	۱۵۴
نااہل حکمران	۱۵۴
امیر معاویہؓ	۱۵۶
سعدؓ بن ابی وقاص	۱۵۷
عبداللہؓ بن عامر	۱۵۸
عبداللہ بن سعد	۱۵۸
عزل ونصب	۱۶۱
اطاعت امیر	۱۶۴

Marfat.com

مروان ۱۶۷

عزل خلافت ۱۷۳

اقربا نوازی ۱۷۴

توہین صحابہ ۱۸۳

احراق المصاحف ۱۸۶

حدود اللہ میں تغافل ۱۸۷

قصر صلوٰۃ ۱۸۹

وجہ شہادت ۱۹۱

اسلامی خانہ جنگیوں کی وجہ ۱۹۳

کیا شہادت عثمانؓ میں حضرت علیؓ کا ہاتھ تھا؟ ۱۹۷

کیا سازش قتل میں کوئی صحابی شریک تھا؟ ۲۰۷

کیا خانہ جنگیوں کی وجہ سے کسی صحابی پہ کوئی فتویٰ لگایا جا سکتا ہے؟ ۲۱۳

جامع القرآن و مصحف عثمانی ۲۲۱

خاتمہ (اسلامی طرز حکومت) از صفحہ ۲۳۳ تا ۲۴۰

امیر مملکت کے اختیارات ۲۳۴

طریق انتخاب ۲۳۶

خاندانی خلافت ۲۳۸

Marfat.com

ترتیب حصّہ دوم

باب اوّل ۲۴۷

سیرت ″
حُلیہ مبارک ۲۴۸
اسلام ۲۴۹
سب سے پہلے کون مسلمان ہُوا؟ ۲۵۱
مکّی زندگی ۲۵۳
ہجرت ۲۵۴
مواخات ۲۵۶
جنگِ بدر میں مبازرت ۲۵۸
حضرت فاطمہ سے نکاح ۲۵۹
دیگر جنگوں میں رفاقت ۲۶۰
جنگِ خیبر ۲۶۲
زندگیٔ نبوت کی بعض مشہور مہمیں ۲۶۴
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ۲۶۹
خلیفۂ اوّل کا دَورِ خلافت ۲۷۰
خلیفۂ دوم کا دَورِ خلافت ۲۷۱
خلیفۂ سوم کا دَورِ خلافت ۲۷۲

باب دوم
خلافت

پہلا خطبہ ۲۷۵

بلوائیوں کی سرتابی ۲۷۸

عمال کی تقرری ۲۸۰

جنگِ جمل کی ابتداء و انتہاء ۲۸۲

کوفہ دارالامارت ۲۸۳

مصر کے حالات ۳۰۳

جنگِ صفین ۳۰۵

خارجی فرقہ کی بنیاد ۳۰۸

تحکیم کا نتیجہ ۳۱۵

خوارج سے جنگ ؍؍

واقعۂ شہادت ۳۱۶

ازواج و اولاد ۳۲۳

باب سوم
فضائل

۳۲۸

ابوطالب اور ان کا اسلام ۳۳۰

شجاعت۔ تحمل اور استقلال ۳۳۳

ملکی نظم ونسق ۳۳۶

زہد و تواضع ۳۴۴

علمی مقام ۳۴۵

۳۴۸

باب چہارم
خلافیات

صفحہ

مسئلہ خلافت ۳۵۱
قصۂ قرطاس ۳۵۶
جناب رسول صلعم کی نعش مبارک کو چھوڑ کر ابوبکر رضؓ اور
عمر رضؓ کا سقیفہ چلا جانا؟ ۳۵۸
حضرت علی رضؓ نے حضرت صدیق رضؓ سے بیعت کب کی؟ ۳۶۰
قصۂ فدک ۳۶۲
کیا حضرت علی رضؓ کی خلافت متحقق نہیں ہوئی؟ ۳۶۷
اُمت میں سب سے افضل کون تھا؟ ۳۷۲

اختلافاتِ اُمت ۳۷۷

دیباچہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيۡنَ اصۡطَفٰى

نگار من بہ مکتب نرفت خط ننوشت   بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

اللہ تعالیٰ نے اکمال دین کے انعام کا اتمام اپنے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کروا دیا۔ یعنی اس انسانیت کی تمام عروج و ارتقاء کی انتہائی منازل بیان کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جس شخصیت کو منتخب فرمایا وہ ہادی ثقلین سرور کونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث اس وقت فرمایا جبکہ دنیا کے کسی گوشہ میں بھی کوئی ہدایت کی کرن نہ تھی۔ اور عرب کی حالت تو خاص طور پر یہ تھی، کہ شاید ہی دنیا کی کوئی برائی ایسی ہو جس میں عرب ملوث نہ ہوں۔ چنانچہ مولانا حالی مرحوم مسدس مدوجزر اسلام میں عربوں کی حالت کا نقشہ نہایت درد ناک الفاظ میں کھینچا ہے ؎

کہیں آگ تھی بجتی تھی واں بے محابا   کہیں تھا کواکب پرستی کا چرچا
بہت سے تھے تثلیث پر دل سے شیدا   بتوں کا عمل سو بسو جا بجا تھا
کرشموں کا راہب کے تھا صید کوئی
طلسموں میں کاہن کے تھا قید کوئی

قبیلے قبیلے کا بت اک جدا تھا کسی کا ہبل تھا کسی کا صفا تھا
یہ عزیٰ پہ وہ نائلہ پر فدا تھا اسی طرح گھر گھر نیا اک خدا تھا
نہاں ابر ظلمت میں تھا مہر انور
اندھیرا تھا فاران کی چوٹیوں پر
چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ
وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بے باک جیسے
نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اڑ بیٹھتے تھے سلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے
جو دو شخص آپس میں لڑ بیٹھتے تھے تو صدہا قبیلے بگڑ بیٹھتے تھے
بلند ایک ہوتا تھا گر واں شرارا
تو اس سے بھڑک اٹھتا تھا ملک سارا
جوا ان کی دن رات کی دل لگی تھی شراب ان کی گھٹی میں گویا پڑی تھی
تعیش تھا، غفلت تھی، دیوانگی تھی غرض ہر طرح ان کی حالت بری تھی
بہت اس طرح ان کو گذری تھیں صدیاں
کہ چھائی ہوئی نیکیوں پر تھیں بدیاں

لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی رحمت مبعوث ہوا تو اس نے ان رہزنوں کو رہبر بنا دیا۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے نجاشی رحمہ اللہ کے دربار میں کہا تھا کہ ہم سینکڑوں دیبی خداؤں اور بتوں کو پوجا کرتے تھے۔ اس پیغمبر نے آکر ہمیں

ایک خدا کی بندگی پر لگا دیا۔ ہم جھوٹ بولا کرتے تھے اس لئے ہمیں سچائی کی تعلیم دی۔ ہم لوگوں کے مالوں کو شیر مادر سمجھتے تھے اس لئے ہمیں امانت میں خیانت کرنے سے روکا۔ ہم نے لڑائی کو شعار بنا رکھا تھا اس لئے آکر ہمیں صلہ رحمی کی تعلیم دی۔ ہمسایوں سے حسن سلوک کا سبق دیا۔ ہم نے ڈاکہ زنی کو بہادری سمجھ رکھا تھا۔ اس لئے تمام الشاتی خون اور عزتیں ہم پر حرام کر دیں۔ برائیوں اور بے حیائیوں سے روکا۔ یتیموں کا مال کھانے کی بجائے ہمیں ان کا نگہبان بنا دیا جھوٹی تہمت لگانے اور بہتان باندھنے سے روکا۔ ایک اللہ کی بندگی کرائی۔ اور نماز اور زکوۃ کی تعلیم دی۔

غرض کہ ان لوگوں کو جنہیں قیصر و کسریٰ جیسی حکومتیں ہاتھ نہ ڈالتی تھیں سمجھتی تھیں کہ ان بدوی جنگلی لوگوں کو ہاتھ ڈالنا بھڑوں کے چھتہ میں ہاتھ ڈالنے کے مترادف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایسا پارس بنا دیا کہ آج کی یورپین اقوام بھی ان سے سبق حاصل کرتی ہیں اور ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور غلامان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتوں اور فیصلوں کو ججوں کی تھیوری کی طرح اپنی قانون کی کتابوں میں محفوظ کر کے رکھتے ہیں ۔

ابن مریم نے بجا ہے مردے زندہ کر دیے وائی بطحا نے تو صدہا مسیحا کر دیے

لہ کاش کہ چودھویں صدی کے مسلمانوں کو خدا سمجھ دے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کو حجت نہیں سمجھتے حالانکہ فرامین نبوی تو وحی الٰہی سے ہوا کرتے تھے بلکہ حضور کے صحابہ کرام کے فیصلے بھی آج کے ججوں کے فیصلوں سے ہزارہا درجہ بہتر ہیں لیکن آج کا مسلمان ججوں کے فیصلوں کو بطور سند و نمونہ بلا تامل قبول کر لیتا ہے اور حامل وحی کے فیصلوں کو بطور سند و نمونہ قبول نہیں کرتا حالانکہ ہمیں قرآن میں یہی حکم ہے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ کہ پیغمبر کی زندگی کو اپنے لیے ایک بہترین نمونہ سمجھو ۔ حیف ہے ایسے نام کے مسلمانوں پر ۱۲۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیضیاب ہونے والوں کی دو قسمیں ہیں سابقون اور لاحقون اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى کہ جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کر کے اپنی جان و مال خرچ کرنے سے دریغ نہ کیا اور ایسے آڑے وقتوں میں اسلامی جنگوں کی گراں قدر خدمات سرانجام دیں وہ بہت اونچے مقام پر ہیں اور فتح مکہ کے بعد اسلام اختیار کر کے مال و جان خرچ کرنے والے کبھی بھی ان کی برابری حاصل نہیں کر سکتے۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ کا وعدہ دونوں کے لیے اچھا ہے یعنی بعد والے بھی اللہ تعالےٰ کے منظور نظر ضرور ہیں اگرچہ مرتبہ میں ان سے کم ہی ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو چمنستان اسلام کی آبیاری کے لیے اولین صحابی جو دئے وہ بہترین السان تھے ان کا اتفاق، ان کی محبت، ان کا حسن سلوک، انکی قربانی ان کا جذبۂ خدمت بغرضیکہ کوئی اچھی سے اچھی خصلت نہ تھی جسے وہ نہ اپنا چکے ہوں اور کوئی ایسی خامی نہ تھی جسے وہ نہ نکال چکے ہوں۔ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ اللہ تعالیٰ نے ایمان سے ان کے دلوں کو مزین کر دیا تھا اور کفر و فسوق و عصیان کی تمام آلودگیوں سے ان کو صرف پاک ہی نہیں کر دیا تھا بلکہ ان میں کفر و فسوق و عصیان کے لیے جذبۂ نفرت پیدا کر دیا تھا۔

یہ جماعت اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنی منظور نظر تھی کہ ان کے حق میں ایک ذرہ بھر

گستاخی کو اللہ تعالیٰ نے برداشت نہ کیا۔ عبداللہ بن ابی منافق نے جب کہا لَا تُنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ۔ لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَی الْمَدِیْنَۃِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْہَا الْاَذَلَّ ۔ تو حضرت زید بن ارقم ابھی نو عمر بچے تھے جو پاس کھڑے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کر دی کہ فلاں شخص یہ بکتا ہے۔ حضور نے جب تحقیق کے لیے عبداللہ بن ابی کو بلایا تو وہ صاف مکر گیا حضرت زید کہتے ہیں میں اپنے نفس میں بہت ہی نادم ہوا بلکہ ان کے چچا نے ان کو تھوڑا ڈانا بھی کہ تو نے ایک مفت کی غلط بات اڑا دی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے صحابی پر اتنا دھبہ بھی گوارا نہ فرمایا اور سورۂ منافقون نازل فرما کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کے مقامات کی نشاندہی فرما دی۔ یہ تھی وہ جماعت جس کو اللہ تعالیٰ نے سبیل المومنین[۱] کہہ کر قیامت تک کے لیے لوگوں کے لیے اقتدا کا حکم فرما دیا۔

اس صحابہ کی جماعت میں بعض ایسی ہستیاں ہیں جن کی زندگیاں آج کے لوگوں کے لیے بہترین سبق آموز ہیں۔ خصوصاً خلفائے راشدین جو اولین مہاجرین میں سے تھے امت کے لیے درخشاں ستاروں کا کام دیتی ہیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ۔ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت پر کئی کتابیں لکھی جا چکی ہیں لیکن سیرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر میری نظر سے کوئی سیر حاصل کتاب نہیں گذری تھی۔ اور اپنی سعی کے مطابق میں نے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی

---

۱ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا (نساء)

Marfat.com

نیز بعض لوگوں نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا نقشہ کچھ اس قسم کا پیش کیا ہے جیسے کہ پرانے نوابوں اور راجاؤں کے جانشین آپس میں لڑ مرتے ہیں اسی طرح وہ بھی ایک ساتھ ایک تر رہا تھا۔ حالانکہ اللہ تعالٰی کا فرمان صحابہ کی تعریف کے متعلق یہ ہے اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کہ وہ کفار کے لیے تیغ براں ہیں لیکن آپس میں بہت محبت و شفقت سے رہتے ہیں۔ آج جو بھی شخص صحابہ کرام کو ایک دوسرے کا دشمن بتاتا ہے گویا وہ اللہ کے فرمان کی تکذیب کر رہا ہے۔ چنانچہ اس قسم کی باتوں میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی ہاتھ تھا۔ حالانکہ یہ چیز سراسر غلط تھی۔ چنانچہ میں نے اپنی وسعت کے مطابق اس دھبہ کو بھی حضرت علی کی شان سے دھونے کی کوشش کی ہے۔

نیز حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شخصیت بعض وجوہات کے لحاظ سے تمام دنیا سے ممتاز ہے کہ اس خدا کے مقبول بندہ نے طاقت و قوت ہونے کے باوجود اپنی جان کی قربانی دے دی۔ لیکن صحابہ کرام کی مقدس جانیں بچالیں۔ اور اپنی زندگی میں جنگ و جدال اور فسادات کا دروازہ نہ کھلنے دیا۔

کتاب کو چار بابوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے دو باب سیرت کے ہیں تیسرا باب فضائل کے بیان میں ہے اور چوتھا باب اس قسم کے اعتراضات کی صفائی بیان کرنے میں ہے۔

غلطی سے مبرا صرف ایک خدا تعالیٰ وحدہ لا شریک لہ کی ذات ہے۔

Marfat.com

کتاب کے اچھا یا برا ہونے کا اندازہ تو پڑھنے والے دوست ہی لگا سکیں گے اگر ہم اپنا مقصد سمجھانے میں کامیاب رہا تو اسے اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھیں اور اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو مجھ جیسے کم مایہ انسان کو اعتراف میں کبھی باک نہیں ہوگا۔ دوستوں کا حق یہ ہوگا کہ وہ مجھے مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اس کی اصلاح کی جاسکے۔

نوٹ:- یہ دیباچہ پہلے ایڈیشن کا ہے۔ دوسرا ایڈیشن سیرت عثمانؓ اور سیرت علیؓ جو اکٹھی "سیرت الاخوین" کی صورت میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ سیرت عثمانؓ جو کہ چار بابوں میں منقسم ہے۔ دو باب سیرت کے ایک فضائل کا اور ایک اختلافی مسائل کا۔ اسی طرح کتاب کا دوسرا حصہ بھی چار بابوں میں منقسم ہے۔ دو باب سیرت میں ایک فضائل میں اور چوتھا باب اختلافی چیزوں میں۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو میرے لئے بھی اور دوسرے مسلمانوں کے لئے بھی آخرت کا ذخیرہ اور نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین

خالد گھرجاکھی

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیرت عثمانؓ ذوالنورین

باب اوّل

بیعت خلافت سے پہلے

نام و نسب، کنیت اور لقب

نام عثمانؓ، کنیت زمانہ جاہلیت میں ابو عمرو اور مسلمان ہونے کے بعد حضرت رقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کیا ان کے بطن اطہر سے حضرت عبداللہ کی پیدائش کے بعد آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہوئی۔

نسلی لحاظ سے قبیلہ قریش اموی خاندان سے تعلق تھا۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں آئیں حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ۔ اس وجہ سے آپ کا لقب ذوالنورین یعنی دو نوروں والا مشہور ہوا۔

سلسلہ نسب یوں ہے۔ عثمان بن عفان بن ابو العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔

چھٹی پشت میں عبد مناف پہ جا کر سلسلہ نسب حضرت رسول اللہ

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

ان کی والدہ اروی بنت کریز بن ربیعہ بن عبد شمس کا سلسلہ نسب چوتھی پشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ اور ان کی نانی جن کی کنیت ام حکیم ہے۔ اور نام بیضاء تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبد اللہ بن عبد المطلب کی حقیقی بہن تھیں۔ جو ان کے ساتھ توام پیدا ہوئی تھیں اس لحاظ سے حضرت عثمانؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے تھے۔ سلسلۂ خاندان کی تفصیل اس طرح ہے۔

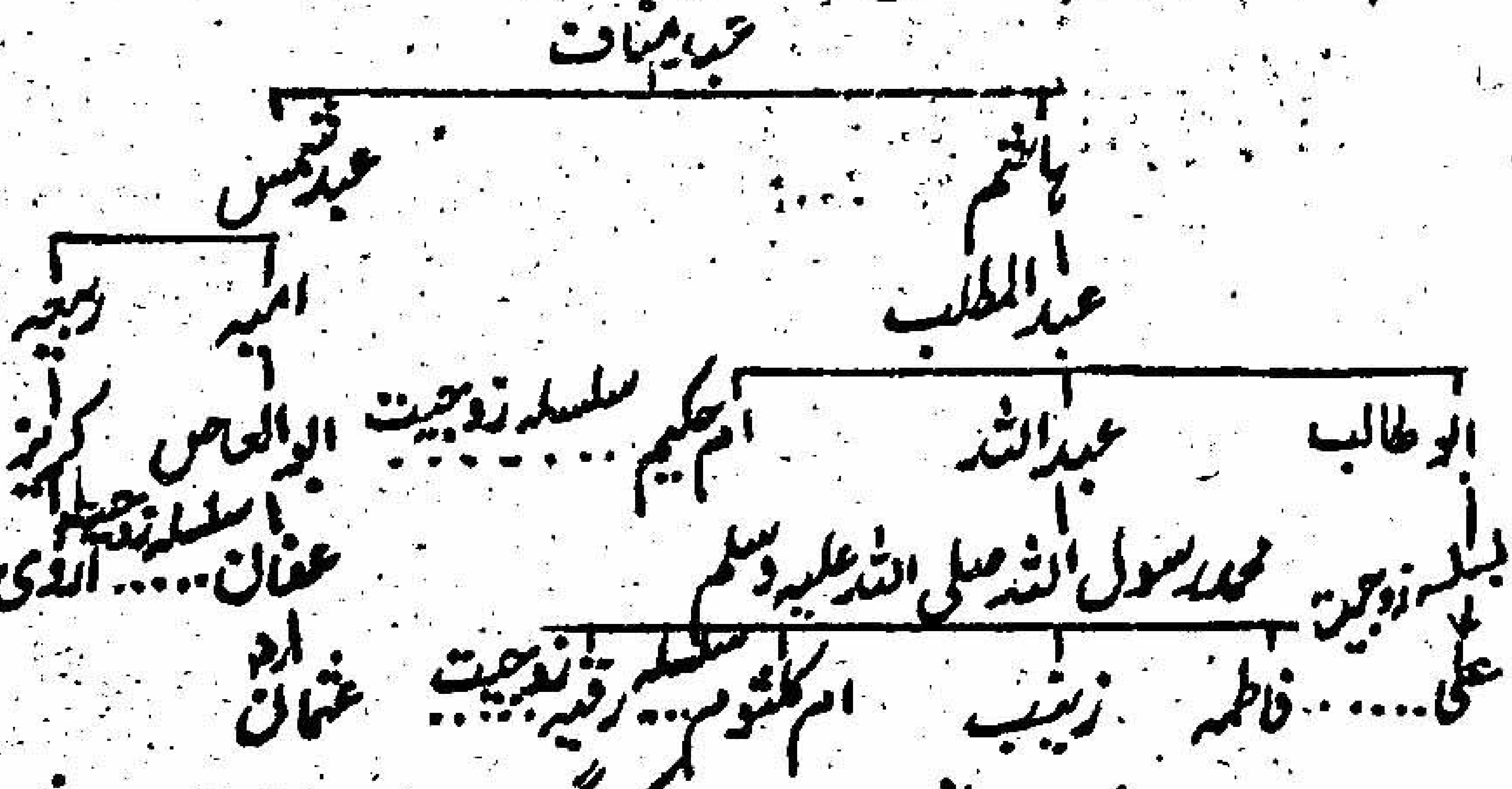

حضرت عثمان جن نسبتوں سے یاد کیے گئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔ عثمانؓ بن عفان۔ ابو عمرو۔ ابو عبد اللہ۔ القرشی۔ الاموی۔ امیر المومنین۔ ذو النورین۔ صاحب الہجرتین۔ زوج الابنتین۔ احد من عشرۃ المبشرۃ۔ یعنی ان دس آدمیوں میں سے ایک جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی ہی میں جنت کی خوشخبری دے دی تھی۔ خلیفۃ المسلمین باجماع الصحابہ انصار و مہاجرین۔ احد من خلفاء الراشدین من الائمۃ المہدیین۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

۱۳۲۲۲

Marfat.com

جن کی اقتداء کا حکم دیا تھا۔ اور مجلس شوری کے رکن، رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

سن ولادت اور بچپن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے چھٹے سال میں حضرت عثمان پیدا ہوئے پینتیس سال سے کچھ عمر کم ہی تھی کہ اسلام قبول کیا۔ بچپن کے حالات باوجود کوشش کے دستیاب نہ ہوسکے۔ اور حقیقت بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ کسی کو کیا معلوم ہوتا ہے جو آج کے بچے ہیں بڑے ہو کر کیا کیا بننے والے ہیں۔ اسی وجہ سے عموماً بچوں کے حالات کم ہی قلمبند کیے جاتے ہیں۔ آج بھی کم از کم نوے فی صد ایسے بچے ہوں گے جن کے والدین کو ان کی تاریخ ولادت تک یاد نہیں۔ عوام تو درکنار انبیاء کرام اور دیگر مذہبی رہنماؤں تک میں سے اکثر کی ابتدائی زندگی کے حالات اور سن ولادت نہیں مل سکتا۔ یہ صرف اسلام ہی کو امتیاز حاصل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک ورق محفوظ ہے اور پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سعی جمیلہ سے مکمل سنوں وتواریخ مرتب کردی گئیں

اسلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام پر سب سے پہلے لبیک کہنے والے چار اشخاص تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی مردوں میں سے، حضرت علی رضی بچوں میں سے، حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی عورتوں میں سے اور حضرت زید رضی غلاموں میں سے۔ ان چاروں میں سے فعال شخصیت جس نے سب سے زیادہ لوگوں کو دعوت

اسلام دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ بٹایا اور سب سے زیادہ عزم و جرأت اور حوصلہ مندی سے اسلام کی خدمت کی وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ کیونکہ حضرت علی رضؓ ابھی کمسن بچے تھے۔ بمشکل نو دس سال کی عمر تھی۔ اور بود و باش اور طعام و قیام بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے گھر پر تھا۔ حضرت علی رضؓ کے باپ ابو طالب کثیر العیال ہونے کی وجہ سے تنگدست تھے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کو اپنے گھر پر ہی لے آئے تھے۔ گویا یوں کہنا چاہیئے کہ حضرت علی رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے گھر کے ایک فرد تھے۔ اور حضرت زید رضؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام تھے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متبنیٰ بنا لیا تھا۔ اس حیثیت سے یہ بھی گھر کے ہی ایک فرد تھے۔ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ آپ کی حرم اہل بیت ہیں سے تھیں۔ چنانچہ اگر کوئی اپنے گھر کے افراد کے علاوہ ہمدرد معاون اور عمر دیدہ، آزمودہ کار تھے تو وہ صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ ایمان لائے تو کھلے بندوں اس کا اظہار کیا اور بے خوف و خطر اس کی تبلیغ شروع کر دی۔ چونکہ حضرت ابوبکر صدیق ایک بہت بڑے تاجر تھے۔ لہذا ان کے تعلقات بھی بڑے وسیع تھے۔ خصوصاً تاجر پیشہ افراد کی آمدرفت ان کے پاس عموماً رہتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے تمام ملنے جلنے والوں کو اسلام کی خوبیاں سنا سنا کر مسلمان ہونے کی ترغیب دی۔ پہلے ہی دن کی تبلیغ سے چند لوگ مسلمان ہو گئے ان میں سے جس نے سب سے

Marfat.com

پہلے اسلام قبول کیا وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔

طرابلسی نے حضرت عثمان کے قبول اسلام کا واقعہ اس طرح نقل کیا ہے کہ ایک روز ابوبکر رضؓ رسول اللہ کو ملے (حضرت ابوبکر رضؓ رسول اللہؐ کو نبوت سے قبل ہی صادق و امین تسلیم کرتے تھے) جب ملے تو کہا کہ اے ابوالقاسم تیری قوم تجھ پر طرح طرح الزام لگاتی ہے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر میں اللہ کا رسول ہوں۔ میری طرف اللہ کا فرشتہ وحی لے کر آتا ہے۔ خدائے ذوالمنن نے مجھے اعزاز رسالت سے نوازا ہے۔ لہٰذا میں تجھے بھی دعوت اسلام دیتا ہوں۔ تاکہ تم عذاب الٰہی سے محفوظ رہ سکو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو سنتے ہی ایمان لے آئے قبول اسلام کے بعد ابوبکر رضؓ حضرت عثمانؓ بن عفان، طلحہؓ بن عبیداللہ، زبیر بن عوامؓ اور سعدؓ بن ابی وقاص سے ملے اور انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام حق سنایا چنانچہ یہ سب لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ دوسرے روز حضرت ابوبکر رضؓ صدیق کی تبلیغ سے عثمانؓ بن مظعون، ابوعبیدہؓ بن جراح، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، ابوسلمہؓ بن عبدالاسد اور ارقم بن ارقم مسلمان ہوئے۔

محمد بن اسحق کی روایت میں بھی کم و بیش اسی سے ملتا جلتا واقعہ ہے لیکن ابن سعد نے طبقات میں حضرت عثمان کے مسلمان ہونے کا واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے ساتھ آنحضرتؐ کے پاس پہنچے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعوت اسلام دی اور قرآن کی آیات پڑھ کر سنائیں۔ اسلام کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے یہ خوش خبری

Marfat.com

بھی دی کہ جو شخص اسلام قبول کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے دنیا و آخرت دونوں میں عزت بخشے گا۔ چنانچہ حضرت عثمان نے بلا پس و پیش اسلام قبول کرتے ہوئے واقعہ بیان کیا کہ سلسلہ تجارت میں کچھ لوگوں کے ساتھ میں شام جا رہا تھا جب معان اور زرقاء کے درمیان ہم نے ایک جگہ رات گذارنے کے لیے قیام کیا ابھی ہماری آنکھ لگی ہی تھی کہ ایک آواز آئی۔ اے سونے والو! اٹھو احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور مکہ میں ہو چکا ہے۔ جب ہم مکہ میں پہنچے تو واقعی آپ دعوت اسلام پیش کر چکے تھے۔

حضرت عثمانؓ انہی لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اسلام کو ابتدائی دنوں میں ہی قبول کر لیا تھا حتیٰ کہ آپ ابھی ارقم کے گھر بھی نہیں گئے تھے۔

ابن کثیر نے بحوالہ ابن عساکر ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے جس کا ملخص یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب (قبل بعثت ہی) اپنی بیٹی رقیہ کی شادی عتبہ بن ابو لہب سے کر دی تو حضرت عثمانؓ کو بہت صدمہ ہوا۔ کیونکہ وہ اس نکاح کے خواہشمند تھے۔ چنانچہ وہ اسی غم و اندوہ کی حالت میں اپنے گھر آئے تو وہاں ان کی خالہ سعدیٰ بنت کریز بیٹھی تھیں جو مشہور کاہنہ تھیں۔ انھوں نے حضرت عثمانؓ کو آتے ہی کہا اے عثمانؓ تجھے خوش ہونا چاہیئے تین خوشیاں تیرے مقدر ہو چکی ہیں اس کے بعد پھر تین اور ہوں گی اور پھر تین اور ہوں گی اور پھر ایک اور خوشی سے تو بہرہ ور ہو گا۔ یعنی تجھے یہ دس خوشیاں عنقریب میسر آئیں گی۔ تجھے بھلائی سے نوازا جائے گا۔ اور برائی سے بچایا جائے گا۔ خدا کی قسم تیرے نکاح میں ایک خوب صورت پاکباز عورت آئے گی۔ اس وقت تو بھی

Marfat.com

کنوارا ہوگا۔ اور وہ عورت بھی کنواری ہی ہوگی۔ اس شخص کی لڑکی سے تیرا عقد ہوگا جو دنیا کا عظیم ترین انسان ہوگا۔ اور ایسے شخص سے تیرا رشتہ استوار ہوگا جس کے ساتھ تیرا تذکرہ بھی تیرے لیے باعث فخر ہوگا۔

حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ مجھے اپنی خالہ کی باتوں سے بہت تعجب ہوا کہ جس کی یہ مجھے بشارت دے رہی ہے اس کا تو نکاح بھی دوسری جگہ ہو گیا ہے چنانچہ میں نے کہا کہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔

تب خالہ نے جواب میں کہا۔

عثمان: لک الجمال۔ و	اے عثمان تو ایک خوبرو نوجوان ہے۔
لک اللسان، ھذا النبی	اچھی گفتگو والا ہے۔ اس نبی محمد صلی اللہ
معہ البرھان	علیہ وسلم کی رسالت پر دلائل موجود ہیں۔
ارسلہ بحقہ الدیان	اللہ تعالیٰ نے انہیں سچا دین دے کر مبعوث
وجاءہ التنزیل	فرمایا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ان
والفرقان	پہ خدا تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوتی
فاتبعہ	ہے۔ اور معبود حقیقی نے انہیں حق و باطل
لا تغتالک	میں فرق کرنے کا ملکہ عطا فرمایا ہے۔ لہذا

لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لڑکی رقیہؓ کی شادی ابھی عتبہ سے کی ہی تھی اور حضرت رقیہ ابھی سسرال کے گھر بھی نہیں گئی تھیں کہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے رسالت سے نوازا اور آپؐ نے اس کی تبلیغ صفا پہاڑی پر کھڑے ہو کر شروع کر دی۔ بالآخر یہی بات باعث نزاع ہو کر فسخ نکاح کا سبب بنی۔ درانحالیکہ حضرت رقیہ ابھی سسرال گئی بھی نہ تھیں۔

الاوثان ۔ اس کی پیروی کرا در بت پرستی میں مت الجھ

حضرت عثمانؓ نے استفسار کیا کہ خالہ! تو مجھے ایسے شخص کی پیروی کے لیے کہہ رہی ہے جو ہمارے شہر میں موجود ہی نہیں (حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابھی نبوت کا اعلان کیے دو چار دن ہی ہوئے تھے۔ اس لیے حضرت عثمانؓ کو علم ہی نہیں ہوا تھا) تب حضرت عثمانؓ کو ان کی خالہ نے کہا۔

محمد بن عبد الله، رسول من عند الله، جاء بتنزيل الله، يدعوا به الى الله،

محمد بن عبداللہ وہ شخصیت ہیں جو اللہ کی طرف سے مبعوث کیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ہدایات حاصل کر کے لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلاتے ہیں۔

ثم قالت:

پھر اس نے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

مصباحه مصباح، ودينه فلاح، وقرنه نطاح، ذلت له البطاح، ما ينفع الصياح لو وقع الذباح، وسلت الصفاح

اس کا ستارہ مقدر درخشاں ہے۔ اس کی ندائے حق میں عوام کے لیے سراسر نجات ہے اور بالآخر وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوگا۔ وہ ایک زبردست قوت کا مالک ہوگا۔ اس کے سامنے بڑی بڑی حکومتیں سرنگوں ہوں گی۔ اس کے دشمنوں کو اس کے سامنے سوائے ناکامی کے کچھ حاصل نہ ہوگا اگرچہ وہ کتنی ہی

Marfat.com

د مـــا ت قربانیاں دیں اور کتنے ہی تیر د تفنگ

الــر مــا ح سے لیس ہو کر آئیں۔

حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ میں یہ گفتگو سن کر حیرانی کے عالم میں گھر سے باہر نکلا تو اچانک مجھے حضرت ابوبکر صدیق مل گئے۔ میں نے تمام واقعہ ان سے بیان کیا۔ حضرت صدیق نے فرمایا اے عثمان افسوس ہے کہ تو عقلمند آدمی ہو کر بھی حق و باطل میں امتیاز نہیں کرتا۔ بزرگوں کے مجسمے جن کی عبادت ہماری قوم کر رہی ہے سوائے بے حس پتھروں کے اور کیا ہیں؟ نہ وہ سنتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ کسی کو نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہتے تو تم ٹھیک ہو۔ حضرت صدیقؓ نے کہا تمہاری خالہ سچ کہتی ہے واقعی اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کی راہنمائی کے لیے پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ اگر تو ان سے ملاقات کرنا چاہتا ہے تو میرے ساتھ آ۔ چنانچہ ہم دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا عثمانؓ! فرمان الٰہی کو قبول کرو اور یقین رکھو کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے دنیا کو ہدایت پہنچانے کے لیے رسول بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔ حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قسم میں آنحضرت کی گفتگو سن کر بے اختیار ہو گیا۔ اور اسی وقت کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ اور پھر چند ہی روز بعد میری شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی رقیہ سے ہو گئی۔

یہ واقعات جو مختلف روایات سے نقل کیے گئے ہیں یہ ایک دوسرے سے متصادم نہیں ہیں۔ بلکہ یہ سارے ہی چند دنوں میں رونما ہو کر

Marfat.com

منطبق ہو سکتے ہیں۔

نکاح اول

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی رقیہ کا نکاح ابھی عتبہ بن ابولہب سے ہوا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نزول وحی کا سلسلہ شروع ہوا اور جو سب سے پہلا حکم نازل ہوا وہ یہی تھا وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ کہ پہلے اپنے قریبیوں کو عذاب الٰہی سے ڈراؤ۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر اپنے تمام عزیز و اقارب کو بلایا۔ تمام قبیلوں کے نام لے لے کر مخاطب فرمایا۔ کہ اپنے آپ کو عذاب الٰہی سے بچا لو۔ اگر تم کفر کی حالت میں رہے تو میں قیامت کو تمہاری سفارش تک نہ کر سکوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسی کام کے لیے پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حاضرین کو وعظ و نصیحت فرما رہے تھے تو ابولہب پکار اٹھا۔

اَلِهٰذَا دَعَوْتَنَا تَبًّا لَكَ (نعوذ باللہ)	تیرا ستیاناس ہو کیا اسی لیے تو نے ہمیں بلایا تھا؟

اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں یہ سورۃ نازل فرمائی۔

تَبَّتْ يَدَا اَبِيْ لَهَبٍ	ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں
وَّتَبَّ ۝ مَا اَغْنٰى	وہ تو بالکل ہی تباہ و برباد ہو گیا۔ اس کا
عَنْهُ مَالُهٗ وَ	مال اور کاروبار اسے نہ بچا سکا۔ عنقریب
مَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلٰى	اسے بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکا جائے گا

Marfat.com

وَّامْرَاَتُہٗ حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ فِیْ جِیْدِھَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ۔	اور اس کی بیوی لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے گردن میں مونج کی رسی سے پھانسی لے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان آیات مقدسہ کا اعلان فرمایا تو ابولہب غصہ سے مشتعل ہو گیا۔ اور اپنے بیٹے عتبہ سے کہا کہ تو میرا بیٹا جب ہے کہ اپنی بیوی یعنی دختر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابھی طلاق دے دے۔ چنانچہ اسی طرح ابھی حضرت رقیہؓ سسرال بھی نہیں گئی تھیں کہ طلاق ہو گئی۔ انہیں دنوں حضرت عثمانؓ اسلام قبول کر چکے تھے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رقیہؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا۔

صبر و ثبات

تمام عرب خاندانوں میں صرف قریش ہی کا ایسا خاندان تھا جس کی عزت وسیادت مسلم تھی۔ اس لیے قریش خاندان کے افراد کو دوسروں سے تکالیف پہنچنے کے امکانات بہت کم تھے۔ لیکن ان کو اپنے خاندان کے لوگوں نے اذیتیں پہنچائیں اگر کوئی ادنیٰ خاندان کا فرد یا غلام اسلام قبول کر لیتا تو اس پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے۔ یہاں تک کہ کئی غلامان محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ ناقابل برداشت مصائب جھیلتے ہوئے ہی راہی ملک عدم ہوئے۔

حضرت عثمانؓ نے جب اسلام قبول کیا تو ان کے چچا حکم بن ابوعاص بن امیہ نے غضبناک ہو کر رسے سے ان کی مشکیں باندھ دیں اور انہیں دھمکاتے ہوئے کہا کہ تو اپنے آباو اجداد کے مذہب سے انحراف کرتا ہے۔ اللہ کی قسم میں تجھے اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک

کہ تو دوبارہ اپنے آبائی دین پر نہ آجائے۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا اللہ کی قسم میں دین اسلام کو کبھی ترک نہیں کروں گا۔ خواہ یہ اذیتیں سہتے سہتے میری جان بھی کیوں نہ چلی جائے۔ کئی مرتبہ ان کے چچا انہیں کھجور کی بنائی ہوئی چٹائی میں لپیٹ کر اندھے منہ درخت سے باندھ دیا کرتے تھے اور نیچے سے دھواں دے کر اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے لیکن حضرت عثمان نے پورے صبر و ثبات سے کام لیتے ہوئے رضائے الٰہی کی خاطر تمام تکالیف کو برداشت کیا۔ جب ان کے چچا نے یہ استقلال دیکھا تو سختی کا برتاؤ کم دیا۔

ہجرت حبشہ

کفار مکہ مسلمانوں کو صرف اس لیے تکلیفیں دیتے تھے کہ وہ صرف ایک خدا کی بندگی کرتے تھے۔ اسی کلمہ حق کی وجہ سے مسلمانوں کو کوڑے لگائے جاتے اگرم ریت اور سلگتے ہوئے کوئلوں پر لٹایا جاتا۔ پاؤں میں رسی باندھ کر گلی کوچوں میں گھسیٹا جاتا۔ لوہے کی زرہیں پہنا کر گرم پتھروں پر پھینک دیا جاتا۔ غرضیکہ کوئی بری سے بری سزا نہ تھی جو ان بیچارے مسلمانوں کے لیے تجویز نہ کی جاتی تھی۔

بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار پانچ سال کی تکالیف برداشت کرنے کے بعد صحابہ کرام کو اجازت دے دی کہ جو شخص اپنے جان و ایمان کی حفاظت کرنے کے لیے ہجرت کرنا چاہتا ہے وہ حبشہ کے عیسائی بادشاہ کے ملک کی طرف ہجرت کر جائے۔

اس اجازت کے بعد ایک چھوٹا سا قافلہ جو بارہ مردوں اور چار عورتوں پر مشتمل تھا رات کی تاریکی میں بندرگاہ شعیبہ سے کشتی پر سوار ہو کر حبشہ کو روانہ

Marfat.com

ہو گیا۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہی اس قافلہ کے سالار تھے اور اس قافلہ کی عورتوں میں حضرت عثمان کی اہلیہ سیدہ رقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے بعد حضرت عثمان وہ پہلا شخص ہے جس نے رضائے الٰہی کے لیے ہجرت کی ہے۔

اس کے بعد ایک اور قافلہ جس میں ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں تھیں۔ حبشہ کی طرف روانہ ہوا۔ ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی حضرت جعفر طیار بھی تھے۔

قریش مکہ نے ساحل سمندر تک ان کا تعاقب کیا مگر خوش قسمتی سے وہ ان کے جا لینے سے پہلے کشتیوں پر سوار ہو کر ساحل سے دور جا چکے تھے۔ اس کے بعد کفار مکہ ان کے تعاقب میں حکومت حبش تک پہنچے۔ اور وہاں سے بھی انہیں نکلوانے کی کوشش کی لیکن ان کی یہ کوشش بھی بری طرح ناکام ہوئی۔ اور شاہ حبش کے سامنے کفار مکہ کو ذلیل ہو کر واپس آنا پڑا۔

حبشہ سے واپسی

قریباً چار برس ان لوگوں کو حبشہ میں رہتے ہو گئے تھے۔ اڑتی اڑتی خبر ان تک پہنچی کہ کفار مکہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کی شرائط طے کر لی ہیں حقیقت میں واقعہ یہ تھا کہ ان دنوں آنحضرت پر سورۂ نجم نازل ہوئی اور آپ نے اس سورۃ کی تلاوت فرمائی جب آخری آیت (جو سجدہ والی آیت ہے) آئی تو تمام مسلمان اور کافر سجدہ میں گر گئے۔ لیکن ایک بوڑھے آدمی نے سجدہ نہ کیا۔ بلکہ زمین

سے مٹی اٹھا کر پیشانی پر لگالی اور کہا کہ مجھے اتنا ہی کافی ہے۔

اس واقعہ نے وہاں پہنچتے پہنچتے یہ صورت اختیار کرلی کہ فریقین کا آپس میں سمجھوتہ ہوگیا ہے۔ اسی خبر کی بنا پر بعض لوگوں نے واپسی کا ارادہ کرلیا لیکن اکثر وہیں رہنے کے ارادہ پر برقرار رہے۔ جو لوگ واپس آئے ان کی تعداد تینتیس ۳۳ تھی۔ ان میں حضرت عثمانؓ اور ان کی اہلیہ رقیہؓ بھی شامل تھیں۔ جب یہ لوگ مکہ معظمہ پہنچے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی۔ بلکہ مسلمانوں کو اب پہلے سے بھی زیادہ پریشان کیا جارہا ہے۔ بالآخر یہ کسی نہ کسی کی امان لے کر مکہ واپس پہنچے۔

قریش مکہ کے ظلم و استبداد کے باوجود مسلمان مشعل ہدایت کو تھامے رہے حتی کہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا مکمل بائیکاٹ کردیا۔ تین سال یہ لوگ شعب ابوطالب میں محصور رہے لیکن اسلام سے منحرف ہونے کا شائبہ بھی ان کے دل میں نہ آسکتا تھا۔

اہل مکہ نے جب آنحضرتؐ کا وعظ سننے سے انکار کردیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف تشریف لے گئے۔ وہاں بھی لوگوں نے آپ کو بہت اذیت پہنچائی لیکن حضور باوجود تکالیف کے بھی عوام کو وعظ کہنے میں کمی نہ کرتے تھے۔ خصوصاً ایام حج میں آپ باہر سے آنے والے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اسلام سے روشناس فرمانے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔

ہجرت مدینہ

سلہ نبوی میں موسم حج کا ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاقاً رات کی تاریکی میں چند میل شہر مکہ سے دور مقام عقبہ پر کچھ لوگوں کو باتیں

کرتے سنا۔ ذرا قریب جانے پر معلوم ہوا کہ یہ چھ آدمی یثربؔ[1] سے آئے ہوئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ فرمائی۔ اور تعلیمات اسلام سے انہیں روشناس فرمایا۔ وہ لوگ اگرچہ بت پرست تھے۔ لیکن انہوں نے اپنے شہر کے یہودیوں سے سن رکھا تھا کہ عنقریب ایک نبی ظاہر ہونے والا ہے چنانچہ حضور کی تبلیغ کا ان پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ وہ فوراً مسلمان ہو گئے اور اپنے شہر مدینہ میں جا کر اسلام کی تبلیغ بھی شروع کر دی۔ ان کی اس تبلیغ کا یہ اثر ہوا کہ مدینہ میں گھر گھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہونے لگا۔

دوسرے سال ۱۲؁ نبوی میں یثرب سے بارہ اشخاص آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام پر بیعت کر کے واپس گئے جب یہ لوگ جانے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیر کو ان کی تعلیم کے لیے ساتھ بھیج دیا۔
مصعب بن عمیر کی تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ مدینہ کے تمام قبائل میں اسلام کا چرچا ہونے لگا۔ اور اگلے سال ۱۳؁ نبوی میں اسلام قبول کرنے والوں میں سے تہتر مرد اور دو عورتوں پر مشتمل ایک قافلہ اس غرض سے مکہ پہنچا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ جانے کی دعوت دی جائے چونکہ آپ حکم الٰہی کے بغیر مکہ سے سکونت ترک نہیں کر سکتے تھے اس لیے بنفس نفیس تو آنحضرت تشریف نہ لے جا سکے۔ البتہ عام مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت

---

[1] مدینہ طیبہ کا پہلا نام یثرب تھا جب حضور ہجرت کر کے وہاں سکونت پذیر ہوئے تو اس کا نام مدینۃ النبی ہو گیا ۱۲ منہ

Marfat.com

دیدی۔ اور جو قافلہ سب سے پہلے مدینہ کو روانہ ہوا اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ مشہور صحابہ میں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ میں رہ گئے۔ جب حضرت عثمانؓ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو بنی نجار کے قبیلہ میں اوسؓ بن ثابت جو حسانؓ بن ثابت کے بھائی تھے کے پاس قیام فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں میں سلسلہ مواخات قائم کر دیا اس مواخات سے دونوں خاندانوں میں جس قدر محبت اور یگانگت پیدا ہو گئی تھی اس کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت پر حضرت حسانؓ بن ثابت تمام عمر سوگوار رہے اور ان کا نہایت پر درد مرثیہ لکھا۔

بیر رومہ کی خریداری

مدینہ آنے کے بعد مسلمانوں کو پانی کی سخت تکلیف تھی تمام شہر میں ایک بیر رومہ کنواں تھا جس کا پانی پینے کے لائق تھا۔ لیکن اس کا مالک ایک یہودی تھا جس کو اس نے ذریعہ معاش بنا رکھا تھا حضرت عثمان نے اس عام مصیبت کو رفع کرنے کے لیے اس کنوئیں کو خرید کر وقف کر دینا چاہا بڑی کوشش کے بعد یہودی صرف نصف حق فروخت کرنے پر راضی ہوا حضرت عثمان نے بارہ ہزار درہم میں نصف کنواں خرید لیا اور یہ شرط طے پائی کہ ایک دن حضرت عثمان کی باری ہوگی دوسرا دن یہودی کے لیے ہوگا جس روز حضرت عثمان کی باری ہوتی مسلمان اس قدر پانی بھر لیتے کہ دو دن تک کے لیے کافی ہوتا تھا۔ یہودی نے سمجھا کہ اب اسے کچھ نفع نہیں ہو سکتا

Marfat.com

تو وہ بقیہ نصف بھی فروخت کرنے پر راضی ہو گیا۔ حضرت عثمان نے آٹھ ہزار درہم سے خرید کر عام مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ اس طرح اسلام میں حضرت عثمان کے فیض کرم کا یہ پہلا ترشح تھا جس نے توحید کے تشنہ لبوں کو سیراب کیا۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔

مسلمان مکہ میں گنتی کے رہ گئے تھے۔ قریش مکہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آنحضرتؐ کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ چنانچہ ان کے سب منصوبے خاک میں مل گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع حضرت ابوبکر صدیق ۸ ربیع الاول ۱۳ھ نبوی کو بخیر وعافیت مدینہ طیبہ میں پہنچ گئے۔

جنگ بدر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ پہنچ کر سب سے پہلے جو کام کیا وہ یہ تھا کہ جملہ اقوام کے ساتھ ایک معاہدہ کیا تاکہ مذہب ونسل کا اختلاف وطنیت کی وحدت میں تبدیل ہو جائے اور سب کو تہذیب وتمدن میں ایک دوسرے کی اعانت حاصل رہے۔ اس معاہدہ پر مدینہ میں آباد تمام قوموں کے دستخط لیے گئے۔ حتیٰ کہ گرد ونواح کے قبائل کو بھی اس میں شامل کیا گیا۔

قریش مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ اس قسم کی عداوت ہو گئی تھی کہ آپ کے تین سو میل دور چلے جاتے پر بھی انہیں چین نہ آیا۔ بلکہ روز بروز ان کی دشمنی تیز سے تیز تر ہوتی گئی۔ بالآخر اہل مکہ نے ابوجہل کی قیادت میں ۲ھ

Marfat.com

میں ایک منظم حملہ کیا جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہتے مسلمانوں کی مختصر جماعت کے ساتھ بدر کے مقام پر مقابلہ کیا۔ یہ جنگ سب سے پہلی اسلامی جنگ تھی۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجبوراً لڑنا پڑی۔

مسلمان اس وقت نہایت کشمکش کی حالت میں مبتلا تھے۔ ادھر کفار مکہ کا خطرہ ادھر مدینہ کے یہود کا بغض و عناد۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی وجہ سے ان کا وقار بھی خاک میں مل چکا تھا۔

(جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں مسلمانوں کو مدینہ سے کوچ کا حکم دیا اس وقت حضرت عثمانؓ کی بیوی سیدہ رقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تھیں۔ اس لیے حضرت عثمانؓ کو آپ نے جنگ میں جانے سے روک دیا۔ لیکن اس کے باوجود مال غنیمت سے محروم نہیں فرمایا اور فرمایا عثمانؓ! تم اجر میں بھی اور غنیمت میں بھی اہل بدر میں شمار ہو۔ حضرت عثمانؓ کو بہت صدمہ تھا۔ ایک طرف تو اہلیہ بیمار تھیں دوسری طرف پہلی اسلامی جنگ میں شمولیت کی اجازت نہ مل سکی (

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر حضرت رقیہؓ کی تیمارداری کے ساتھ ساتھ مدینہ میں اپنی نیابت کا بھی خیال تھا۔ تاکہ کوئی اندرونی فتنہ سر نہ اٹھا سکے۔

چنانچہ حضرت رقیہؓ اس بیماری سے جانبر نہ ہو سکیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ذوالنورین

(حضرت عثمانؓ کو فتح بدر کی خوشخبری اس وقت ملی جب کہ وہ اپنی اہلیہ

کو دفنا کر واپس آ رہے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ سے واپس تشریف لائے تو آپ نے اپنی دوسری بیٹی سیدہ ام کلثوم رضؓ حضرت عثمان رضؓ کے نکاح میں دے دی۔

حضرت عثمانؓ کے سوا کسی شخص کے نکاح میں پیغمبر کی دو بیٹیاں نہیں آئیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے حضرت عثمان رضؓ کو ذوالنورین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

دیگر غزوات اور استخلاف

جنگ بدر کے بعد اور جس قدر معرکے پیش آئے سب میں حضرت عثمانؓ پامردی، استقلال اور مردانہ شجاعت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمرکاب رہے اور ہر موقع پر اپنی اصابت رائے اور جوش و ثبات کے باعث آپؐ کے دست و بازو ثابت ہوئے۔

جنگ احد

شوال ۳ھ میں جب غزوہ احد پیش آیا تو پہلے غازیان دین نے دشمن کو شکست دے کر میدان سے بھگا دیا۔ لیکن وہ مسلمان تیر انداز جو عقب کی حفاظت کر رہے تھے اپنی جگہ چھوڑ کر غنیمت کا مال جمع کرنے لگے۔ کفار نے اس جنگی غلطی سے فائدہ اٹھایا اور پیچھے سے اچانک حملہ کر دیا۔ مسلمان اس سے غافل تھے۔ اس لیے اس ناگہانی حملہ کو روک نہ سکے۔ اور بے ترتیبی سے منتشر ہو گئے۔ اسی اثناء میں مشہور ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت پائی۔ اس افواہ نے نہال نثاروں کے حواس اور بھی گم کر دیے سوائے چند

آدمیوں کے جو جہاں تھا وہیں متحیر ہو کر رہ گیا۔ حضرت عثمان بھی ان ہی لوگوں میں سے تھے۔

جنگ احد میں صحابہ کا منتشر ہو جانا اگرچہ ایک اتفاقی حادثہ تھا۔ جو مسلمان تیر اندازوں کی غلطی کے باعث پیش آیا تاہم لوگوں کو اس کا سخت ملال تھا۔ خصوصاً حضرت عثمانؓ نہایت پشیمان تھے۔ لیکن یہ اتفاقی غلطی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے عفو عام کی بشارت دیدی۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ (آل عمران)	اور تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے جنگ کے موقع پر پشت دکھا دی حقیقت میں شیطان نے ان کے بعض اعمال کے بدلے میں پھسلا دیا۔ اللہ نے ان کو معاف کر دیا اور بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشش والا حلم والا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی جنگ میں بنفس نفیس تشریف لے جاتے تو اپنے بعد مدینہ کوئی نائب مقرر فرما جاتے تھے۔ چنانچہ غزوہ ذات الرقاع اور غزوہ غطفان میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔

اس سے جہاں حضرت عثمان کی فضیلت کا ثبوت ملتا ہے وہاں ان کی فراست ملکی اور لیاقت و تدبر کا مقام بھی معلوم ہوتا ہے۔

(۴ھ میں غزوہ بنو نضیر ہوا ۵ھ میں جنگ خندق کا معرکہ پیش آیا

Marfat.com

حضرت عثمان ان تمام مہمات میں شریک تھے ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت کعبہ کا قصد فرمایا۔ کفار کے مزاحم ہونے کی وجہ سے حدیبیہ کے مقام پر رکے۔

صلح حدیبیہ ۶ھ

کفار مکہ کو جنگ بدر میں شکست فاش ہوئی ان کے ستر سردار مارے گئے اور ستر قیدی بنا لیے گئے۔ اتنی ذلت اٹھانے پر بھی انہیں عبرت نہ ہوئی بلکہ برعکس اس کے جوش انتقام میں اور بھی اندھے ہو گئے۔ اور دوسری جنگ کے لیے زبردست تیاریاں شروع کر دیں۔ چنانچہ جنگ احد اور جنگ خندق میں بھی پوری طرح مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی نصرت مسلمانوں کے ہمیشہ شامل حال رہی اور کفار کی ہر کوشش ناکام ہو کر رہ گئی۔

۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذیقعد کے مہینہ میں عمرہ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ چودہ سو صحابہ نے عمرہ کی نیت سے رخت سفر باندھ لیا۔ ذو الحلیفہ (جسے آج کل بیر علی کے نام سے پکارا جاتا ہے) کے مقام پر پہنچ کر احرام باندھا اور عصر کی نماز قصر سے ادا کی (یہ مقام مدینہ سے قریباً تین چار میل دور ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ کے قریب پہنچے۔ اور اہل مکہ کو آں حضرت کی آمد کا علم ہوا تو انہوں نے رسول اللہ کو مکہ میں داخل ہونے سے روکا آپ نے حدیبیہ کے مقام پر جو مکہ سے نو میل کے فاصلہ پر واقع ہے قیام فرمایا قریش مکہ کی جانب سے بدیل بن ورقاء خزاعی آپ کے پاس چند ہمراہیوں کی معیت میں آیا۔ اور آنحضرتؐ سے آمد کا سبب دریافت فرمایا۔ آپ نے فرمایا

Marfat.com

کہ ہم عمرہ کے لیے آئے ہیں۔ تم دیکھ رہے ہو کہ قافلہ کے آگے قربانی کے اونٹوں کی قطار ہے اور ہم احرام میں ہیں۔ اس لیے تم سے لڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بدیل یہ سن کر واپس مکہ گیا اور قریش سے کہا کہ تم ناحق بدظنی میں مبتلا ہو۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو صرف زیارت بیت اللہ کے لیے آئے ہیں۔

چند فتنہ پسند لوگوں نے کہا کہ ہم انھیں زیارت کے لیے بھی مکہ میں داخلہ کی اجازت نہیں دیں گے۔ حالانکہ یہ بین الاقوامی اصول کے سراسر منافی تھا۔

چند سمجھ دار لوگوں نے معاملہ کی نوعیت کو سمجھنے کی کوشش کی اور حلیس بن علقمہ کنانی کو قاصد بنا کر آنحضرت کی طرف روانہ کیا۔ لیکن وہ آپ سے ملاقات کیے بغیر ہی اونٹوں کو دیکھ کر واپس لوٹ گیا۔ اور جا کر کہا کہ مسلمان لڑنے کی نیت سے نہیں آئے۔ بلکہ عمرہ کرنے کے لیے آئے ہیں۔ لہذا تمھیں کسی کو زیارت کعبہ سے روکنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ سنکر مکہ کے شر پسند دل نے کہا کہ تم جنگل کے باشندے ہو تمھیں یہ معلوم نہیں اگر ہم انھیں مکہ میں داخل ہونے دیں تو اس میں ہماری بے عزتی ہے۔

حلیس کو یہ سنکر بہت غصہ آیا اور وہ طیش میں آ کر کہنے لگا کہ اگر تم نے مسلمانوں کو زیارت کعبہ سے روکا تو میں اپنے قبیلہ سمیت مسلمانوں کی طرف سے ہو کر تمہارے ساتھ جنگ کروں گا۔ آخر سمجھا بجھا کر قریش نے اس کا غصہ ٹھنڈا کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافی نامہ و پیام کے بعد اس ارادہ کا اظہار فرمایا کہ عمر فاروق رضؓ کو اہل مکہ کے پاس بھیجا جائے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ کہ حضور مجھے اہل مکہ کے پاس جانے میں کوئی عذر نہیں۔ لیکن بطور مشورہ میری

Marfat.com

گذارش ہے کہ مکہ میں میرے قبیلہ بنو عدی کا کوئی آدمی نہیں جو میری حمایت میں کھڑا ہو سکے۔ بہتر ہوگا کہ آپ عثمانؓ بن عفان کو روانہ فرمائیں کیونکہ ان کے خاندان کے بہت سے بااثر آدمی وہاں موجود ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی اس تجویز کو پسند فرمایا۔ اور حضرت عثمانؓ کو بطور قاصد کے ابو سفیانؓ کی طرف روانہ کیا۔ حضرت عثمانؓ کی سب سے پہلے ابان بن سعید بن عاص سے ملاقات ہوئی۔ ابان فوراً انہیں اپنی امان میں لے کر ابو سفیان اور دوسرے سرداروں کے پاس پہنچا۔ قریش کے سربراہوں نے حضرت عثمان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنکر کہا تمہیں اجازت ہے تم خانہ کعبہ کا طواف کر سکتے ہو۔ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ حضرت عثمان نے جواب دیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر طواف نہیں کر سکتا۔ یہ سنکر اہل مکہ بہت برہم ہوئے لہذا انہوں نے حضرت عثمان کو مکہ میں ہی روک لیا۔

ادھر لشکر اسلام میں کسی طرح یہ خبر مشہور ہوگئی کہ اہل مکہ نے حضرت عثمان کو شہید کر دیا ہے۔ یہ خبر سنکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک ہم حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ نہ لے لیں گے۔ مدینہ کا رخ نہ کریں گے چنانچہ

ملہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو سفیان اس وقت مکہ کے دونوں گروہوں میں سے جو امن کا حامی تھا اس کے علمبردار تھے تبھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاصد ابو سفیان کی طرف بھیجا تاکہ کوئی بہتری کی راہ نکل سکے۔ ۱۲ ے خدا کی شان دیکھیے ایک وہ وقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت ابھی مستحکم بھی نہیں ہوئی۔ لیکن آپ کتنے دہاتی بر مملکہ!

Marfat.com

آپ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے ۔ اور تمام صحابہ سے جاں نثاری کی بیعت لی یہ بیعت "بیعت رضوان" کے نام سے مشہور ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام بیعت کرنے والوں کو اپنی رضا کی خوشخبری دی ہے لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ۔ (فتح) جن لوگوں نے درخت کے نیچے تم سے بیعت کی تھی اللہ تعالیٰ ان سب سے خوش ہو گیا ہے ۔

حضرت عثمان کے متعلق چونکہ ابھی تک کوئی صحیح خبر نہیں پہنچی تھی اس لیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہی دائیں ہاتھ کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دے کر دوسرے ہاتھ پر رکھا اور فرمایا کہ یہ ہاتھ عثمان کا ہاتھ ہے ۔ اس طرح خود ہی حضرت عثمان کی طرف سے بیعت کر کے انہیں "بیعت الرضوان" میں شامل فرما لیا ۔

ایک دفعہ ایک خارجی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دریافت کیا کیا یہ سچ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے بیعت الرضوان نہیں کی ۔ آپ نے جواب دیا ہاں عثمانؓ اس وقت موجود نہ تھے مگر اس ہاتھ نے ان کی طرف سے قائم مقامی کی جس سے بہتر کوئی دوسرا ہاتھ نہیں ۔ لیکن درحقیقت یہ بیعت تو حضرت عثمان ہی کے خون کے انتقام کے لیے منعقد ہوئی اس سے بڑھ کر اور شرف کیا ہو سکتا ہے ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۳) عزم بالجزم کے ساتھ فرما رہے ہیں کہ عثمانؓ کے خون کا بدلہ لیے بغیر ہم واپس نہیں جائیں گے اگرچہ موسم کعبہ ہی کیوں نہ ہو اور ایک وہ وقت آیا کہ اسلامی خلافت نصف دنیا پر حکمران ہے لیکن مظلوم شہید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ نہیں لیا جا سکا ۔ ۱۲

Marfat.com

اتنے میں حضرت عثمانؓ بھی مکہ سے آگئے۔ لیکن اس بیعت کا یہ اثر ضرور ہوا کہ مکہ کے لوگ بھی صلح و آشتی پر آمادہ ہو گئے جس کے نتیجہ میں ایک صلح نامہ لکھا گیا فریقین کی طرف سے عہد کیا گیا کہ وہ ایک دوسرے پر حملہ آور نہیں ہوں گے مسلمان آئندہ سال عمرہ کر سکیں گے، اور عرب قبائل فریقین میں سے جسے چاہیں اپنا حلیف بنا سکیں گے۔

اس صلح نامے کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ تمام لوگوں میں مسلمانوں کو تبلیغ کرنے کا موقع میسر آ گیا۔ چنانچہ سارے عرب میں اسلام پھیلتا چلا گیا۔

سنہ ۷ھ میں معرکہ خیبر پیش آیا۔ سنہ ۸ھ رمضان المبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کی عہد شکنی کی وجہ سے مکہ پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا اس فتح کے بعد لشکر اسلامی واپس جا رہا تھا کہ وادی حنین میں قبیلہ ہوازن و ثقیف نے مزاحمت کی۔ چنانچہ آپؐ نے ان قبائل کی بھی سرکوبی کر کے طائف تک کا سارا علاقہ ماتحت کر لیا۔ حضرت عثمان ان تمام معرکوں میں شریک رہے۔

اسلام کی ان فتوحات کے بعد عرب کے دور دراز علاقوں سے بھی لوگ جوق در جوق آ کر حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے۔ چنانچہ اسی وجہ سے سنہ ۹ھ عام الوفود کہلاتا ہے

جنگ تبوک

انہیں دنوں شام سے ایک قافلہ آیا جس سے معلوم ہوا کہ قیصر اپنی فوجوں کو مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے تیار کر رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب سمجھا کہ ان کا مقابلہ سرزمین عرب سے باہر ہی کیا جائے۔ یہ جنگ ایک

Marfat.com

ایسی قوم سے تھی جو نصف دنیا پر حکمران تھی اور جس کی فوج حال ہی میں ایران کو نیچا دکھا چکی تھی۔ ادھر بے سروسامان مسلمان، دور دراز کا سفر اور موسم شدت کا گرم تھا سہ

مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیاری جنگ کے لیے چندہ کی فہرست مرتب فرمانی شروع کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نوسو اونٹ ایک سو گھوڑے ایک ہزار دینار طلائی آنحضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کا یہ ایثار دیکھ کر خوش ہو کر فرمایا۔ عثمانؓ! تیرے جنت میں جانے کے لیے صرف یہ ایک عمل ہی کافی ہے اور "مجہز جیش العسرۃ" کا خطاب مرحمت فرمایا اور فرمایا مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذَا الْيَوْمِ یعنی آج کے بعد عثمانؓ کا کوئی عمل اس کی عاقبت کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف نے چالیس ہزار درہم۔ حضرت عمر فاروقؓ نے تمام اثاثہ کا نصف اور حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے گھر کا تمام اثاثہ لاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈال دیا۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار کا لشکر لے کر تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ مسلمانوں کا جوش و خروش دیکھ کر قیصر روم نے مقابلہ کرنے سے گریز کیا۔ آپ نے تبوک کے مقام پر ایک مہینہ قیام فرمایا اور گردو نواح کے چھوٹے چھوٹے قبائل کے سرداروں سے وفاداری کا عہد و پیمان لے کر واپس لوٹ آئے۔

Marfat.com

ام کلثوم کی وفات

(اسی سال ۹ھ میں حضرت عثمان کی دوسری بیوی سیدہ ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے پاس اور بیٹی بھی ہوتی تو میں عثمان کے عقد میں دے دیتا۔)

خلافت صدیقؓ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کیا۔ اور واپس آتے ہی بیمار ہو گئے۔ آپ بیماری کی حالت میں بھی احکام صادر فرماتے رہے۔ ۱۱ھ ماہ محرم الحرام کے وسط میں آپ بیمار ہوئے اور ماہ صفر کے آخر میں بیماری اور بھی شدت اختیار کر گئی اس شدید علالت کے باوجود آپ گیارہ یوم تک خود ہی امامت فرماتے رہے جب نقاہت اور بھی زیادہ ہو گئی تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیق کو امامت کے لیے مقرر فرمایا۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ شاید میرے والد اس خدمت کو سر انجام نہ دے سکیں۔ کیونکہ وہ زیادہ رقیق القلب ہیں۔ اس لیے حضرت عمرؓ کو امام مقرر فرمائیے۔ آپ نے غصہ میں آکر فرمایا کہ امامت ابوبکرؓ ہی کروائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی یہی منشا ہے۔

۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو وہ سورج جس نے تاریک دنیا کو نور ہدایت سے منور فرمایا تھا ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

صحیح بخاری و مسلم میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے بیماری کی حالت میں فرمایا۔ اپنے باپ اور بھائی کو بلاؤ تاکہ میں تمہارے باپ کے حق میں خلافت نامہ لکھ دوں۔ پھر فرمایا اس کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ

Marfat.com

مسلمان سوائے ان کے دوسرے کو سردار مقرر نہ کریں گے اور خدا تعالیٰ کی مشیت یہی ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام نے اتفاق رائے سے حضرت ابوبکر صدیق کو خلیفۃ المسلمین تسلیم کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

انصار نے انتخاب صدیق سے پہلے مہاجرین کی خلافت پر اعتراض کیا تھا لیکن جب ان کے سامنے فرمان نبوی پیش ہوا الائمۃ من القریش[2]

---

[1] بحوالہ تاریخ اسلام اکبر شاہ نجیب آبادی صـ ۲۴۵/۲۴۸ یا ب اللہ و رسولہ والمومنون حدیث کی طرف

[2] بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ روایت قیامت تک کے لیے ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم اس ماحول کے مطابق ارشاد فرمایا تھا۔ کیونکہ جس کی سیادت مسلم ہو اسے تو لوگ قبول کر لیتے ہیں اور ایک عامی آدمی کو وڈ سالک قبول نہیں کرتے۔ اگرچہ اسلامی نظریہ اس سے موافقت نہیں کرتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالات کے مطابق فرما دیا تھا۔ کہ تمام عرب میں سیاسی و روحانی اور مذہبی تفوق قریش ہی کا مسلم ہے اس لیے خلیفہ انہی میں سے ہو۔ چنانچہ جس وقت جنگ بدر میں قریش مکہ کے سامنے مدینہ کے انصار آئے تو عتبہ نے پکار کر کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم کمینوں (نعوذ باللہ) سے نہیں لڑ سکتے بلکہ ہمارے سامنے ہمارے مرتبہ کے آدمی ہونے چاہئیں۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی سقیفہ میں جو خطبہ پڑھا۔ صاف طور پر اس خیال کا اظہار فرمایا ان العرب لا تعرف هذا الامر الا لهذا الحی من قریش کہ عرب لوگ اس قبیلہ قریش کے علاوہ کسی کو پہچانتے ہی نہیں۔ ان کی سیادت کیسے قبول کریں گے حضرت عمر بھی الائمۃ من قریش کو وقتی حکم ہی سمجھتے تھے چنانچہ جب ان کو آخر وقت میں کہا گیا کہ آپ کسی کو خلیفہ نامزد فرما جائیں تو انہوں نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو خلیفہ نامزد کرتا تو وہ ابو عبیدہ بن جراح تھے یا پھر اس کے بعد حذیفہ کے غلام سالم کو نامزد کرتا۔ لیکن وہ دونوں فوت ہو چکے ہیں۔ حالانکہ حضرت سالم قریش نہ تھے فافہم (مولف)

کہ خلافت قریش میں ہوگی۔ تو انصار نے سر تسلیم خم کر دیا۔ چنانچہ پہلے ہی دن صحابہ کرام میں سے ۳۳ ہزار صحابہ نے بطیب خاطر حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر تمام ملک عرب اور سارے مسلمانوں نے آپ کو خلیفہ رسول اللہ تسلیم کیا۔ خلافت صدیقی سے بڑھ کر کوئی دوسرا اجماع امت میں نظر نہیں آتا۔

حضرت ابوبکر رضؓ صدیق نے خلیفہ منتخب ہوتے ہی سب سے پہلے جس چیز کی طرف توجہ دی وہ مرتدین کا استیصال تھا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو غیر ملکی بڑی بڑی طاقتیں کبھی مسلمانوں کو ابھرنے کا موقع نہ دیتیں۔

دوسری چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اَخْرِجُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی مِنْ جَزِیْرَۃِ الْعَرَبِ[1] غیر مسلم اقوام سے جزیرہ عرب کو پاک کرنا تھا چنانچہ مرتدین کا صفایا کرنے کے فوراً بعد شام و عراق کی سرحدوں پر فوجوں کو روانگی کا حکم دے دیا۔

تیسری چیز ملکی انتظامات تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کو مدینہ کا قاضی مقرر کیا۔ حضرت ابوعبیدہ رضؓ کو خزانچی اور حضرت عثمان کو ناظم اعلیٰ مقرر فرمایا۔ اور حضرت زیدؓ کو ان کا معاون بنایا۔ چنانچہ آخری وصیت نامہ خلافت جب تحریر ہوا تو وہ حضرت عثمان کے ہاتھوں ہی لکھوایا گیا۔

شروع ماہ جمادی الثانی ۱۳ھ کو حضرت ابوبکر رضؓ لعارضہ تپ مبتلا ہوئے پندرہ روز شدید بخار رہا۔ جب زندگی کی کوئی امید نہ رہی تو سب سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف کو بلایا اور خلافت کے متعلق مشورہ طلب کرتے ہوئے فرمایا کہ عمر رضؓ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ انہوں نے کہا

[1] جزیرہ عرب کا نقشہ اسی کتاب میں چھپا ہے ۱۲

Marfat.com

کہ قابلیت کے متعلق تو کلام ہی نہیں البتہ مزاج میں کچھ سختی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا وہ سختی اس لیے تھی کہ میں نرم تھا۔ جب کام کا بوجھ پڑے گا تو مزاج خود بخود اعتدال پر آجائے گا۔

پھر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے حضرت عثمان رضؓ کو بلا کر دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ عمر رضؓ کا باطن ظاہر سے بھی بہتر ہے۔ اور ہم لوگوں میں سے کوئی بھی ان کے مقام کو نہیں پا سکتا۔

پھر حضرت علی رضؓ سے مشورہ کیا۔ انھوں نے بھی وہی کہا جو حضرت عثمان رضؓ نے کہا تھا۔ حضرت ابوبکر رضؓ جانتے تھے کہ ان کے بعد حضرت عمر رضؓ ہی ایسے شخص ہیں جو بار خلافت اٹھا سکیں گے۔

جب حضرت ابوبکر رضؓ صدیق کا ارادہ عوام پر ظاہر ہوا تو کچھ لوگوں کو تردد ہوا۔ چنانچہ حضرت طلحہ رضؓ نے کہہ ہی دیا کہ یا حضرت آپ کی موجودگی میں عمر رضؓ کا ہمارے ساتھ کیا سلوک تھا۔ خلیفہ ہونے کے بعد تو وہ اور بھی سخت ہو جائیں گے۔ آپ خدا کے روبرو جا رہے ہیں۔ آخر وہاں کیا جواب دیں گے؟

حضرت ابوبکر رضؓ صدیق نے جواب دیا کہ میں خدا تعالیٰ سے عرض کروں گا کہ میں نے تیرے بندوں پر اس شخص کو حاکم مقرر کیا جو تیرے بندوں میں سے سب سے بہتر تھا۔

اس ساری گفتگو کے بعد حضرت عثمان رضؓ کو بلایا اور عہد نامہ خلافت لکھوانا شروع کیا۔ ابتدائی حصہ لکھوانے کے بعد آپ کو غش آ گیا۔ حضرت عثمان رضؓ

Marfat.com

نے ان کی یہ حالت دیکھ کر اپنی ہی طرف سے یہ الفاظ لکھ دیے کہ عمرؓ کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔ اتنے میں ہوش آیا تو حضرت عثمانؓ سے دریافت فرمایا کہ کیا لکھا ہے۔ مجھے پڑھ کر سناؤ۔ حضرت عثمان رضؓ نے پڑھ کر سنایا تو بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے اور فرمایا خدا تمہیں جزائے خیر دے۔ اور تحریر کا اعلان کروادیا۔

خلافت فاروقؓ

خلافت فاروق میں حضرت عثمانؓ کا مقام خاص مشیروں اور مجلس شوریٰ کے خاص ارکین میں سے تھا۔ ہر اہم کام میں ان کا مشورہ ضرور شامل ہوتا۔ ابن سعد رضؓ نے طبقات میں حضرت عمر فاروق کی مجلس شوریٰ کے ارکان کے مندرجہ ذیل نام دیے ہیں۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرت علیؓ۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف رضؓ معاذ بن جبل، ابیؓ بن کعب، زیدؓ بن ثابت، رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

جہاں آپ حضرت عمرؓ کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے وہاں دارالافتاء کے رکن بھی تھے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہر کسی کو فتویٰ دینے کی اجازت نہیں تھی۔ اس سے حضرت عثمانؓ کا علمی مقام بھی نمایاں ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابوہریرہؓ جیسے فقیہ اور حافظ حدیث صحابہ کے ساتھ حضرت عثمانؓ کو بھی دارالافتاء کی رکنیت دی تھی۔

یہ واقعات دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سیرت کا ایک حصہ ہیں۔ یعنی اگر حضرت عمر فاروق رضؓ نے مجلس شوریٰ کے رکن کی حیثیت سے حضرت عثمانؓ کو منتخب فرمایا تھا۔ تو اس میں حضرت عمرؓ کی فراست و ذہانت کا دخل تھا کہ انہوں نے کس طرح صحیح رکنیت کے لائق، اعلیٰ ذہانت کے مشیر و وزیر منتخب کیے۔ اگرچہ اس سے حضرت عثمانؓ کا بلند مقام بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک ذہین اور

بہترین مشیر ہونے کے اہل تھے۔

اسی طرح حضرت ابوبکر رضؓ صدیق نے اگر حضرت عثمانؓ کو اپنا کاتب خاص (پرائیویٹ سیکرٹری) مقرر فرمایا تو اس سے جہاں حضرت ابوبکر رضؓ کی بلند نظری کا پتہ چلتا ہے۔ وہاں ساتھ ہی حضرت عثمانؓ کے اس امتیازی مقام کا اظہار بھی ہوتا ہے بالکل اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ جیسے مخدوش وقت میں سفارت کا عہدہ حضرت عثمان رضؓ کو عطا فرمایا تو یہ صاحب نبوت ہی کا مقام تھا اگرچہ یہی واقعہ حضرت عثمان رضؓ کی لیاقت کا بھی واضح ثبوت ہے۔ آئندہ واقعات کا تعلق صرف خلافت عثمانی سے ہوگا۔

Marfat.com

باب دوم

بیعت خلافت کے بعد

انتخاب

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ بروز بدھ صبح کی نماز پڑھانے کے لیے مسجد میں تشریف لائے کہ فیروز نامی ایک غیر مسلم غلام نے کسی سازش کے تحت نماز کی حالت میں ہی خنجر سے آپ پر حملہ کر دیا۔ زخم شدید تھے اور خنجر زہر آلود تھا جب جانبر ہونے کی کوئی امید نہ رہی تو صحابہ کرام نے گذارش کی کہ آپ کی حالت مخدوش معلوم ہو رہی ہے۔ لہذا بہتر ہے کہ آپ خود اپنا جانشین مقرر فرما جائیں۔ آپ نے جواب دیا کہ میں نہیں چاہتا کہ زندگی بھر جو بوجھ مجھ پر رہا ہے میری موت کے بعد بھی مجھی پر رہے۔ چنانچہ آپ نے چھ حضرات پر مشتمل ایک مجلس مشاورت کا تقرر فرما دیا جن کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ عثمانؓ بن عفان، علیؓ بن ابی طالب، طلحہ بن عبید اللہ، زبیرؓ بن عوام، سعدؓ بن ابی وقاص، عبد الرحمٰنؓ بن عوف اور کہا کہ ان میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔

بعض اکابرین صحابہ نے رائے ظاہر کی کہ اپنے بیٹے عبد اللہ کو بھی مجلس مشاورت میں شریک فرما دیں[1]۔ آپ نے فرمایا کہ مجلس مشاورت میں تو اسے

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے نظریہ کے مطابق خلیفہ کا بیٹا بھی خلافت پر منتخب ہو کر آ سکتا تھا۔

Marfat.com

لے سکتے ہیں۔ لیکن انتخاب میں لینے کی میں کبھی اجازت نہ دوں گا۔ بارِ خلافت کی ذمہ واری کیا میرے لیے ہی کم تھی کہ اب میں خاندان کے کسی دوسرے فرد پر یہ بوجھ ڈال کر انہیں بہت سی آسائشوں سے محروم کر دوں۔ اگر میں کسی کو خلیفہ نامزد کرتا تو وہ ابو عبیدہ بن جراح تھے جو مجھ سے پہلے فوت ہو گئے یا پھر حذیفہؓ کے غلام سالمؓ کو نامزد کرتا۔ لیکن وہ بھی مجھ سے پہلے فوت ہو گئے۔

اور ساتھ ہی یہ حکم صادر فرمایا کہ ان چھ افراد میں سے تین یوم کے اندر اندر خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔ اور جب تک خلیفہ کا انتخاب نہیں ہوتا امامت کے فرائض حضرت صہیبؓ سرانجام دیں گے۔

(حضرت عمرؓ نے یہ بھی فرما دیا کہ میرا خیال ہے کہ لوگ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے مقابلہ پر کسی کو نہیں لائیں گے۔ کیونکہ وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبِ وحی تھے۔)

(حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ کا زخم اتنا شدید تھا کہ وہ زیادہ دیر تک زندہ نہ رہ سکے۔ چنانچہ امت کے بہادر ترین انسان اور سیاستِ عالم کے مدبر ترین جرنیل بروز جمعرات ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ کو اس دنیائے فانی کو خیرباد کہہ کر عالمِ جاودانی کو سدھار گئے۔ اَللّٰھُمَّ ارْضَ عَنْھُم

خلیفہ ثانی کی تجہیز و تکفین کے بعد مجلس مشاورت کے ارکان مسعودؓ بن مخرمہ کے گھر جمع ہوئے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ ہر آدمی اپنے سے بہتر شخصیت کے لیے اپنا حق سونپ دے۔ چنانچہ حضرت

Marfat.com

زبیرؓ نے اپنا حق حضرت علیؓ کو دے دیا۔ حضرت سعدؓ نے اپنا حق حضرت عبدالرحمنؓ کو دے دیا۔ اور حضرت طلحہؓ نے اپنا حق حضرت عثمانؓ کو دے دیا۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ ہم تینوں میں سے میں اپنے حق سے دستبردار ہوتا ہوں۔ تم دونوں میں سے بھی ایک آدمی اس امت کے بوجھ سے دستبردار ہو کر دوسرے کو خلیفہ تسلیم کر لے۔ تاکہ معاملہ خود بخود ہی طے پا جائے۔ لیکن حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ دونوں خاموش رہے چنانچہ حضرت عبدالرحمنؓ نے دونوں کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں غیر جانبدار ہو کر محض امت کی بھلائی کے لیے انصاف سے فیصلہ دینے کا اقرار کرتا ہوں۔ آپ دونوں بھائی بھی عہد کریں کہ میں جس کو منتخب کروں گا۔ آپ دونوں میں سے کسی کو بھی کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا۔ وہ دونوں نے جواب دیا کہ ہم تمہارے فیصلہ سے کوئی اختلاف نہیں کریں گے۔ بلکہ تمہارے فیصلہ کی تائید کریں گے۔

پھر دونوں سے علیحدہ علیحدہ اقرار لیا کہ اگر تم کو خلیفہ بنایا جائے تو عدل و انصاف سے کام لوگے؟ اس کے بعد یہ مجلس برخاست ہوئی۔

اس کے بعد حضرت عبدالرحمن نے فرداً فرداً تمام متقدر صحابہ کرام اور عوام الناس سے بھی رائے دریافت کی۔ اکثریت نے حضرت عثمان رضؓ کے حق میں فیصلہ دیا۔ اس کے بعد حضرت علی رضؓ سے دریافت کیا۔ اگر تمہارے علاوہ کوئی خلیفہ ہو تو کون ہونا چاہیئے۔ حضرت علیؓ

Marfat.com

نے جواب دیا حضرت عثمانؓ۔ اسی طرح حضرت عثمان سے دریافت کیا کہ اگر تمہارے علاوہ کوئی خلیفہ ہو تو کون ہونا چاہئیے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ حضرت علیؓ۔

اس کے بعد حضرت عبدالرحمنؓ نے مزید رائے دریافت کرنا شروع کی۔ چنانچہ ابن کثیر میں صفحہ ۱۴۶ میں جو الفاظ ہیں وہ یہ ہیں:۔

ثم نهض عبد الرحمن بن	پھر حضرت عبدالرحمن نے لوگوں سے مشورہ
عوف رضی الله عنه یستشیر	لینا شروع کیا۔ عوام الناس اور سرداروں
الناس فیهما ویجمع رأی المسلمین	کی رائے بھی لی۔ ان کو اکٹھا کر کے بھی دریافت
برأی رؤس الناس وأقیادهم	کیا اور علیحدگی میں بھی دریافت کرتے رہے
جمیعا واشتاتا مثنی وفرادی	عوام سے بھی فرداً فرداً پوچھا اور جہاں
ومجتمعین، سرا وجهرا حتی	کہیں اکٹھے ہوتے ان سے بھی دریافت
خلص الی النساء	کرتے۔ پوشیدگی میں بھی دریافت کیا اور
المخدرات فی حجابهن	اعلانیہ بھی پوچھتے رہے حتیٰ کہ پردہ نشین
وحتی سأل الولدان فی	عورتوں سے دریافت فرماتے رہے اور
المکاتب وحتی سأل	سکول کے طلباء سے بھی پوچھتے رہے
من یرد من الرکبان	اور دیہات سے آنے والے سواروں سے
والاعراب الی المدینة فی	بھی مشورہ لیتے رہے۔ متواتر تین دن تین
مدة ثلاثة ایام بلیالیهن	راتیں یہ سلسلہ جاری رکھا لیکن کہیں
فلم یجد اثنین یختلفین	ایک دو آدمیوں نے بھی حضرت عثمانؓ سے

Marfat.com

فی تقدم عثمان رضہ الاما	اختلاف نہ کیا البتہ حضرت عمار اور حضرت
ینقل عن عمار والمقداد	مقداد رضہ کے متعلق کہا گیا ہے۔ کہ
انھما اشارا بعلی بن ابی	انہوں نے حضرت علی رضہ کے خلیفہ
طالب۔	ہونے کا مشورہ دیا۔

حضرت عبدالرحمٰن ان تین دنوں میں عوام کی رائے دریافت کرنے کے علاوہ سوائے نماز، دعا، اور استخارہ کے اور کچھ نہ کرتے۔ بلکہ نیند بھی بہت کم کر دی۔

جب وفات عمر رضہ سے چوتھا دن طلوع ہوا تو حضرت عبدالرحمٰن رضہ نے حضرت عثمان رضہ اور حضرت علی رضہ کو مسجد نبوی میں بلایا۔ اس وقت حضرت عبدالرحمٰن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دستار مبارک پہن رکھی تھی۔ اور انہیں کی تلوار گلے میں حمائل تھی۔ تمام لوگوں کو مسجد میں اکٹھا کیا (لوگوں سے مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ حضرت عثمان ذرا دیر سے آئے۔ مسجد میں بیٹھنے کی کوئی جگہ نہ رہ گئی تھی۔ چونکہ حضرت عثمان رضہ بہت شرمیلے تھے اس لیے جوتوں والی جگہ پر ہی بیٹھ گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن ممبر نبوی پر تشریف لائے۔ اور بہت دیر تک کھڑے ہو کر دعا کرتے رہے۔ پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ میں نے تم سب لوگوں سے رائے معلوم کرنے کا ہر ممکن طریقہ اختیار کیا۔ تم میں سے جو بھی رائے تھی یا حضرت عثمان رضہ کے حق میں تھی یا حضرت علی رضہ کے متعلق تھی۔ پھر حضرت علی رضہ کو منبر نبوی کے قریب بلایا اور حضرت علی رضہ کا ہاتھ پکڑ کر دریافت کیا کہ کیا تم اقرار کرتے ہو کہ تم کتاب و سنت کے مطابق اور

Marfat.com

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے نقش قدم پر چلو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں اپنی کوشش کے مطابق جتنا ہو سکے گا کروں گا۔

حضرت عبدالرحمٰن نے حضرت علیؓ کا ہاتھ چھوڑ دیا اور حضرت عثمانؓ کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ تم اقرار کرتے ہو کہ کتاب و سنت کے مطابق اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے نقش قدم پر چلو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ خدا کے فضل سے میں ایسا کروں گا۔[1]

حضرت عبدالرحمٰنؓ نے پھر آسمان کی طرف منہ کرتے ہوئے کہا اے اللہ تو گواہ رہ، اے اللہ تو گواہ رہ، اے اللہ تو گواہ رہ کہ جو بوجھ میری گردن پر تھا وہ میں نے عثمانؓ کی گردن پر ڈال دیا ہے اور لوگوں نے بیعت کرنے میں بہت جلدی کی سب سے پہلے حضرت علیؓ بن ابی طالب نے بیعت کی۔ ابن سعد کی روایت میں ہے کہ سب سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے بیعت کی۔ دوسرے نمبر پر حضرت علیؓ نے بیعت کی۔ بیعت کا دن ذوالحجہ ۲۳ھ کا آخری دن تھا اور خلافت کا پہلا دن یکم محرم ۲۴ھ تھا۔

پہلا خطبہ

سب سے پہلا خطبہ جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بحیثیت خلیفہ کے دیا وہ یکم محرم بعد از ظہر تھا۔ اس وقت آپ غمگین دکھائی دے رہے تھے۔ منبر نبوی پر کھڑے ہو کر پہلے اللہ کی ثنا کی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا اس کے بعد اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

[1] ابن کثیر ص ۱۴۷

"لوگو! تم ایک فنا ہو جانے والے گھر (دنیا) میں رہتے ہو، عمر کا تھوڑا حصّہ باقی رہ گیا ہے۔ موت کے آنے سے پہلے پہلے جس قدر زیادہ نیکیاں کر سکتے ہو کر لو۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ تم زندگی کی منزلوں میں سے اس مقام تک پہنچ چکے ہو کہ معلوم نہیں صبح ملک عدم کو پہنچ جاؤ یا شام کو، خبردار رہو کہ یہ دنیا ساز و سامان سے ملمع شدہ ہے۔ لہٰذا اس دنیا کے فریب میں نہ آنا۔ خدا تعالیٰ لوگوں کی کوتاہیوں کو نظر انداز کرتا رہتا ہے۔ اس کے حلم کی وجہ سے دھوکہ میں مبتلا نہ ہو جانا۔ جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں ان سے عبرت حاصل کرو اور دیکھو کہ دنیائے مکارہ کے دلدادہ لے بیٹے کدھر گئے۔ جنہوں نے بڑے بڑے محلات میں زندگیاں بسر کیں اور دنیاوی آسائشوں سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ اس دنیا کو اسی مقام پر رکھو جہاں اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے اور آخرت کی بھلائی طلب کرو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بہترین مثال بیان فرمائی ہے "اے نبی ان کے سامنے اس دنیا کی مثال بیان کرو کہ یہ زندگی بالکل ایسی ہے جیسے آسمان سے بارش ہوتی ہے تو اس سے قسم قسم کا سبزہ اگ آتا ہے لیکن انجام کار وہی خشک خس و خاشاک ہو کر ایسے مٹی میں ملتے ہیں کہ ہوا انہیں اڑائے پھرتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے زبردست ہے۔ یہ مال اور اولاد تو صرف دنیاوی عزت کے لیے ہیں۔ بقا صرف اعمال صالح کو ہی ہے جن کی جزا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین ہے۔"

اس خطبہ کے بعد عصر کی نماز پڑھائی اور یہ پہلی نماز تھی جس کی امامت آپ نے فرمائی۔

Marfat.com

پہلا فیصلہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت سے چند روز پہلے کا واقعہ ہے کہ فیروز جس کی کنیت ابولؤلؤ تھی ایک خنجر لیے ہوئے ہرمزان کے پاس بیٹھا ہوا تھا (ہرمزان ایک ایرانی سردار تھا جو خلافت فاروقی میں کئی مرتبہ بدعہدی کر چکا تھا بالآخر گرفتار ہو کر دربار خلافت میں پیش ہوا اور مسلمان ہو کر مدینہ میں رہنے لگا تھا) ابولؤلؤ جب ہرمزان سے باتیں کر رہا تھا اس وقت حیرہ کا ایک باشندہ عیسائی غلام جفینہ نامی بھی بیٹھا ہوا تھا اور تینوں آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ ادھر سے گذرے جنہیں دیکھ کر ابولؤلؤ وہاں سے چل دیا۔ اٹھتے وقت جو خنجر اس کے ہاتھ میں تھا وہ گر پڑا جسے جلدی سے اس نے اٹھا لیا یہ سب کچھ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر دیکھ رہے تھے۔ اس وقت تو انہیں کوئی شبہ نہ گذرا۔ لیکن جب

لہ اس کے مسلمان ہونے کا واقعہ اس طرح ہے کہ بار بار غداری کرنے کی وجہ سے گردن زدنی کی سزا کا مستحق ہو چکا تھا۔ چنانچہ گرفتار ہو کر جب دربار خلافت میں پیش ہوا تو حضرت عمرؓ نے اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ ہرمزان نے کہا کہ مجھے پانی پی لینے دو پھر قتل کرنا۔ حضرت عمرؓ نے اسے پانی منگوا کر دیا تو پیالہ ہاتھ میں پکڑ کر کھڑا ہو رہا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ پانی کیوں نہیں پیتا اس نے کہا کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں آپ پانی پینے سے پہلے ہی نہ قتل کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک تو پانی نہ پی لے گا قتل نہیں کیا جائے گا۔ ہرمزان نے پانی کا پیالہ پھینک دیا۔ اور کہا کہ اب آپ مجھے قتل نہیں کر سکتے کیونکہ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ پانی پیئے بغیر قتل نہیں کریں گے اور میں نے پانی انڈیل دیا ہے بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔

ابولؤلؤ فیروز نامی غلام نے حضرت فاروق اعظم کو زخمی کیا اور گرفتار ہونے پر خود کشی کر کے ہلاک ہو گیا۔ تو حضرت عبدالرحمٰن نے پہچان لیا کہ یہ وہی خنجر ہے جو یہ ہرمزان کے پاس لیے بیٹھا تھا۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن نے یہ سارا واقعہ تمام لوگوں میں عبیداللہ بن عمر رض کے سامنے بیان کر دیا۔ حضرت عمر فاروق رض کے لڑکے عبیداللہ بن عمر رض کو یہ سنکر بڑا طیش آیا اور جوش انتقام میں موقع پاتے ہی ہرمزان پر حملہ کر دیا۔ ہرمزان کو زخمی ہو کر گرتے دیکھ کر حضرت سعد بن ابو وقاص عبیداللہ کی طرف دوڑے اور عبیداللہ جفینہ کے قتل کرنے کو دوڑے۔ قریب تھا کہ جفینہ پر حملہ کر دیتے کہ سعد بن ابو وقاص نے انہیں گرفتار کر لیا چونکہ اس وقت تک کوئی خلیفہ منتخب نہیں ہوا تھا۔ اور حضرت صہیب ہی عارضی طور پر نظام حکومت چلا رہے تھے۔ لہذا حضرت صہیبؓ نے مقدمہ خلیفہ کے منتخب ہونے تک التوا میں ڈال کر عبیدؓ اللہ کو گرفتار ہی رہنے دیا۔

جب حضرت عثمان رض خلیفہ منتخب ہو چکے تو خطبہ خلافت کے بعد سب سے پہلے یہ مقدمہ پیش ہوا حضرت عثمان رض نے مجلس شوریٰ کی رائے دریافت کی حضرت علیؓ کی رائے تھی کہ قصاص لیا جائے اور قاتل کو قتل کر دینا چاہیئے۔ لیکن حضرت عمرو بن عاص نے اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ یہ مناسب نہیں کہ پرسوں اس کا باپ شہید کر دیا گیا ہے۔ آج بیٹے کو بھی قتل کر دیا جائے۔ اراکین مجلس شوریٰ کی اکثریت نے عمروؓ بن عاص کی تائید کی۔

حضرت عثمانؓ نے کافی غور و خوض کے بعد فیصلہ دیا کہ چونکہ یہ واقعہ نہ

Marfat.com

خلافتِ عمرؓ میں ہوا ہے اور نہ میرے عہدِ خلافت میں ہوا ہے بلکہ حضرت صہیب کی عارضی حکومت میں یہ حادثہ ہوا ہے۔ لہٰذا میں اپنی طرف سے اس کی دیت بیت المال میں جمع کروا دیتا ہوں[1]۔ اس طرح حضرت علیہ اللہ بچ گئے اور سارے صحابہ بہت خوش ہوئے۔

عاملینِ خلافت

اس کے بعد تمام مقرر شدہ سابقہ عمال[2] کو احکام لکھ کر بھجوائے گئے کوفہ کے عامل حضرت مغیرہ بن شعبہ کو معزول کر کے مدینہ بلا لیا گیا اور ان کی جگہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا گیا۔ لوگوں نے اس تقرر و برطرفی کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ کسی قصور کی بنا پر برطرفی نہیں بلکہ وصیت فاروقی کے تحت یہ ردو بدل کیا گیا ہے۔ ان دنوں مندرجہ ذیل حکام مختلف مقامات پر متعین تھے۔ مکہ میں نافع بن الوحراث، طائف میں سفیان بن عبد اللہ ثقفی، یمن میں یعلیٰ بن امیہ، عمان میں حذیفہ بن محصن، دمشق میں معاویہ بن ابوسفیان، مصر میں عمرو بن العاص، حمص میں عمرو بن سعد، اردن میں عمرو بن عتبہ، بصرہ میں ابوموسیٰ اشعری، بحرین میں عثمان بن ابوالعاص، کوفہ میں مغیرہ بن شعبہ تھیں کو بدل کر سعد بن ابی وقاص کو مقرر کیا تھا۔

---

[1] چونکہ ہرمزان کا کوئی وارث وہاں نہیں تھا۔ اس لیے حکومت اس کی وارث تھی یہی وجہ ہے کہ ہرمزان کی دیت بیت المال میں داخل کر دی گئی [2] عامل کا ترجمہ گورنر ہے عمال اس کی جمع ہے

فتوحات

فتح اسکندریہ

خلافت کے پہلے سال یعنی ۲۴ھ میں کوئی اہم واقعہ رونما نہیں ہوا۔ اسکندریہ جو حضرت عمر فاروق کے عہد خلافت میں فتح ہو چکا تھا۔ اس میں البتہ دوبارہ جنگ ہوئی۔

قیصر روم ہرقل فتح بیت المقدس کے بعد ایشیائے کوچک اور شام سے بھاگ کر قسطنطنیہ چلا گیا تھا۔ اور جو علاقہ مسلمانوں نے فتح کیا تھا اس سے مایوس ہو کر بقیہ علاقہ کی حفاظتی تدابیر کے لیے پریشان تھا۔

اس کے بعد جب حضرت عمرو بن عاص نے مصر پر فوج کشی کی تو مقوقس شاہ مصر نے جزیہ کی ادائیگی پر صلح کر کے مصر و اسکندریہ ان کے حوالے کر دیا۔ ہرقل مصر کو اپنا ایک صوبہ سمجھتا تھا۔ اور مقوقس اس کا ماتحت تھا۔ مصر پر قبضہ کی خبر سن کر ہرقل کو بہت صدمہ ہوا۔ اور اسی رنج و غم میں سات ماہ گھل گھل کر عہد فاروقی میں مر گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا قسطنطین باپ کی جگہ تخت نشین ہوا۔ قسطنطین نے اسکندریہ کو مسلمانوں کے قبضہ سے چھڑانے کے لیے ایک زبردست فوج بھیجی۔ رومی فوج قسطنطنیہ سے جہازوں کے ذریعہ ساحل اسکندریہ پر پہنچی۔ مقوقس نے مدافعت کرتے ہوئے رومی فوج کو اسکندریہ میں داخل ہونے سے روکا۔ اور جو عہد اس نے مسلمانوں سے کیا تھا اس پر سختی سے پابند رہا۔

مسلمانوں کو جب رومیوں کے حملہ کی اطلاع پہنچی تو وہ فسطاط (قاہرہ) سے نکلے۔ ادھر رومی فوجوں نے اسکندریہ کی بجائے اسلامی چھاؤنی کی طرف رخ کیا۔ راستہ میں مڈبھیڑ ہوگئی دونوں فوجوں میں شدید جنگ اور خونریزی کے بعد رومیوں کا سالارِ اعظم مارا گیا۔ رومی شکست خوردہ ہو کر بھاگے۔ بہت سے مارے گئے جو باقی بچے وہ بمشکل کشتیوں میں سوار ہو کر قسطنطنیہ پہنچے۔ رومی فوجوں کو بھگانے کے بعد حضرت عمرو بن عاص نے اہل اسکندریہ کے اس نقصان کا معاوضہ ادا کر دیا جو رومی فوجوں نے پہنچایا تھا (کیونکہ مسلمان حکمران ذمی رعایا کی حفاظت کا ذمہ دار ہوتا ہے) اس کے بعد حضرت عمرو بن عاص نے اسکندریہ کی شہر پناہ منہدم کرا دی۔ تاکہ رومیوں کے قابض ہو کر لڑنے کا خطرہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ یہ فتح ۲۵ھ کے ابتدائی دنوں میں ہوئی۔ اس کے بعد مسلمان فوجیں پھر واپس فسطاط کی چھاؤنی میں چلی گئیں۔

۲۶ھ میں حضرت عثمانؓ نے عمرو بن عاص کو معزول کر کے اس کی جگہ عبداللہؓ بن سعد کو مصر و اسکندریہ کا حاکم مقرر کر دیا۔ عبداللہ بن سعد چونکہ بالکل نو عمر اور ناتجربہ کار تھے۔ چنانچہ ان کے دور میں پھر رومیوں نے اسکندریہ پر زبردست حملہ کر دیا۔ جب رومی فوجیں اسکندریہ پہنچی۔ تو اندرون ملک کے رومی اور یونانی بھی ان سے سازش کر کے مل گئے۔ لہٰذا معمولی مقابلہ کے بعد اسکندریہ رومیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔

یہ خبر سنکر حضرت عثمان رضؓ نے حضرت عمرو بن عاص کو دوبارہ مصر کا گورنر مقرر کر کے روانہ کر دیا۔ عمرو بن عاص نے مصر پہنچتے ہی زبردست جنگی تیاری

Marfat.com

کر کے رومیوں پر حملہ کر دیا جس سے رومیوں کو سخت نقصان اٹھانے کے بعد اسکندریہ چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ اس طرح عمرو بن عاص نے تیسری مرتبہ رومیوں کو شکست دے کر اسکندریہ فتح کیا۔ اس کے بعد پھر خلیفہ وقت نے عمروؓ بن عاص کو معزول کر کے مدینہ بلا لیا۔ اور اس کی جگہ حسب سابق عبداللہ بن سعد کو مصر کا حاکم بنا کر روانہ کر دیا۔ عبداللہؓ بن سعد چونکہ اس سے پہلے بغاوت کو فرو کرنے میں ناکام رہے تھے۔ لہذا انھیں فکر ہوئی کہ کسی طرح سابقہ ناکامی کی تلافی کی جائے۔ یہ سوچ کر حضرت عبداللہؓ بن سعد نے دربار خلافت سے شمالی افریقہ پر فوج کشی کی اجازت چاہی۔ چنانچہ خلیفہ وقت نے اجازت دے دی۔

فتح افریقہ

آج افریقہ ایک براعظم کا نام ہے۔ لیکن ان وقتوں میں افریقہ ایک ریاست کا نام بھی تھا جس کا حدود اربعہ یہ تھا۔ مشرق کی جانب مصر اور مغرب کی طرف طیونس اور طرابلس کا کچھ حصہ تھا۔ شمال میں بحیرۂ ابیض اور جنوب کی جانب ریگستان اعظم افریقہ تھا۔ اس کے علاوہ براعظم افریقہ کے سارے شمالی حصہ کو بھی افریقہ کہا جاتا تھا جس میں طرابلس، طیونس الجزائر اور مراکش شامل تھے

خلافت عثمانی سے اجازت حاصل کر لینے کے بعد عبداللہ بن سعد نے دس ہزار کی فوج کے ساتھ علاقہ برقہ کے سرحدی رئیسوں کو مغلوب کیا۔ یہ رئیس حضرت عمرو بن عاص کے دور میں بھی مفتوح ہو کر جزیہ کی ادائیگی پر مجبور

Marfat.com

ہو چکے تھے۔ لیکن بعد میں خود مختار ہونے کے مدعی ہو گئے تھے۔ چونکہ وہ پہلے بھی اسلامی اقتدار سے مرعوب ہو چکے تھے۔ اس لیے انہوں نے پھر بھی اسلامی حکومت کی بالا دستی تسلیم کرتے ہوئے جزیہ کی ادائیگی کا اقرار کر لیا۔

اس کے بعد حضرت عبد اللہ درمیانی علاقے سے ہوتے ہوئے طرابلس کی طرف پیشقدمی کرنے لگے تو حضرت عثمانؓ نے مدینہ منورہ سے ایک منظم فوج مرتب کر کے ان کی مدد کے لیے روانہ کر دی۔ جس میں عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن زبیرؓ، عمرو بن عاصؓ، حسنؓ بن علیؓ حسینؓ بن علیؓ بھی شامل تھے۔ یہ فوج مصر سے ہوتی ہوئی برقہ کے مقام پر عبد اللہؓ بن سعد کی فوج سے جا ملی اور مل کر طرابلس پر حملہ کر دیا۔ رومیوں نے بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ لیکن آخر شکست کھا کر بھاگے اور مسلمانوں نے طرابلس پر قبضہ کر لیا۔

طرابلس پر قبضہ کرنے کے بعد اسلامی فوج نے ریاست افریقہ کے صدر مقام کی طرف رخ کیا۔ افریقہ کا بادشاہ جرجیر قیصر کے زیر اثر اور اس کا خراج گذار تھا جب اسے خبر ملی تو اسلامی لشکر کے مقابلہ کے لیے ایک لاکھ بیس ہزار فوجیوں پر مشتمل ایک لشکر منظم کیا اور ایک رات دن کی مسافت طے کر کے مسلمانوں کو روکنے کے لیے آگے بڑھتا گیا۔ جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو حضرت عبد اللہؓ بن سعد نے سب سے پہلے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ عیسائی بادشاہ نے قبول کرنے سے انکار

Marfat.com

کیا تو پھر حضرت عبداللہؓ نے اسے خراج ادا کرنے کے لیے کہا۔ لیکن انہوں نے نہ مانا تو مسلمانوں نے اعلان جنگ کر دیا۔ سارا دن خونریز جنگ ہوتی رہی۔ فتح و شکست کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ اتنے میں مسلمانوں کی تازہ دم فوج مدینہ منورہ سے پہنچ گئی۔ کیونکہ جب کافی دن گذر گئے کہ افریقہ سے کوئی اطلاع نہ آئی تو حضرت عثمانؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن زبیرؓ کی قیادت میں ایک اور فوجی دستہ افریقہ روانہ کر دیا۔ جب یہ فوجی دستہ اسلامی فوج سے ملا تو دونوں طرف خوشی کی لہر دوڑ گئی اور نعرۂ تکبیر کی صدا سے فضا گونج اٹھی۔ عیسائی بادشاہ جرجیر کو بڑی تشویش ہوئی اور دو دن بڑا گھمسان کا رن پڑا۔ دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے ڈٹی رہیں۔ آخر رات کو اسلامی لشکر کی مجلس مشاورت منعقد ہوئی۔ حضرت عبداللہؓ بن زبیر نے کہا کہ لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دینا چاہیئے۔ نصف فوج دن بھر دشمن سے نبرد آزما رہے اور نصف فوج جو تازہ دم ہو رات کو دشمن کی فوجوں پر واپسی کے وقت حملہ آور ہو اس رائے کو سب نے پسند کیا۔ چنانچہ جب رات کو تازہ دم اسلامی فوج نے تھکے ہوئے رومیوں پر حملہ کیا تو رومیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ عیسائی بادشاہ جرجیر مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ دشمن کے سپاہی کثیر تعداد میں ہلاک ہوئے۔ بہت سے گرفتار کر لیے گئے اور کئی سپاہیوں نے بھاگ کر جان بچائی۔

دوسرے روز مسلمانوں نے پیشقدمی کر کے افریقہ کے دارالصدر شہر سبیطلہ کا محاصرہ کیا اور چند روز میں اسے بھی فتح کر لیا۔ اس کے بعد قلعہ جم

Marfat.com

جو بہت مشہور اور مضبوط قلعہ تھا کا محاصرہ کر لیا معمولی مقابلہ کے بعد یہ بھی فتح ہو گیا تو افریقہ والوں نے اسلامی طاقت کے بڑھنے ہوئے سیلاب کے سامنے اپنے آپ کو بے دست دیا اور مغلوب پا کر دس لاکھ جزیہ دینے پر رضامندی کا اظہار کیا جسے مسلمانوں نے قبول کیا۔

حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ مال غنیمت کا خمس اور فتح کی خوشخبری لیکر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور عبداللہؓ بن سعد پندرہ ماہ بعد ۲۷ھ میں افریقہ سے واپس مصر آ گئے۔

اسپین پر حملہ

افریقہ کی فتح کے بعد اسپین کا دروازہ کھلا چنانچہ سنہ ۲۷ھ حضرت عثمان نے اسلامی فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا اور عبداللہ بن نافع بن عبدقیس اور عبداللہ بن نافع بن حصین کو اس مہم کے لیے نامزد کیا جنھوں نے کچھ فتوحات حاصل کیں لیکن پھر مستقل مہم روک دی گئی۔ اور عبداللہ بن ابی سرح مصر واپس بھیجے گئے اور عبداللہ بن نافع بن عبدقیس افریقہ کے حاکم مقرر کیے گئے۔

فتح قبرص

حضرت عمر فاروق رضؓ کی وفات کے وقت حضرت امیر معاویہؓ دمشق و اردن کے گورنر تھے اور حمص و قنسرین کے حاکم عمیرؓ بن سعید انصاری تھے حضرت فاروق رضؓ کی وفات پر حضرت عمیرؓ نے استعفیٰ دے دیا۔ تو حضرت عثمانؓ نے یہ علاقے بھی حضرت امیر معاویہؓ کے دائرہ حکومت میں دے دئے اس

کے بعد جب حضرت عبدالرحمٰنؓ بن علقمہ حاکم فلسطین فوت ہوئے تو یہ علاقہ بھی انہی کی سرداری میں دے دیا گیا۔ اس طرح حضرت امیر معاویہؓ ۲۷ھ میں شام کے تمام اضلاع کے مستقل گورنر ہو گئے تھے۔

ان کے تقرر کی وجہ یہ تھی کہ ۲۵ھ میں ہی حضرت امیر معاویہؓ نے شام کے بالائی علاقوں پر حملہ کر کے روم، ترک و الیشیائے کوچک کو سر کر لیا تھا صرف قسطنطنیہ چونکہ بلند و بالا پہاڑوں کے قدرتی حصار میں تھا۔ اس لیے وہ ابھی فتح نہ ہو سکا تھا۔ چنانچہ اسی لیاقت و حسن کارکردگی کی وجہ سے ہی شام کے باقی اضلاع بھی انہیں کے دائرۂ حکومت میں دے دیے گئے تھے

ان علاقوں پر پورا تسلط جمانے کے بعد امیر معاویہ نے خلیفۂ وقت حضرت عثمانؓ سے جزیرہ قبرص پر حملہ کرنے کی اجازت چاہی، کیونکہ جزیرہ قبرص میں رومیوں کا بہت بڑا جنگی بیڑا تھا۔ اور جتنی مرتبہ رومیوں نے مصر و افریقہ پر حملے کئے اسی جزیرہ سے سمندری راستہ سے آ کر کیے۔ عہد فاروقیؓ میں بھی امیر معاویہؓ نے قبرص پر حملہ کی اجازت طلب کی تھی۔ لیکن حضرت عمر فاروقؓ رضامند نہ ہوئے۔ اسی دوران میں حضرت عمرؓ شہید ہو گئے تو امیر معاویہ نے حضرت عثمان سے اجازت چاہی۔ انہوں نے مشروط طور پر اجازت دے دی۔ کہ کسی کو مجبور نہ کیا جائے جو شخص خوشی سے سمندری فوج میں جانا چاہے اسے لے جاؤ۔

حضرت امیر معاویہؓ کی تحریک پر ایک گروہ قبرص پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہو گیا جس میں حضرت ابوذر غفاریؓ، ابو درداءؓ، شدادؓ بن اوس، عبادہؓ بن

صامت اور ان کی بیوی ام حرام بنت ملحان بھی شامل تھے۔ اس لشکر کی قیادت عبداللہ بن قیس کو سونپی گئی۔ اور مجاہدین کا لشکر کشتیوں پر سوار ہو کر قبرص روانہ ہو گیا۔

قسطنطین قیصر روم بھی ان دنوں اسکندریہ میں شکست کھانے کے بعد بھاگ کر قبرص پہنچ گیا تھا جس کے تعاقب میں مصر سے اسلامی لشکر بھی کشتیوں کے ذریعہ قبرص پہنچ چکا تھا۔ ادھر امیر معاویہ کی بھیجی ہوئی فوج بھی ساحل شام سے قبرص پہنچ گئی۔ فتح کے بعد واپسی میں جب کشتیوں سے ساحل پر اترے تو جس گھوڑے پر ام حرام سوار تھیں وہ بدکا۔ اور ام حرام گر پڑیں اور سخت چوٹ آنے کی وجہ سے فوت ہو گئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے متعلق سمندری لشکر میں جانے اور وہیں فوت ہونے کی پیشگوئی فرمائی تھی جو حرف بحرف پوری ہوئی۔

قسطنطین قبرص میں اسلامی حملہ کی تاب نہ لا سکا اور مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا چنانچہ سارے قبرص پر مسلمانوں کا قبضہ بڑی آسانی سے ہو گیا۔

اس کے بعد امیر معاویہ رض کے لشکر نے جزیرہ روڈس کا رخ کیا۔ روڈس والوں نے خوب جم کر مقابلہ کیا بالآخر انھیں بھی مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کھانی پڑی۔ قبرص و روڈس کی فتوحات کے بعد حضرت امیر معاویہ رض کی شہرت و ہر دلعزیزی میں بہت بڑا اضافہ ہوا۔ کیونکہ ان کی

Marfat.com

بحری فتوحات نے مسلمانوں پر قسطنطنیہ اور دوسرے ممالک پر فوج کشی کا دروازہ کھول دیا۔ یہ فتوحات ۲۸ھ میں ہوئیں۔

فتح آذربائیجان و آرمینیا

گزشتہ واقعات و فتوحات علاقہ روم سے تعلق رکھتے تھے۔ کیونکہ شاہ قیصر کے ماتحت تھے۔ اب ان علاقوں کی فتوحات کا ذکر شروع ہوتا ہے جو کسریٰ بادشاہ فارس کے ماتحت تھے۔

حضرت فاروق اعظم کی وفات پر جس طرح رومی علاقوں میں بغاوت شروع ہوگئی تھی (جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے) اسی طرح فارس کے علاقوں میں بھی بعض جگہ بغاوت نمودار ہوئی ہمدان اور رے وغیرہ کے باجگذار بادشاہوں نے خود مختار ہونے کا اعلان کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے ابوموسی اشعریؓ، براء بن عازبؓ اور قرظؓ بن کعب کو باغیوں کی سرکوبی پر مامور فرمایا۔ چنانچہ انہوں نے تمام بغاوتوں کو فرو کر دیا اور ہر طرف امن ہو گیا۔ یہ حالات ۲۴ھ میں رونما ہوئے

۲۵ھ میں آذربائیجان والوں نے بغاوت کی جسے ولید بن عقبہ نے دبا دیا۔ ادھر حضرت امیر معاویہ نے حبیب بن مسلمہ کو آرمینیا کی طرف روانہ کیا۔ انہوں نے اکثر قلعوں اور شہروں پر قابض ہو کر رومیوں کو جزیہ دینے پر مجبور کر چکے تھے۔ ان اسلامی فتوحات کی خبر سن کر قسطنطین نے ایک سردار کو اسی ہزار کی فوج دے کر خلیج قسطنطنیہ کے راستہ بحیرہ اسود کی طرف آرمینیا کو مسلمانوں سے چھڑانے کے لیے بھیج دیا۔ حبیب بن مسلمہ نے فوراً امیر معاویہ کو لکھا۔ امیر معاویہ نے دربار خلافت میں

Marfat.com

اطلاع بھجوادی جس پر حضرت عثمانؓ نے ولید بن عقبہ کو تحریر فرمایا کہ دس ہزار کی فوج جلد از جلد حبیب بن مسلمہ کی مدد کے لیے روانہ کی جائے۔ یہ فرمان عثمانی ولید بن عقبہ کو اس وقت موصول ہوا جبکہ وہ آذربائیجان کو فتح کر کے کوفہ واپس آرہے تھے۔ انہوں نے اسی وقت سلمان بن ربیعہ کو آٹھ ہزار کی فوج دے کر آرمینیا کی جانب روانہ کر دیا۔

حبیب بن مسلمہ اور سلمان بن ربیعہ نے مل کر آرمینیا کا تمام علاقہ فتح کر کے بحیرہ خضر کے کنارے کوہ قاف تک پہنچ گئے۔ وہاں سے سلمان بن ربیعہ شروان اور جبال کے تمام علاقہ کو تحویل میں لاتے ہوئے کوفہ پہنچ گئے اور حبیب بن مسلمہ دمشق واپس آگئے۔

اس کے بعد امیر معاویہ نے خود ایک جمعیت لے کر ایشیائے کوچک کے رومی علاقوں پر فوج کشی کی۔ رومی یہ سن کر اتنے مرعوب ہوئے کہ انطاکیہ اور طرطوس کے قلعے بغیر مقابلہ کے چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ حضرت امیر معاویہ ان قلعوں میں چھاؤنیاں قائم کرنے کے بعد سرحدوں کے حفاظتی انتظامات کر کے واپس آگئے۔ یہ فتوحات ۲۵ھ میں ہوئیں۔

فتح فارس و طبرستان

۲۶ھ میں علاقہ فارس میں بغاوت کے آثار نمودار ہوئے۔ ایرانیوں کے مرکز اصطخر اور جور دو مقام تھے۔ عبداللہ بن معمر کو جب ان باغیانہ سازشوں کا پتہ چلا تو انہوں نے اصطخر پر چڑھائی کر دی۔ اصطخر کے دروازہ پر بڑی جم کر لڑائی ہوئی۔ باغیوں کا پلہ بھاری رہا۔ عبداللہ بن معمر شہید ہوئے۔

جس کی وجہ سے اسلامی فوج کے حوصلے پست ہو گئے۔ اور مجبوراً مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔

جب یہ خبر عبداللہ بن عامر حاکم بصرہ کو پہنچی تو وہ اپنا لشکر لے کر فارس کی طرف بڑھے خود تو کچھ فوج لے کر اصطخر کی طرف روانہ ہو گئے اور ہرم بن حیان کو جور کا محاصرہ کرنے کے لیے بھیج دیا۔ اصطخر کے گرد و نواح میں ایرانیوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن آخر کار ایرانیوں کو شکست ہوئی اور اصطخر پر اسلامی پرچم لہرانے لگا۔

ہرم بن حیان کو جور کا محاصرہ کیے کافی دن گذر گئے۔ لیکن جنگ کسی فیصلہ کن مرحلہ تک نہ پہنچ سکی۔ حضرت ہرم بن حیان دن بھر روزہ رکھ کر دشمنوں سے برسرپیکار رہتے۔ اور رات کو نماز میں مشغول ہو جاتے۔ ایک شام انہیں افطاری کے بعد روٹی میسر نہ آسکی آپ بغیر کچھ کھائے پیے یاد الٰہی میں مصروف ہو گئے۔ اور اگلے دن اسی حالت میں روزہ رکھ لیا۔ دوسرے دن بھی ایسا ہی ہوا کہ کھانا نہ مل سکا۔ اور روزہ رکھ لیا۔ غرض اسی طرح ایک ہفتہ گذر گیا۔ جب نقاہت بڑھنے لگی تو آپ نے خادم سے دریافت کیا کہ بھلے آدمی ایک ہفتہ سے میں کچھ کھائے بغیر پانی سے ہی روزہ افطار کر رہا ہوں۔ اور اسی طرح روزہ رکھ رہا ہوں۔ کیا وجہ ہے تم کھانا کیوں نہیں پکاتے۔ خادم نے جواب دیا حضور میں تو ہر روز روٹی پکا کر آپ کے پاس رکھ جاتا ہوں۔ معلوم نہیں آپ کو کیوں نہیں ملتی۔ اگلے روز کھانا پکا کر خادم حسب معمول رکھ کر خود تاک میں بیٹھ گیا کہ دیکھوں روٹی کون اٹھانے جاتا

ہے۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک کتا آیا۔ اور روٹی اٹھا کر شہرپناہ کی طرف چل دیا۔ خادم بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ آخر کتا ایک بدررو کے راستے شہرپناہ میں داخل ہو گیا۔ خادم نے واپس آ کر سارا واقعہ حضرت ہرم بن حیان کی خدمت میں عرض کیا۔ حضرت ہرم بن حیان اسے تائید ایزدی سمجھے۔ اور چند بہادر سپاہیوں کو ساتھ لے کر شہر میں داخل ہو گئے اور پاسبانوں کو قتل کر کے دروازہ کھول دیا۔ اسلامی لشکر شہر میں داخل ہو گیا۔ اس فتح کی خوشخبری دربار خلافت میں بھیج دی گئی۔ اور آئندہ کے لیے ہدایات طلب کی گئیں۔

سنہ ۳۱ھ میں ایرانی سرحدوں پر پھر باغیوں کی سرگرمیاں تیز ہو گئیں عام طور پر اسلامی لشکر بغاوت کو دبانے کے لیے حملہ آور ہوتے تھے۔ تاکہ دشمنان اسلام کی سازشوں کو روکا جا سکے۔ چنانچہ جب وہ اس صورت میں حملہ کرتے تو فتوحات اسلامی میں اضافہ ہو جاتا۔ اس دفعہ پھر حضرت عبداللہ بن عامر نے بغاوت کو فرو کرنے کے لیے نیشاپور پر چڑھائی کر دی باغیوں کی سرکوبی سے فارغ ہو کر عبداللہ بن عامر نے ایک لشکر سرخس کی طرف روانہ کیا۔ اور خود کچھ فوج لے کر ہرات، بلخ، طبرستان کو فتح کرتا ہوا کرمان، سجستان، اور فارس کے تمام صوبوں کے سرکشوں کو مطیع فرمان کر لیا۔ اسی طرح تمام بلاد ایران و عراق پر عبداللہ بن عامر کی دھاک بیٹھ گئی۔ یہ تمام فتوحات سنہ ۳۱ھ تک واقع ہوئیں۔

Marfat.com

قتل کسریٰ یزدجرد۔

ایرانی حکومت کی بنیادیں تو عہد فاروقی میں ہی ہل چکی تھیں۔ اور بہت سے علاقے اسلامی اقتدار کے زیر اثر آ چکے تھے جو علاقے باقی رہ گئے تھے وہ خلافت عثمانی میں فتح ہو گئے۔ اب شاہ فارس یزدجرد کی یہ حالت تھی کہ اپنے رہے سہے اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے کبھی مرو چلا جاتا کبھی اصفہان کبھی اصطخر اور کبھی جیحون کو عبور کر کے ترکستان چلا جاتا۔ کبھی چین میں چلا جاتا اور کبھی پھر بلاد فارس میں واپس آ جاتا۔ اس کے ساتھ ایرانی جانبازوں کی ایک جمعیت بھی تھی۔ وہ جہاں جاتا اپنی خاندانی عظمت کی وجہ سے عوام کی ہمدردیاں حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔ یہ ہی وجہ ہے کہ سرحدی اضلاع میں بغاوت ہوتی رہتی تھی ۳۱ھ میں وہ پھر ایک مرتبہ چین اور ترکستان ہوتا ہوا آیا اور بلخ کے شہروں پر قابض ہو گیا۔ لیکن اس دفعہ اسلامی لشکر نے اسے اس طرح بھگایا۔ کہ اس کے تمام جانباز سپاہی بھی منتشر ہو گئے۔ اور یزدجرد فرار ہو کر ایک پن چکی والے کے پاس پناہ گزین ہوا۔ پن چکی والے نے اس کے قیمتی لباس کے لالچ میں اسے سوتے ہوئے قتل کر دیا۔ اس کا لباس زیور اور ہتھیار وغیرہ اتار لیے اور اس کی لاش کو پانی میں بہا دیا۔ اس کے بعد ایرانی فتنہ ہمیشہ کے لیے فرو ہو گیا۔

عثمانی حکومت کی سرحدات اس وقت مشرق میں مکران، ہرات، افغانستان، چینی ترکستان تک، اور مغرب میں اندلس، طرابلس

Marfat.com

(افریقہ) تک، شمال میں بحیرہ خضر (بحیرہ قزوین) کوہ قاف، بحیرہ اسود، بحر ابیض تک اور جنوب میں بحر عرب تک پھیلی ہوئی تھیں۔

خلافت عثمانی کے اہم واقعات

خلافت عثمانی میں عظیم فتوحات کے علاوہ جو اہم تاریخی واقعات ہیں مندرجہ ذیل ہیں

۲۴ھ میں یکم محرم کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تخت خلافت پر سرفراز ہوئے۔ پہلا سال تو اسلامی امور کی دیکھ بھال میں ہی گذر گیا۔ پہلے سال حج کے موقعہ پر بھی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو امیر الحج بنا کر روانہ کیا۔ اس کے بعد خود ہی ہر سال امیر الحج کی حیثیت سے مکہ معظمہ جاتے رہے۔ البتہ آخری سال پھر حضرت عبداللہ بن عباس کو امیر الحج بنا کر بھیجا۔[۱]

---

[۱] خلافت شیخین میں یہ دستور تھا کہ عموماً خود ہی امیر الحج کی حیثیت سے مکہ معظمہ جایا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت عثمان بھی سابقہ خلفاء کی طرح خود ہی امیر الحج ہوا کرتے تھے۔ البتہ آخری سال چونکہ بغاوت کے آثار نمودار ہو چکے تھے اور امارت الحج سے انتظام مملکت زیادہ ضروری اور اہم فرض ہے۔ اس لیے مکہ معظمہ نہ جا سکے۔ پھر یہ بغاوت کچھ اس طرح نمودار ہوئی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی فرو نہ ہو سکی اور حضرت علی ایک مرتبہ بھی اپنی خلافت میں قیام حج کے لیے مکہ معظمہ نہ جا سکے۔ بلکہ نہروان وغیرہ کی جنگوں میں بغاوت فرو کرنے کے لیے ایسے مصروف ہوئے کہ واپس مدینہ بھی نہ آ سکے اور زندگی کی آخری منزل شہادت بھی کوفہ میں ہی ہوئی ۱۲ مولف

Marfat.com

اسی سال سراقہ بن معتمر فوت ہوئے جو بدری صحابہ میں سے تھے۔

۲۵ھ فتوحات روم کے آغاز کا زمانہ ہے۔ افریقہ اور ایشیائے کوچک پر اسی سال میں فوج کشی کی گئی۔

۲۶ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد الحرام بیت اللہ کو وسعت دی۔

۲۷ھ میں افریقہ، اندلس اور جزیرہ قبرص و روڈس فتح ہوئے۔

۲۸ھ میں حضرت عثمان نے نائلہ بنت فرافصہ سے نکاح کیا اور اسی سال آپ نے مدینہ میں اپنے لیے ایک مکان "الزوراء" جگہ میں بنوایا۔

۲۹ھ میں فارس فتح ہوا۔ اسی سال مسجد نبوی میں توسیع فرمائی۔ جس کی عمارت پتھر اور پختہ چونے سے بنوائی گئی۔ چھت ساگوان کا بنوایا گیا۔ اسی سال حج کے موقعہ پر آپ نے منیٰ میں خیمہ لگوایا اور نماز قصر نہ کی بلکہ پوری پڑھی۔

۳۰ھ میں طبرستان کا علاقہ اسلام کے زیر اقتدار آیا۔ اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی جس پر "محمد رسول اللہ" کندہ تھا اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر آج تک بطور شاہی مہر کے استعمال ہوتی رہی تھی گم ہو گئی۔[1]

[1] اس کے گم ہونے کا واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بیر اریس (جو مدینہ کے قریب تھوڑے فاصلہ پر ہے) سے ہاتھ دھو کر ہاتھوں سے پانی جھٹکنے (باقی بر صفحہ

اسی سال حضرت ابوذر غفاری کو مدینہ منورہ سے چھ میل دور ایک بستی "ربذہ" میں رہنے کا حکم دیا۔ کیونکہ حضرت ابوذرؓ کہتے تھے کہ مال کو اپنے پاس رکھنا حرام ہے۔ جو کھانے پینے سے بچے وہ فوراً فی سبیل اللہ دے دینا چاہیئے۔ حضرت ابوذرؓ شام میں امیر معاویہؓ کے پاس رہتے تھے اور اسی وجہ سے عموماً ان کے درمیان تکرار رہتی تھی۔ چنانچہ انہی دنوں وہ مدینہ میں آئے تاکہ اس مسئلہ کا تصفیہ کرایا جائے۔ جب حضرت عثمانؓ کو ان کی شکایت پہنچی تو آپ نے حضرت ابوذرؓ کو سمجھایا اور ساتھ ہی ربذہ میں اقامت کے لیے جگہ دی۔

اسی سال حضرت عثمانؓ نے جمعہ کی دوسری اذان کا اضافہ کیا۔ کیونکہ مدینہ کی آبادی کافی بڑھ گئی تھی۔ اور لوگوں کو وقت کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ خطبہ سے کچھ دیر پہلے "زوراء" کے مقام پر اذان دینے کا حکم فرمایا۔

اسی سال حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو ایک قراءت پر جمع کیا۔ اسی لیے انہیں "جامع القرآن" بھی کہتے ہیں۔ ان عام لوگوں نے اپنی اپنی علاقائی

(بقیہ حاشیہ صفحہ) کے لیے ہاتھوں کو جھٹکا دیا۔ انگوٹھی ہاتھ سے اتر کر کنوئیں میں گر گئی حضرت عثمان نے اس کی تلاش میں بڑی کوشش کی۔ بہت روپیہ خرچ کیا لیکن نہ مل سکی۔ یہ وہی انگوٹھی تھی جو رسول اللہ کے پاس تھی۔ پھر حضرت ابوبکرؓ کے اور پھر حضرت عمرؓ کے پاس رہی اور شروع خلافت سے سنہ ۳۰ھ تک حضرت عثمان کے پاس رہی بالآخر چاندی کی ایک اور انگوٹھی بنوائی اور اس پر "محمد رسول اللہ" کندہ کروایا۔ جب حضرت عثمانؓ شہید ہوئے تو وہ بھی گم ہو گئی ۱۲ مولف۔

Marfat.com

قراءت (لب و لہجہ) سے قرآن پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سات قراءتوں میں قرآن پڑھنے کی اجازت دی تھی۔ لیکن عجمی لوگوں کے میل جول سے یہ اختلاف سنگین صورت اختیار کرنے لگا تھا۔ چنانچہ جب حضرت عثمانؓ کو کوفہ کے لوگوں کے حالات عامل کوفہ کی معرفت معلوم ہوئے تو آپ حضرت صفیہؓ کے گھر سے مصحف نبوی جو حضرت ابوبکر نے جمع کر دیا تھا کی نقول لکھوا کر تمام ممالک میں پھیلا دیں۔ اور اس کے علاوہ دوسرے مصحفوں کو تلف کرا دیا۔

اسی سال ابیؓ بن کعب، جبارؓ بن صخر، حاطبؓ بن ابی بلتعہ، طفیلؓ بن حارث۔ عبدؓ اللہ بن کعب، عبدؓ اللہ بن مظعون، عیاضؓ بن ظہیر مسعودؓ بن ربیعہ اور معمرؓ بن ابی السرح جیسے مقتدر بدری اصحاب کرام نے انتقال فرمایا۔

سنہ ۳۱ھ میں شاہ کسریٰ یزدجرد کے مارے جانے سے حکومت کسریٰ کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔

سنہ ۳۲ھ میں چینی و روسی ترکستان کے چھوٹے چھوٹے شہروں کے علاوہ مرو، طالقان، فاریاب، جوزجان، طخارستان، بلخ اور بخاری جیسے اہم مرکزی شہر اسلامی حکومت کے زیر اقتدار آ گئے۔

اسی سال حضرت عباسؓ بن عبد المطلب عم رسولؐ رحلت فرما ہوئے اور اسی سال حضرت عبد اللہ بن مسعود، حبر الامۃ عبد الرحمن بن عوف (جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے) اور ابوذر غفاریؓ جیسے مقتدر اصحاب

Marfat.com

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا۔

۳۳ھ میں فسادیوں نے شرارت کا آغاز کیا۔ ۳۴ھ میں شر پسند لوگوں نے بغاوت کو عروج پر پہنچا دیا۔ اور ۳۵ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد سفید ریش بے گناہ بوڑھے کو شہید کر دیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

فتنہ عبداللہ بن سبا

۳۳ھ میں ایک نیا فتنہ کھڑا ہوا اور بالآخر یہی فتنہ خلیفہ راشد کی شہادت کا باعث بنا۔ اس فتنے کا بانی عبداللہ بن سبا المعروف بابن السوداء (شہر صنعا یمن) کا رہنے والا ایک یہودی تھا۔ یہودی لوگ دنیسے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت سے ہی معتوب ہو چکے تھے۔ کیونکہ بار بار غلطیاں کرتے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے معاف کر دیے جاتے تھے۔ بعد میں بھی شرک و بدعت سے باز نہ آئے حتیٰ کہ کئی مرتبہ ان پر طاعون وغیرہ جیسی بدترین وبائی بیماریوں کی صورت میں عذاب آتا رہا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو انہیں چاہیئے تھا کہ اب ہی اپنی سابقہ روش چھوڑ کر اسلام کا راستہ اختیار کرتے لیکن انھیں تو مسلمانوں سے اتنا عناد و بغض تھا کہ ان کی ترقی انھیں ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔

عبداللہ بن سبا بھی یہود کے ایک معزز خاندان میں سے تھا۔ گویا

لہ رجال کشی ص۱۰۱

وانجیل سے خوب واقف تھا۔ عربی میں کامل دستگاہ رکھتا تھا۔ اپنے عقاید میں پورا مضبوط اور نہایت ہشیار آدمی تھا۔ جب اس جیسے یہودیوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کی فتوحات کے سامنے تو قیصر و کسریٰ جیسی بڑی بڑی حکومتیں کچھ وقعت نہیں رکھتیں تو ان مسلمانوں سے اب بدلہ کس طرح لیا جائے۔ چنانچہ عبداللہ بن سبا اسی سوچ میں مدینہ طیبہ میں آیا اور بظاہر مسلمان ہو کر گمنام سی زندگی گذارنے لگا۔ اور ساتھ ہی ساتھ وہ مسلمانوں کے اندرونی حالات کا جائزہ بڑی دلچسپی لیتا رہا۔

انہی ایام میں بصرہ میں ایک شخص حکیم بن جبلہ رہتا تھا جس کی عادت تھی کہ اسلامی لشکر کے ساتھ شریک ہو جاتا اور موقع پاکر ذمیوں کو لوٹ لیتا۔ اس ڈاکہ زنی میں کبھی کبھی وہ اور لوگوں کو بھی حصہ دار بنا لیتا۔ جب یہ اطلاعات حضرت عثمانؓ کو پہنچیں تو انہوں نے حاکم کوفہ کو لکھا کہ اس شخص کو بصرہ میں نظر بند رکھا جائے اور شہر سے باہر جانے کی قطعًا اجازت نہ دی جائے۔

عبداللہ بن سبا نے جب یہ حالات سنے تو فورًا مدینہ سے بصرہ روانہ ہوا کیونکہ اسے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے ایسے ہی قماش کے حواریوں کی ضرورت تھی۔ بصرہ میں پہنچ کر اس نے حکیم بن جبلہ اور اس کے ذریعہ اس کے دوسرے دوستوں سے اچھے خاصے مراسم پیدا کر لیے اور اپنے آپ کو مسلمان اور ہمدرد و خیر خواہ آل رسول ظاہر کر کے لوگوں کے دلوں میں فاسد خیالات اور غلط عقاید پیدا کرنے لگا، کیونکہ وہ سمجھتا

Marfat.com

تھا کہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت کا مقابلہ فوجوں سے نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کے مقابلہ کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ جن عقاید اسلامیہ کی وجہ سے مسلمانوں میں اتحاد اور قوت جہاد پیدا ہوتی ہے اسے کسی طرح مسخ کر دیا جائے اور مذہبی غلط فہمیوں میں مبتلا کر کے مسلمانوں کی آپس میں خانہ جنگی کرواکر ان کی طاقت کو ختم کروا دیا جائے۔

ابن سبا کا نیا عقیدہ

عبداللہ بن سبا ایک چالاک ہوشیار اور گھٹا کار یہودی کہلائے جانے کا مستحق نہ ہوتا اگر وہ اپنے پراپیگنڈہ کو کامیاب بنانے کے لیے اس میں مذہبی چاشنی نہ دیتا۔ ایک اہم سازش کے لیے ایک نئے مذہب کی ایجاد کی ضرورت ہوتی ہے جس میں کچھ نئے عقیدے ہوں اور نئے اعمال ہوں جس میں مذہب مروجہ کے مقابلہ میں زیادہ آسانیاں ہوں اور جس میں شہوات نفسانی کی باگ ڈور ڈھیلی کر دی گئی ہو۔ تاکہ لوگوں کو اس کی طرف رغبت ہو۔ چنانچہ سب سے پہلے اس نے امتحاناً لوگوں کی استعداد قبولیت کا اندازہ کرنے کے لیے جو عقیدہ پیش کیا وہ یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے۔ کہتا تھا کہ حیرانگی کی بات ہے کہ مسلمان حضرت عیسیٰ کے دوبارہ آنے کے تو قائل ہیں۔ لیکن ان سے افضل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دوبارہ آنے کے کیوں قائل نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

لہ تاریخ اسلام اکبر شاہ نجیب آبادی۔ وتاریخ ابن کثیر مصری صفحہ ۱۶۷

Marfat.com

دراصل فوت نہیں ہوئے بلکہ وہ تو روپوش ہوئے ہیں۔ آپ دوبارہ دنیا میں آکر اسلام کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچائیں گے۔ چنانچہ کئی عجمی نئے مسلمانوں نے جہالت کی وجہ سے اس نئے عقیدہ کو قبول کرلیا اور یہ ایک حقیقت ہے کہ خواہ کتنی ہی غلط سے غلط بات بھی کیوں نہ ہو اس کو ماننے والے کچھ نہ کچھ ہو ہی جاتے ہیں اگرچہ وہ کتنی گندی اور لچرباتت ہی کیوں نہ ہو۔ آج بھی ہمیں ہندوؤں میں شرمگاہوں کی پوجا کرنے والے کئی آدمی مل سکتے ہیں۔

جب اس نے دیکھا کہ کئی عجمی نومسلم کم علمی کی وجہ سے اس کے دام تزویر میں پھنس گئے ہیں تو ایک اور عقیدہ پیش کردیا وہ یہ تھا کہ جس طرح نبوت پر ایمان لانا فرض ہے اسی طرح امامت کا ماننا بھی فرض ہے یعنی جس طرح نبی مامور من اللہ ہوتا ہے اسی طرح امام بھی مامور من اللہ ہوتا ہے۔ گویا کہ نبوت اور امامت میں صرف نام کا ہی فرق رہ گیا اور عقاید کی ایجاد کے لیے ختم نبوت سے پیدا شدہ کمی کو اجرائے امامت سے پورا کیا گیا۔ چنانچہ کہتا تھا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وزیر اور وصی یوشع بن نون تھے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر اور وصی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

اور بعض اوقات امامت کو نبوت سے بھی اونچا مقام دے کر رازدارانہ طور پر لوگوں میں حضرت علی کی کرامات بیان کرکے کہتا کہ وہ دراصل وہ انسانی قوت سے بالاتر ہیں۔ جناب امیر رضی اللہ عنہ پیکر انسانی میں خدا ہیں۔[۱] اور کبھی کہتا کہ[۲]

۱؎ غنیۃ الطالبین پیر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ۲؎ رجال کشی

حضرت علی خدا ہیں اور میں اس کا نبی ہوں اور یہ بات میں وحی سے کہتا ہوں حتی کہ رفتہ رفتہ اس نے علانیہ کہنا شروع کر دیا کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت علی رضؓ کے سوا دوسروں کو خلیفہ بنا کر بڑی حق تلفی کی ہے عوام کو اپنے کیے کی تلافی اب اس طرح کرنی چاہیئے کہ موجودہ خلیفہ کو قتل یا معزول کر کے حضرت علی کو خلیفہ بنا دیں۔ چنانچہ اسی طرح عبداللہ بن سبا جن سیاسی منصوبوں کو لے کر نکلا تھا نہایت حزم و احتیاط سے ان کو عملی جامہ پہنانے کے لیے دن رات کوششیں کرتا رہا۔

رفتہ رفتہ اس فتنے کا علم بصرہ کے حاکم کو ہوا تو انہوں نے عبداللہ بن سبا کو بلا کر پوچھا کہ تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ اور کس غرض کے لیے آئے ہو؟ اس نے کہا کہ مجھے اسلام سے دلچسپی ہے۔ میں یہودی مذہب کی کمزوریوں سے واقف ہو کر اسلام کی طرف متوجہ ہوا ہوں اور آپ کی رعایا بن کر زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عامر حاکم بصرہ نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم فتنہ پرور آدمی ہو اور مسلمانوں کو گمراہ کر کے جمعیت اسلامی میں افتراق و انتشار پیدا کر رہے ہو۔

چونکہ یہ باتیں ٹھیک تھیں۔ اس لیے عبداللہ بن سبا نے اس ڈانٹ کے بعد بصرہ میں رہنا مناسب نہ سمجھا۔ اور اپنے خاص رازداروں اور

لہ البدایہ والنہایہ ابن کثیر اور تاریخ اسلام اکبر شاہ نجیب آبادی ۱۲

مشیروں کو ہدایات وتدابیر بتانے کے بعد کوفہ میں چلا گیا۔ کوفہ میں پہلے ہی کچھ فتنہ پرداز اور باغی عنصر موجود تھا اس لیے اسے اپنی شرارتوں کو کامیاب بنانے کا اچھا موقع مل گیا۔

کوفہ ایسی سرزمین ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ یہ سرزمین فتنوں کی آماج گاہ ہوگی۔ لہذا اس جگہ سے ہمیشہ فتنے ابھرتے رہے عام طور پر یہ علاقہ اسی وقت قابو میں رہا جب وہاں کوئی نہایت سخت گیر حاکم مقرر ہوا۔ ورنہ ہمیشہ کوئی نہ کوئی شرارت وہاں سے ابھرتی ہی رہی۔ چنانچہ کربلا کا افسوسناک واقعہ بھی کوفیوں کے ہاتھوں ہی ہوا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت بھی انہیں کی کارستانی ہے۔ خوارج وغیرہ کے جتنے فتنے ابھرتے رہے اسی سرزمین سے ابھرتے رہے۔ اسی لیے عبداللہ بن سبا کو اس جگہ کی فضا بہت سازگار آئی اور وہاں کے لوگوں پر اس نے اپنے زہد و اتقا کا سکہ بٹھا کر ان کو دام تزویر میں پھانستا رہا۔

جب کوفہ کے حاکم اعلیٰ حضرت سعید بن عاص کو اس کی سرگرمیوں کا علم ہوا تو انہوں نے عبداللہ بن سبا کو بلا کر سرزنش کی چنانچہ اس نے کوفہ سے نکل کر شام میں رہائش اختیار کر لی۔ لیکن کوفہ میں اپنے کافی کارکن چھوڑ کر گیا۔ جن میں مالک بن اشتر نخعی، کمیل بن زیاد، علقمہ بن قیس نخعی ثابت بن قیس، جندب بن زہیر عامری، جندب بن کعب ازدی، عروہ بن جعد، عمرو بن حمق خزاعی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

Marfat.com

عبداللہ بن سبا کو شام کی سرزمین سازگار نہ آئی اور اسے جلدی ہی امیر معاویہ نے ملک بدر کر دیا۔ اس لیے وہاں وہ اپنے حمایتی نہ بنا سکا۔ چنانچہ شام سے نکل کر سیدھا مصر پہنچا اور اپنے سابقہ تجربہ کی بنا پر زیادہ احتیاط اور رازدارانہ انداز سے کام کرنا شروع کر دیا۔ اور باقاعدگی سے بصرہ و کوفہ کے دوستوں کو نامہ و پیام سے ہدایات بھیجتا رہا۔

چنانچہ کوفہ کے شرپسندوں نے جن کے نام اوپر لکھے گئے ہیں حاکم کوفہ کے خلاف پروپاگنڈہ کرنا شروع کر دیا۔ حضرت سعید بن عاص حاکم کوفہ نے یہ واقعات لکھ کر دربار خلافت میں بھجوائے اور ساتھ ہی ان فتنہ پردازوں کو امیر معاویہ رض کی حکومت شام میں بھیجنے کا حکم دیا جائے۔ تاکہ وہ انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کریں۔ لیکن یہ لوگ شام میں پہنچ کر بھی اپنے غلط ارادوں سے باز نہ آئے۔ آخر امیر معاویہ رض نے بھی حضرت عثمان رض سے فرمان حاصل کرنے کے بعد انہیں حمص بھیج دیا۔ حمص کے حکمران حضرت عبدالرحمن بن خالد نے ان سے بہت سختی کا برتاؤ کیا۔ حتیٰ کہ انہیں اپنی مجلسوں میں بیٹھنے تک کی اجازت نہ دیتے تھے اس سخت گیر برتاؤ سے تھوڑے دنوں کے اندر ہی ان لوگوں کی سازشی سرگرمیاں سرد پڑ گئیں۔ اور انہوں نے سابقہ خطاؤں پر اظہار تاسف کیا۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن خالد نے بھی دربار خلافت میں ان کے اصلاح ضمیر اور معذرت کی اطلاع بھجوا دی۔ اس وجہ سے ان فتنہ پردازوں کو دوبارہ کوفہ جانے کی اجازت مل گئی۔

Marfat.com

عبداللہ بن سبا نے مصر میں جانے کے بعد اپنے حواریوں میں ایک خفیہ کام کرنے والا گروہ مرتب کیا اور بظاہر مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے حب اہل بیت اور حمایت علی رضؓ کے اظہار کو اپنی کامیابی کا ذریعہ بنایا۔ حالانکہ اسے نہ حضرت علی سے محبت تھی۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بلکہ اس نے تو صرف اپنا مطلب نکالنے کے لیے یہ سلسلہ بنایا تھا۔

مصر سے اس نے بصرہ اور کوفہ کے دوستوں سے خط و کتابت کرتے ہوئے مجوزہ دستور العمل کے مطابق مصر، کوفہ، اور بصرہ کے حاکموں کے خلاف شکایات مدینہ منورہ بھجوانی شروع کر دیں۔ بصرہ والوں کو مصر و کوفہ سے اور مصر والوں کو کوفہ و بصرہ سے خطوط پہنچنے شروع ہو گئے کہ حاکم ظالم ہیں۔ اس طرح اس نے سازشوں کا ایسا جال بچھایا کہ رعایا کو یوں معلوم ہونے لگا کہ ہر طرف ظلم و تشدد کا دور دورہ ہے اور خلافت عثمانی میں کہیں بھی امن و امان نہیں ہے۔

عبداللہ بن سبا بہت حد تک اپنی سازش میں کامیاب ہو گیا۔ کیونکہ رعایا یہ سمجھنے لگی کہ اگرچہ ہمارے صوبہ کا حاکم اعلیٰ ایسا نہیں لیکن دوسرے صوبہ کا حاکم اعلیٰ ضرور سخت گیر ہو گا۔ جو اس قسم کی خبریں آ رہی ہیں۔ عوام حضرت عثمان رضؓ سے بدگمان ہونے لگے اور سمجھنے لگے کہ وہ زبردستی عوام پر متشدد حکام کو مسلط رکھنا چاہتے ہیں

حضرت عثمانؓ تک جب یہ اطلاعات پہنچیں تو انہوں نے کچھ آدمیوں

کو حالات کا جائزہ لینے کے لیے مختلف مقامات پر روانہ کیا۔ لیکن واپس آکر سب نے ان اطلاعات کی پر زور تردید کرتے ہوئے کہا کہ یہ سب سازشی لوگ فتنے اٹھا رہے ہیں۔ ورنہ رعایا پر کسی جگہ بھی کوئی کسی قسم کا ظلم و تشدد نہیں ہو رہا ہے۔ البتہ کوفہ کے چند شر پسند لوگ ایسی افواہیں پھیلا رہے ہیں۔

ادھر سازشی لوگ بدزبانی پر اتر آئے۔ یہ حالات دیکھ کر سعید بن عاص حاکم کوفہ نے قعقاع بن عمرو کو اپنا قائم مقام مقرر کیا اور خود مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ تاکہ خلیفہ وقت کو اپنی زبانی سارے حالات گوش گذار کریں۔ حضرت سعید بن عاص کے کوفہ سے نکلتے ہی کوفیوں کی زبانیں بالکل ہی بے لگام ہو گئیں۔ اور وہ علانیہ خلیفہ وقت اور صوبوں کے حاکموں کے متعلق طعن و تشنیع کرنے لگے۔

سنہ ۳۴ھ کے اختتام پر حضرت عثمان رضؓ نے تمام حکام اعلیٰ کو حج کے بعد واپسی میں مدینہ منورہ میں مدعو کیا۔ تاکہ صورت حالات پر غور کیا جا سکے۔ چنانچہ شام سے حضرت امیر معاویہ رضؓ، مصر سے عبداللہ بن سعد، بصرہ سے عبداللہ بن عامر اور کوفہ سے سعید بن عاص کے علاوہ چھوٹے چھوٹے صوبوں کے حکام اعلیٰ بھی حاضر ہوئے۔ اور مدینہ کی مجلس شوریٰ کے ارکان کے علاوہ دوسرے اصحاب رائے کو بھی مجلس مشاورت میں شرکت کی دعوت دی۔

جب سب لوگ اکٹھے ہو گئے تو حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا کہ آپ لوگوں

Marfat.com

کو معلوم ہے کہ ایک ہنگامہ میرے خلاف بپا کیا جا رہا ہے۔ اور میں نہیں جانتا کہ اس کا سبب کیا ہے آپ لوگ بتائیں کہ میں اسے کس طرح فرو کر سکتا ہوں۔

عبداللہ بن عامر نے کہا کہ ان لوگوں کو جہاد میں مصروف کرنا چاہیئے تاکہ انہیں کسی قسم کے سازشی نظام میں شمولیت کی فرصت ہی نہ مل سکے سعید بن عاص نے رائے دی کہ سازشیوں کے متعلق سخت رویہ اختیار کرنا چاہیئے۔ تاکہ یہ خود ہی منتشر ہو جائیں۔ امیر معاویہؓ نے بھی یہی مشورہ دیا کہ ان لوگوں کو سختی سے دبا دینا چاہیئے۔ عبداللہ بن سعد نے کہا کہ یہ لوگ کسی لالچ کی بنا پر فتنہ بپا کرنا چاہتے ہیں اس لیے انہیں کچھ دے دلا کر رضامند کر لینا چاہیئے۔

اس مجلس میں جب شورش و فساد کے متعلق صحیح حالات پر غور و خوض کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ہنگامے محض فرضی اور خیالی اساس پر کھڑے کیے جا رہے ہیں اور محض چند بیرونی سازشیوں نے یہ فتنہ بپا کر رکھا ہے جب عوام کے سامنے حقیقت حال کا انکشاف ہوا تو سب نے تعجب کیا اور سازشیوں کو چن چن کر قتل کرنے کا مشورہ دیا حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں تو وہی سزا دے سکتا ہوں جو قرآن و حدیث کے مطابق ہو۔ سوائے ارتداد کے میں قتل کا حکم نہیں دے سکتا۔

الغرض کچھ اصلاحی تدابیر سوچنے کے بعد مجلس برخاست ہوئی اور حکام اپنے اپنے صوبوں کو روانہ ہو گئے۔ حضرت سعید بن عاص کوفہ

Marfat.com

جاتے ہوئے جب جرعہ کے مقام پر پہنچے تو یزید بن قیس کی قیادت میں ایک بہت بڑا لشکر راستہ میں حائل ہوا جس میں مالک بن اشتر کے علاوہ کوفہ کے باقی سازشی بھی شامل تھے چنانچہ ان شر پسندوں نے حضرت سعید بن عاص کو کوفہ جانے سے روکا سعید بن عاص کے غلام نے کہا کہ ہم ضرور کوفہ پہنچیں گے۔ یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ حضرت سعید واپس چلے جائیں۔ مالک بن اشتر نے حضرت سعید کے غلام کو پاؤں سے پکڑ کر نیچے گرا کر قتل کر دیا۔ اور سعید بن عاص کو کہا کہ جاؤ عثمان رض سے کہو کہ یہاں ابو موسیٰ اشعری کو حاکم مقرر کر کے بھیجے۔

حضرت عثمان نے محض بغاوت کو فرو کرنے کے لیے حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے ابو موسیٰ رض اشعری کو کوفے کا حاکم اعلیٰ بنا کر بھیجدیا اور ساتھ ہی اپنا ایک خط بھی دیا جس میں لکھا کہ جس شخص کو تم نے پسند کیا اسے تمہاری طرف روانہ کر رہا ہوں۔ جہاں تک شریعت محمدی مجھ کو اجازت دے گی۔ میں تمہارے جائز مطالبات کو پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔ اور تمہاری زیادتیوں کو برداشت کرتے ہوئے تمہاری اصلاح میں مصروف رہوں گا۔

حضرت ابو موسی اشعری نے کوفہ پہنچ کر جمعہ کے روز خطبہ دیتے ہوئے جماعت المسلمین سے افتراق دور کرنے اور امیر المومنین کی اطاعت کرنے کی تلقین کی۔ حضرت ابو موسیٰ رض کی اس تقریر سے کچھ روز کے لیے کوفہ میں سکون ہو گیا۔ لیکن کچھ دنوں بعد عبد اللہ بن سبا کے حواریوں

Marfat.com

نے پھر حکام کی شکایات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور یہ شکایتی خط وکتابت بڑے بڑے صحابہ کے نام سے ہوتی تھی۔ اور عوام کو یہ بتایا جاتا تھا کہ بڑے بڑے صحابہ بھی حضرت عثمان کی اس روش سے نالاں ہیں۔ مدینہ کے لوگ انہی فرضی شکایات کی بنا پر حضرت عثمانؓ کو صوبوں کے حکام کی معزولی پر مجبور کرنے لگے۔ لیکن حضرت عثمانؓ اس کی تحقیق کرنے کے بعد حکام کو بے خطا پاکر معزولی میں تامل فرماتے رہے۔ حتی کہ مدینہ منورہ کے لوگ بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق غلط فہمیوں میں مبتلا ہونا شروع ہو گئے۔

عبداللہ بن سبا نے تمام شہروں میں اپنے نمائندے مقرر کر رکھے تھے اور کوفہ تو اس کا مرکزی شہر تھا۔ لیکن دمشق میں اسے امیر معاویہؓ کے حسن انتظام کی وجہ سے کامیابی نہ ہو سکی۔ اگرچہ وہ دمشق میں بھی مختلف وقتوں میں جا جا کر لوگوں کو بغاوت کی ترغیب دیتا رہا۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت ابودرداءؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر نہایت محتاط انداز سے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ انہوں نے عبداللہ بن سبا کی باتیں سن کر صاف کہہ دیا کہ تم تو یہودی معلوم ہوتے ہو۔ اور اسلام کے پردہ میں مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہو۔ اس کے بعد وہ حضرت عبادہؓ بن صامت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت عبادہؓ بن صامت نے اس کی گفتگو سننے کے بعد اسے پکڑ کر فوراً امیر معاویہ کی خدمت میں لے

لہ البدایہ والنہایہ ابن کثیر ص۱۷۵

Marfat.com

گئے اور کہا کہ مجھے تو یہ شخص وہی معلوم ہوتا ہے جس نے حضرت ابوذر غفاری رضؓ کو بہکایا تھا۔ حضرت امیر معاویہ نے اسے فوراً دمشق سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ اور صرف اتنی سزا کو ہی اس کے لیے کافی سمجھا۔

جب عبداللہ بن سبا کے مقرر شدہ نمائندوں نے دوبارہ تخریبی خطوط لکھنے شروع کر دیے۔ اور خصوصاً کوفہ، بصرہ اور مصر کے عوام کی طرف سے اپنے حکام کے ظلم و تشدد کی چٹھیاں مدینہ کے مقتدر صحابہ کرام کے نام لکھوائی جاتے لگیں تو مدینہ میں کچھ شورش کے آثار نمودار ہونے لگے۔ حضرت عثمانؓ نے تمام مقتدر صحابہ کرام کا اجلاس بلایا۔ اور مشورہ کے بعد چند معتمد حضرات کو مختلف صوبوں میں دوبارہ بھیجا تاکہ اصل حالات سے آگاہ ہو کر شکایات کا تدارک کیا جائے۔ چنانچہ محمدؓ بن مسلمہ کو کوفہ کی طرف، اسامہؓ بن زیدؓ کو بصرہ کی طرف اور عبداللہؓ بن عمرؓ کو شام کی طرف روانہ کیا۔ چند روز کے بعد سب نے حسب سابق آ کر کہا کہ کہیں بھی کسی حاکم کے خلاف ہمیں کوئی شکایت نہیں ملی۔ حکام اپنی جگہ پر پوری توجہ سے مصروف کار ہیں کسی سے بھی کوئی خلاف شرع حرکت ہم نے نہیں سنی۔ اور کوئی آدمی حکام سے شاکی بھی نہیں ہے۔ چنانچہ اہل مدینہ کو یہ سن کر تسکین ہوئی۔ اور کچھ دنوں کے لیے شورش دب گئی لیکن چند دنوں کے بعد عبداللہ بن سبا کے ایجنٹوں نے پھر وہی سلسلہ شروع کر دیا۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک منشور عام بھیجا

کے نام ہر شہر اور قصبے میں بھجوایا جس میں کہا گیا کہ ۳۵ھ کے حج کے موقعہ پر تمام صوبوں کے حکام اعلیٰ میرے پاس آئیں گے جس کسی کو کسی حاکم کے متعلق شکایت ہو وہ برملا بیان کرے۔ اور اگر تصدیق کرنے پر کسی کا حق میری طرف یا میرے کسی عامل کی طرف نکلتا ہو گا تو اسے ضرور دیا جائے گا

چنانچہ حسب اعلان حاکم اور دوسرے لوگ بھی مکہ معظمہ حج کے لیے روانہ ہو گئے۔ لیکن عبداللہ بن سبا نے اپنے ایجنٹوں کو بجائے مکہ مکرمہ کے مدینہ منورہ بھیج دیا تاکہ مدینہ میں اور بھی شورش کی ہر امکانی کوشش کر سکیں۔

حج کے ایام میں حضرت عثمانؓ نے اعلان کروایا کہ تمام حکام موجود ہیں جس کسی کو بھی کوئی شکایت ہے آ کر بیان کرے تاکہ اس کا تدارک کیا جائے لیکن کوئی شخص بھی شکایت لے کر حاضر نہ ہوا۔

خلیفہ کی مجلس شوریٰ کے ارکان سوچنے لگے کہ آخر اس فتنہ کو کس طرح فرو کیا جائے۔ حضرت عثمانؓ نے حاضرین کو مخاطب ہو کر کہا کہ یہ فتنہ ضرور برپا ہو کر رہے گا۔ اور عنقریب اس کا دروازہ کھل جائے گا لیکن میں نہیں چاہتا کہ اس فتنہ کے دروازہ کو کھولنے کا الزام مجھ پر عاید ہو۔ اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ میں ہمیشہ مسلمانوں کی بہتری اور امت کی بھلائی کے لیے کوشاں رہا۔

حضرت عثمانؓ جب حج سے مدینہ واپس تشریف لائے تو چونکہ وہاں باہر سے آئے ہوئے کافی لوگ جمع تھے۔ اس لیے دوبارہ وہاں

Marfat.com

ایک اجلاس عام منعقد کیا جس میں حضرت علی رضؓ، طلحہ رضؓ اور حضرت زبیرؓ جیسے مقتدر صحابہ بھی شریک تھے۔ اس اجلاس میں حضرت عثمان رضؓ نے حاضرین کو خطاب کیا کہ اب اگر کسی کو کوئی اعتراض ہے تو بیان کرے چنانچہ لوگ اعتراض کرتے رہے اور حضرت علی رضؓ ان کے جواب دیتے رہے۔

ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے کہا آپ اپنے عزیز و اقارب کو بہت مال دیتے ہیں کیا یہ کنبہ پروری بیت المال سے نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا اس میں شک نہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر فاروق رضؓ مسند نشین خلافت ہو کر نہایت محتاط رہے اور اپنے عزیز و اقارب کی طرف توجہ نہ دی حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رشتہ داروں سے حسن سلوک کرتے تھے۔ قرآن کہتا ہے وَآتِ ذَا الْقُرْبٰی کہ اپنے قریبیوں کا خیال رکھو۔ میرے عزیز و اقارب مفلس لوگ ہیں میں ان سے اگر حسن سلوک کرتا ہوں تو اپنے ذاتی مال سے کرتا ہوں۔ تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت دے رکھا ہے اگر تم میرے اس طرز عمل کو از روئے شریعت ناجائز ثابت کر دو تو میں تبدیلی کرنے کو تیار ہوں۔

ایک اور شخص کہنے لگا کہ آپ نے عبد اللہ بن سعد کو تمام مال غنیمت کیوں دے دیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اسے مال غنیمت کے خمس

---

[1] البدایہ والنہایہ ابن کثیر ص ۱۷۱

میں سے پانچواں حصہ دیا تھا۔ اور وہ بھی اس کی عظیم فتوحات کی بنا پر بطور انعام دیا تھا۔ چنانچہ مجھ سے پہلے خلافت صدیقی اور خلافت فاروقی میں بھی اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں اور از رو ئے شریعت یہ ناجائز نہیں ہے۔

ایک اور شخص اٹھا اور کہا کہ تم نے اپنے عزیز و اقارب کو امارتیں اور حکومتیں دے رکھی ہیں۔ مثلاً شام کی حکومت امیر معاویہ کو۔ بصرے کی عبداللہ بن عامر کو۔ کوفہ کی سعید بن عاص کو، آپ نے فرمایا جن کو میں نے امارتیں دی ہیں وہ میرے عزیز و اقارب نہیں ہیں بلکہ وہ اپنے عہدوں کے کام کو بحسن وخوبی سرانجام دینے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ معاویہؓ خلافت فاروقی کے وقت سے چلے آ رہے ہیں۔ پھر بھی اگر تم انہیں نا اہل ثابت کر سکو تو مجھ کو انہیں تبدیل کرنے میں اعتراض نہیں ہوگا۔

ایک اور شخص کہنے لگا کہ عبداللہ بن عامر حاکم بصرہ ابھی بالکل نوجوان شخص ہے جسے آپ نے اتنی بڑی ذمہ داری سونپ رکھی ہے۔ آپ نے فرمایا عبداللہ بن عامر عقل و فراست، دینداری اور قابلیت میں خاص طور پر ممتاز ہے۔ محض نوجوان ہونا کوئی عیب نہیں ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسامہؓ بن زیدؓ کو ۱۷ سال کی عمر میں امیر جیش مقرر نہ فرماتے۔

ایک اور شخص اٹھا اور کہا کہ آپ کنبہ والوں سے بڑی محبت رکھتے

Marfat.com

ہیں اور ان کو بڑے بڑے عطیات دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اپنے خاندان سے محبت رکھنا کوئی گناہ کی بات نہیں ہے اور اگر ان کو عطیات دیتا ہوں تو بیت المال سے نہیں دیتا بلکہ اپنے ذاتی مال سے دیتا ہوں۔ بیت المال سے تو میں نے آج تک اپنے خرچ کے لیے بھی کوڑی نہیں لی۔ رشتہ داروں کو کیسے دے سکتا ہوں۔ البتہ ذاتی مال میں مجھے اختیار ہے جسے چاہوں دوں۔

اور ایک اور کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ تم نے سرکاری چراگاہ کو اپنے لیے مخصوص کر رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب میں خلیفہ منتخب ہوا تھا تو مجھ سے زیادہ اونٹ اور بکریاں کسی اور کی نہ تھیں اور آج میرے پاس صرف دو اونٹ ہیں جو صرف حج کی سواری کے لیے رکھے ہیں۔ اور وہ بھی چراگاہ میں نہیں بھیجا کرتا۔ البتہ بیت المال کے اونٹوں کی چراگاہ ضرور مخصوص ہے اور وہ میری خلافت سے پہلے کی مخصوص چلی آتی ہے۔

الغرض لوگ ہر قسم کے اعتراض کرتے رہے اور آپ ان کا مسکت جواب دیتے رہے۔ اس کے بعد اجلاس برخاست ہوا اور لوگ چلے گئے۔

حضرت عمرو بن عاص نے جاتی دفعہ حضرت عثمانؓ کو کہا کہ آپ کی حد سے زیادہ نرمی دشمنوں کو پنپنے کا موقع دے رہی ہے۔ ورنہ حضرت عمر فاروق رضؓ کے مدینہ میں رہتے ہوئے بھی دور دراز کے لوگ تھر تھر کانپتے تھے۔ آپ یہ جانتے ہیں کہ یہ لوگ فتنہ کھڑا کرنا چاہتے ہیں۔

Marfat.com

اس فتنہ کو دبانے کے لیے ان شرپسندوں کو موت کی سزا دینی چاہیئے۔ تاکہ آئندہ کوئی شخص ایسی شرارت کی جراءت نہ کر سکے۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔

جب حضرت امیر معاویہ جانے کے لیے رخصت طلب کرنے آئے تو انہوں نے کہا مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں آپ پر حملہ نہ ہو اور اس وقت آپ اس کی مدافعت بھی نہ کر سکیں گے۔ مناسب یہ ہے کہ آپ میرے ساتھ ملک شام میں چلے جائیں۔ وہاں تمام اہل شام میرے فرمانبردار اور مطیع ہیں۔ حضرت عثمان نے جواب دیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر اور آپ کی ہمسائیگی کسی صورت میں بھی چھوڑنے کو تیار نہیں ہوں۔ امیر معاویہ رضؓ نے کہا پھر آپ اجازت فرمائیں کہ آپ کی حفاظت کے لیے شام سے میں ایک زبردست لشکر بھیج دوں۔ فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسیوں یعنی مدینہ والوں کو تنگ نہیں کرنا چاہتا۔ یہ سن کر امیر معاویہ رضؓ نے کہا کہ آپ ضرور دھوکہ کھائیں گے۔ آپ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ امیر معاویہ رضؓ وہاں سے اٹھ کر حضرت علی رضؓ، طلحہ رضؓ، زبیر رضؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر بوقت ضرورت حضرت عثمان رضؓ کی امداد کی فرمائش کر کے شام کو روانہ ہو گئے۔

عبداللہ بن سبا نے مصر میں بیٹھے بیٹھے اپنے تمام خفیہ انتظامات مکمل

Marfat.com

کر لیے تھے۔ اس کی تحریک کا راز سوائے چند خاص الخاص مسلم نما یہودیوں کے اور کسی کو معلوم نہ تھا۔ اس نے حب علی رضؓ اور حمایت اہل بیت کو خلافت عثمانی کے درہم برہم کرنے کے لیے ایک ذریعہ بنایا تھا۔ بڑے بڑے شہروں میں سے بہت سے سادہ لوح عرب اس کے دام فریب میں آچکے تھے۔ حتیٰ کہ ایک دو صحابہ کو بھی اس نے متاثر کر لیا تھا۔ چنانچہ عبداللہ بن سبا کے اشارے کے مطابق ہر مقام کے لوگوں نے کام کرنا شروع کر دیا۔

تمام شہروں کے باغی گروہ اس بات پر تو متفق تھے کہ حضرت عثمانؓ کو معزول یا قتل کر دیا جائے۔ لیکن اس کے بعد خلیفہ نامزد کسے کیا جائے اس میں اختلاف تھا۔ مصری عموماً حضرت علی کی خلافت کے حق میں تھے بصری حضرت طلحہ رضؓ کو چاہتے تھے اور کوفی حضرت زبیرؓ بن عوام کو خلیفہ مقرر کرنا چاہتے تھے۔ اور یہ ساری عبداللہ بن سبا کی سازش ہی تھی کہ بعد میں بھی سادہ لوح مسلمان اکٹھے نہ ہو سکیں۔ اسے اسلام سے تو ہمدردی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کا تو مقصد ہی یہ تھا کہ مسلمانوں میں اختلاف پیدا کیا جائے، خلافت معطل ہو جائے اور اسلامی فتوحات کو روکا جائے اسی طرح تحریک کے شروع میں اس نے حب علی رضؓ کا نعرہ بلند کیا لیکن بعد میں خاموشی اختیار کر لی تا کہ آئندہ خلیفہ کے انتخاب میں اختلاف کی گنجائش بدستور رہے

Marfat.com

۳۵ھ

ماہ شوال ۳۵ھ میں مختلف شہروں کے فتنہ پرداز قافلوں کی روانگی شروع ہو گئی۔ سب سے پہلے ایک ہزار کا قافلہ مصر سے حج کے بہانہ سے نکلا اور یہ قافلہ بھی چار مختلف چھوٹے چھوٹے گروہوں کی صورت میں نکلا تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو۔ اور ایک منزل شہر سے دور جا کر اکٹھے مل گئے۔ اس قافلہ کی قیادت غافقی بن حرب کر رہا تھا۔

اسی طرح سمجھی سوچی سکیم کے ماتحت ایک ہزار کا قافلہ بصرہ سے حرقوص بن زہیر کی قیادت میں نکلا۔ اور ایک ہزار کا قافلہ مالک بن اشتر کی قیادت میں کوفہ سے نکلا اور راستہ میں طے شدہ پروگرام کے مطابق تینوں قافلے مل گئے۔

جب مدینہ سے تین منزل کے فاصلہ پر پہنچ گئے تو جو لوگ حضرت طلحہ رضؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے وہ آگے بڑھ کر ذو خشب میں ٹھہر گئے اور جو زبیر بن عوام کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے وہ مقام احوص میں مقیم ہو گئے اور جو لوگ حضرت علی رضؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے وہ ذوالمروہ میں مقیم ہو گئے۔

جب یہ بلوائی مدینہ کے قریب ٹھہر گئے تو انہوں نے اپنے قاصد روانہ کیے تاکہ مدینہ کے حالات کا جائزہ لیا جائے چنانچہ چند آدمی وفد کی صورت میں مدینہ گئے اور حضرت علی رضؓ، طلحہ رضؓ، زبیر رضؓ اور امہات المومنین سے ملے اور ان سے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔ ان سبھوں نے ان کو ملامت کی اور واپس جانے کے لیے حکم دیا۔ مصریوں کا وفد علی رضؓ سے ملا۔ انہوں نے ان کو

Marfat.com

ملامت کی۔ اور بصریوں کا وفد طلحہ رض کو ملا اور کوفیوں کا وفد زبیر رض کو ملا۔ انہوں نے ان سب کو لعنت ملامت کر کے واپس جانے کو کہا۔ بلوائیوں نے کہا ہم آپ سے بیعت کرنے آئے ہیں اور خلیفہ عثمان کو معزول کرانے آئے ہیں۔ آپ ہم سے بیعت لے لیں۔ ان تینوں بزرگ صحابہ نے بیعت لینے سے سختی سے انکار کیا تو بلوائیوں نے کہا کہ پھر آپ نے ہمیں لکھا کیوں تھا آپ کے لکھنے پر ہی تو ہم آئے تھے۔ صحابہ کرام حیران رہ گئے اور قسمیں کھا کھا کر کہنے لگے کہ ہم نے تو کچھ بھی نہیں لکھا تھا۔

اصل بات یہ تھی کہ عبد اللہ بن سبا کی پارٹی کے جو آدمی مدینہ میں رہتے تھے وہ حضرت علی رض، حضرت طلحہ رض، حضرت زبیر رض اور امہات المومنین کی طرف سے ان کے نام پر مصر، کوفہ و بصرہ کے ان لوگوں کے نام پر خطوط لکھتے رہے۔ جو ان بزرگوں سے عقیدت رکھتے تھے ان کو دام تزویر میں پھنساتے رہے کہ عثمان اب اس قابل نہیں رہے کہ ان کو تخت خلافت پر متمکن رہنے دیا جائے۔ مناسب یہی ہے اور امت مسلمہ کی فلاح اسی میں ہے۔ اس آنے والے ماہ ذی الحج میں اس کام کو سرانجام دے دیا جائے گا۔ چنانچہ بلوائی کہنے لگے کہ خود ہی بلوا کر اب ہمیں ناکام واپس لوٹا رہے ہیں۔

جب صحابہ نے بلوائیوں کو سخت سست کہا تو مصریوں نے کہا کہ اگر یہ نہیں ہو سکتا۔ تو کم از کم جو مصر پر عامل ہے ہم اسے تو ضرور بدلوا کر ہی جائیں گے۔ حضرت علی رض نے حضرت عثمان رض سے کہا کہ ان بلوائیوں

Marfat.com

کو مدینہ میں داخل ہونے کی بجائے ان کا مطالبہ مان کر یہیں سے واپس کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ ان کے کہنے پر ان کی مرضی کے مطابق محمد بن ابوبکرؓ کو ان پر عامل مقرر کر کے تمام بلوائیوں کو واپس کر دیا گیا۔

شہادت خلیفہ راشد

واپس جانے کے تین چار دن بعد ہی تمام باغی نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے مدینہ میں داخل ہوئے۔ اور حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا حضرت علی رضؓ نے ان باغیوں سے دریافت کیا کہ تم لوگ واپس جا کر پھر کیوں لوٹ آئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ خلیفہ نے ایک خط اپنے غلام کے ہاتھ عبداللہ بن سعد کے پاس مصر کو روانہ کیا تھا کہ جب ہم وہاں پہنچیں تو وہ ہم سب کو قتل کر دے۔ ہم نے وہ خط راستہ میں پکڑ لیا ہے۔ اس کو لے کر آئے ہیں۔ ساتھ ہی بصری اور کوفی قافلے بھی واپس آ گئے۔ اور کہنے لگے کہ ہم اپنے بھائیوں کے رنج و راحت میں برابر کے شریک ہوں گے حضرت علی رضؓ نے کہا کہ واللہ یہ تم لوگوں نے سازش کی ہے اور تمہاری نیت ٹھیک نہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ کچھ بھی ہو ہم اس خلیفہ کو قتل کیے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ آپ اس کام میں ہماری مدد کریں۔ حضرت علیؓ نے برہم ہو کر کہا کہ میں بغاوت میں تمہاری مدد کیسے کر سکتا ہوں۔ باغیوں نے پھر وہی سوال کیا کہ آپ نے ہمیں لکھا کیوں تھا۔ حضرت علی رضؓ نے کہا کہ میں نے تمہیں کچھ بھی نہیں لکھا۔ طویل گفتگو کے بعد آخر کبیدہ خاطر ہو کر مدینے سے باہر مقام احجار الزیت تشریف لے گئے۔ اور بلوائیوں

Marfat.com

لنے حضرت عثمان رضؓ کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔

عبداللہ بن سبا جو مصری بلوائیوں کے ساتھ مصر سے آیا ہوا تھا صرف خلافت عثمانی کو معطل کر ڈالنے کے لیے آیا تھا۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ اگر خلافت معطل ہو جائے تو تمام اسلامی ممالک محروسہ کا نظام بڑی آسانی سے درہم برہم ہو سکتا ہے۔ کیونکہ خلافت کے معطل ہونے سے طوائف الملوکی پھیل کر خانہ جنگی سے اسلامی حکومت کی جڑیں کھوکھلی ہو سکتی تھیں۔ جس سے اسلامی فتوحات کو روکنا تو درکنار اسلامی ممالک کو مغلوب کرنے میں کافی مدد مل سکتی تھی۔

لیکن مدینہ میں رہنے والے تمام صحابہ نے جب ان بلوائیوں کی مخالفت کی اور انہیں لنے نیل مرام واپس لوٹنا پڑا تو عبداللہ بن سبا نے یہ سازش کی کہ خلیفہ راشد کو جس طرح بھی ہو قتل کروا دیا جائے۔ اسے اپنے غلط ارادوں میں کامیابی کے مواقع بھی نظر آ رہے تھے۔ کیونکہ اکثر صحابہ کرام حج بیت اللہ کو جا رہے تھے۔ اور مدینہ میں بالکل تھوڑے آدمی رہ گئے تھے۔

حالانکہ جو شخص خلیفہ وقت اور با اختیار ہونے ہوئے صرف اس لیے اپنا دفاع نہیں کرتا کہ میری وجہ سے کسی مسلمان کا خون نہ بہے۔ وہ دوسروں کے ہاتھوں انہیں کیسے قتل کروا سکتا تھا۔ اور پھر تین ہزار آدمی یا کم از کم ایک ہزار آدمیوں کو قتل کروانا تو بہت بعید از عقل بات ہے۔ البتہ اس سازش سے بلوائیوں کو ایک فائدہ ضرور ہوا کہ صحابہ میں سے

Marfat.com

محمد بن ابوبکرؓ ان کے دام تزویر میں آ گئے۔

اس وقت تک بلوائی حضرت عثمانؓ کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے۔ لیکن اس کے بعد ان کے پیچھے نمازیں پڑھنا بھی چھوڑ دیں۔ بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی روکنا شروع کر دیا۔

دوسرے صوبوں میں جب یہ خبریں پہنچیں تو ان مختلف شہروں کے مقتدر حضرات نے نیک دل لوگوں کو خلیفہ کی امداد کے لیے روانہ ہونے کی ترغیب دی۔ چنانچہ حضرت معاویہؓ نے حبیب بن مسلمہؓ کو اور عبداللہ بن سعد نے معاویہ بن خدیج کو روانہ کیا اور کوفہ سے قعقاع بن عمرو ایک جمعیت لے کر روانہ ہوئے۔ یہ امدادی فوجیں ابھی راستہ ہی میں تھیں کہ انہوں نے خلیفہ کی شہادت کی خبر سن لی اور راستہ ہی سے واپس ہو گئے۔

ایک ماہ تک حضرت عثمانؓ محاصرہ کی حالت میں ہی مسجد میں جاتے رہے بالآخر بلوائیوں نے ان کا گھر سے نکلنا بھی بند کر دیا۔ اور پانی کا جانا بھی روک لیا۔ حضرت عثمانؓ نے ہر چند کہا کہ تم علینی شاہد پیش کرو اور ثابت کرو کہ میں نے یہ خط لکھا ہے جس کو تم نے بہانہ بنا لیا ہے۔ یا مجھ سے قسم لے لو کہ مجھے اس کا علم بھی نہیں۔ باغیوں نے ہر معقول بات کو ماننے سے انکار کر دیا۔

مفسدین نے کاشانہ خلافت کا محاصرہ سخت کر دیا جو چالیس دن تک مسلسل قائم رہا۔ اس عرصہ میں اندر پانی تک پہنچانا جرم تھا۔ ا

دفعہ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ نے اپنے ساتھ کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے کر حضرت عثمان رضؓ تک پہنچنے کی کوشش کی مگر مفسدین کے قلوب نور ایمان سے بالکل خالی ہو چکے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حرم محترم کا بھی پاس و لحاظ نہ کیا اور بے ادبی کے ساتھ مزاحمت کر کے واپس کر دیا[۱]

حضرت عثمانؓ پر باغیوں نے جب پانی کا جانا روک دیا تو ان کو بڑی تکلیف ہوئی۔ ہمسایہ گھروں کے ذریعہ پوشیدہ طور پر پانی گھر میں پہنچتا رہا۔ مفسدین کی خیرہ سری سے صحابہ کرام کی بے احترامی اتنی بڑھ گئی تھی کہ حضرت عبداللہؓ بن سلام، ابوہریرہؓ، سعد بن وقاصؓ اور زیدؓ بن ثابت جیسے اکابر صحابہ تک کی کسی نے نہ سنی اور ان کی توہین کی۔ حضرت علی رضؓ جب حضرت عثمان رضؓ کے بلانے پر ان کے گھر کے اندر جانا چاہا۔ تو لوگوں نے ان کو روک دیا۔ آپ نے مجبور ہو کر سیاہ عمامہ اتار کر قاصد کو دے دیا اور کہا کہ جو حالت ہے اس کو دیکھ لو اور جا کر کہہ دو۔ بہت سے صحابہ مدینہ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ حضرت عثمان رضؓ جب خود مسجد میں نہ جا سکے۔ تو امامت کے لیے حضرت ابو ایوبؓ انصاری کو مقرر فرمایا۔ لیکن چند روز کے بعد باغیوں کے مصری سردار غافقی بن حرب نے خود مسجد میں امامت شروع کر دی۔

جب بلوائیوں نے زیادہ شورش برپا کی۔ اور یہ معلوم ہوا کہ باغی حضرت

---

[۱] طبری صفحہ ۲۱

عثمان کا دروازہ گرا کر اندر داخل ہونا اور حضرت عثمان رضؓ کو قتل کرنا چاہتے ہیں تو حضرت علی رضؓ نے اپنے صاحبزادوں امام حسن رضؓ اور امام حسین رضؓ کو بھیجا کہ حضرت عثمان رضؓ کے دروازہ پر مسلح موجود رہو اور بلوائیوں کو مکان میں داخل ہونے سے روکو۔ اسی طرح حضرت طلحہ رضؓ اور حضرت زبیرؓ نے بھی اپنے اپنے صاحبزادوں کو بھیجا۔ ان صاحبزادوں نے بلوائیوں کو روکا اور انہیں مجبوراً رکنا پڑا۔

ادھر بلوائیوں کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ اگر باہر سے فوجیں آگئیں تو مقصد براری میں دشواری ہو جائے گی۔ لہٰذا انہوں نے فوری تدابیر شروع کر دیں۔

جب حضرت عثمانؓ پر زیادہ سختی کی گئی۔ تو آپ نے ان باغیوں کے سربراہ کو بلایا اور کہا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا آپ خلافت سے علیحدہ ہو جائیں۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ میں اس قمیص کو جو اللہ نے مجھے پہنائی ہے خود نہیں اتاروں گا۔ یعنی منصب خلافت کو میں کسی دباؤ کے زیر اثر نہیں چھوڑوں گا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ اے عثمان رضؓ شاید اللہ تعالیٰ تجھے ایک خلعتؔ پہنائے لیکن

لہ ترمذی، ابن ماجہ ابن کثیر، مسند احمد، طبقات ابن سعد میں عبداللہ بن عمر رضؓ سے یہ الفاظ مروی ہیں فلادری ان تسن ھذہ السنۃ فی الاسلام کلما سخط قوم علی امیرھم خلعوا۔ لا تخلع قمیصا قمصک اللہ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان ارادک المنافقون علی خلعہ فلا تخلعہ لظالم (دیاقی برصفحہ)

جو خلعت اللہ تعالیٰ تمہیں پہنائے اسے اتارنا نہیں (تین مرتبہ فرمایا)
ایک[1] دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے مکان کی چھت پر چڑھ کر فرمایا کہ یہاں علی رضی اللہ عنہ موجود ہیں، طلحہ رضی اللہ عنہ موجود ہیں، زبیر رضی اللہ عنہ موجود ہیں، سعد رضی اللہ عنہ موجود ہیں، انہوں نے کہا ہاں موجود ہیں۔ آپ نے فرمایا تمہیں یاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مسجد تنگ ہے اور جو شخص اس زمین کے ٹکڑے کو خرید کر لِلّٰہ مسجد کے لیے وقف کر دے اس کے لیے جنت کی خوشخبری ہے تو میں نے اسے خرید کر وقف کر دیا۔ اب یہ لوگ اس میں مجھے دو رکعت نماز بھی نہیں پڑھنے دیتے۔

پھر فرمایا تم لوگوں کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کے پانی پینے کے لیے مدینہ میں کوئی کنواں نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو بیر رومہ (کنویں کا نام ہے) کو خرید کر لِلّٰہ تمام لوگوں کے فائدے کے لیے وقف کر دے تو میں نے خرید کر وقف کر دیا۔ آج انہوں نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۵) ایسا نہ ہو کہ اسلام میں ایک بری عادت ہی آجائے کہ جب قوم اپنے امیر سے ناراض ہو جائے اسے معزول کر دے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر منافق تجھے اس خلعت سے معزول کرنا چاہیں تو کسی ظالم کے ظلم کی وجہ سے نہیں چھوڑنا۔ اسی لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شہادت قبول کر لی لیکن خلافت کے وقار کو بحال رکھا اور واقعی اگر معمولی لوگوں کی منشا کے مطابق حکومتیں معطل ہونا شروع ہو جائیں تو خلافت تو صرف ایک کھیل رہ جائے چنانچہ اس کا نمونہ عباسی دورِ حکومت میں ملتا ہے ۱۲ مؤلف (حاشیہ صفحہ ہذا) [1] ترمذی، نسائی، البدایہ والنہایہ۔

اس کا پانی بھی مجھ سے روک رکھا ہے۔

پھر فرمایا تمہیں یاد ہے کہ جنگ تبوک میں مال اور سواریوں کی بہت تنگی تھی تو میں نے ہزاروں اونٹ دے دیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عثمانؓ! تیرے جنت میں داخل ہونے کے لیے یہی عمل کافی ہے۔ چنانچہ جتنے صحابہ موجود تھے سب نے اس کی تصدیق فرمائی۔

پھر فرمایا اے طلحہؓ! تمہیں یاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہر نبی کا جنت میں کوئی نہ کوئی ساتھی ہوتا ہے اور میرا رفیق جنت عثمان بن عفان ہے۔ حضرت طلحہ رضؓ نے اس کی بھی تصدیق کی۔

پھر فرمایا کہ تم لوگوں کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی مسلمان کا خون گرانا بغیر تین وجہوں کے حرام ہے۔ یا تو شادی شدہ ہو کر زنا کرے۔ یا مرتد ہو جائے یا قصاص میں قتل کیا جائے۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مسلمان ہونے کے بعد تو کیا۔ میں نے کبھی عہد جہالت میں بھی زنا نہیں کیا۔ اور نہ ہی میں نے آجتک کسی مسلمان کو قتل کیا ہے اور نہ ہی میں مرتد ہوں۔ بلکہ اب بھی اپنے مسلمان ہونے کی شہادت دیتا ہوں۔ اور کلمہ شہادت پڑھا

پھر فرمایا کہ اب بتاؤ آخر تم مجھے کس وجہ سے قتل کرنا چاہتے ہو۔

اس تقریر کا بلوائیوں پر ایسا اثر ہوا کہ ان میں سے اکثر نے خلیفہ کے قتل کا ارادہ ترک کر دیا۔ بلکہ دوسروں کو بھی روکنے لگے۔ اتنے میں مالک بن اشتر کوفی آپہنچا اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ دیکھو کہیں ان باتوں

Marfat.com

میں نہ آجانا۔ اور اس انداز سے شرپسند عناصر کو ابھار اکر لوگ پھر مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔ آخر میں باغی یہ دیکھ کر کہ حج کا موسم ختم ہو رہا ہے۔ اور اس کے ختم ہوتے ہی لوگ مدینہ کا رخ کریں گے اور موقع ہاتھ سے نکل جائے گا۔ آپ کے قتل کی تدبیریں کرنے لگے جس کو حضرت عثمانؓ نے اپنے کانوں سے سنا (احمد بن حنبل صـ۶۲/۱)

حضرت عثمانؓ نے مالک بن الاشتر سے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو اس نے کہا کہ ہم تمہیں خلافت سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کہ جو قمیص اللہ تعالے نے مجھے پہنائی ہے وہ خود ہی اتار دوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو ایک دوسرے پر زیادتی کرنے کا دروازہ کھول دوں۔ اگر آج میں تمہارے کہنے پر خلافت چھوڑ دوں تو کل تم دوسرے کو معزول کر دو گے۔ آپ نے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا اللہ کی قسم اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو بعد میں کبھی بھی تم آرام وسکون اور محبت ویگانگت کی زندگی بسر نہ کر سکو گے۔ اور نہ ہی ایک امام کی اقتداء میں رہ سکو گے اور نہ ہی تم اسلام کے دشمنوں سے لڑ سکو گے۔ بلکہ آپس میں ہی لڑتے رہو گے حتی کہ تمہاری نمازوں کے امام بھی الگ الگ ہوں[1] گے۔ واللہ اکبر خلیفہ راشد کی پیشگوئی کس طرح

---

[1] ابن سعد نے طبقات صـ۶۵ میں اس طرح بیان کیا ہے۔ خدا کی قسم میں نے حتی الوسع بھلائی ہی کی کوشش کی خواہ تم اسے صحیح سمجھو یا غلط۔ خدا کی قسم اگر تم مجھے قتل کرو گے تو ایسا تفرقہ ہو گا کہ تم کبھی اکٹھے نہ ہو سکو گے اور نہ مل کر جہاد کر سکو گے (باقی برصـ۱۰۹)

Marfat.com

حرف بحرف پوری ہوئی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

مسند امام احمد میں (بحوالہ ابن کثیر) مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ کے کان میں کوئی بات کہی۔ تو حضرت عثمان کا رنگ فق ہوگیا۔ جب آپ کے گھر کا محاصرہ سخت کردیا گیا۔ تو صحابہ نے کہا کہ آپ ہمیں اجازت کیوں نہیں دیتے کہ ہم ان سے لڑائی کرکے ان کو بھگا دیں۔ تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کیا ہوا ہے۔ کہ "میں صبر کروں گا اور اپنی جان پر برداشت کروں گا" اسی لیے حضرت عثمانؓ آخر وقت تک مسلمانوں کو لڑائی سے روکتے ہی رہے۔

انہیں دنوں ابن عدیس بلوی جو کہ باغیوں میں سے ایک سرگرم رکن تھا جمعہ کے دن منبر نبوی پر کھڑا ہوا۔ اور حضرت عثمان کی شان میں کچھ گستاخانہ کلمے کہے۔ حضرت عثمان کو جب معلوم ہوا تو فرمایا ابن عدیس جھوٹ بولتا

بقیہ حاشیہ صفحہ) اور نہ غنائم تقسیم کرسکو گے پھر ہر طرح سے لوگوں کو سمجھاتے رہے پیار سے بھی اور وعید سے بھی۔ بالآخر ان بلوائیوں کو بددعا دی اَللّٰھُمَّ اَحْصِھِمْ عَدَدًا فَاقْتُلْھُمْ بَدَدًا وَّلَا تُبْقِ مِنْھُمْ اَحَدًا کہ اے اللہ ان کو اپنے شمار میں رکھ اور بری طرح ہلاک کر کہ ان میں سے کوئی بھی نہ بچ سکے۔ چنانچہ حضرت مجاہد بیان کرتے ہیں کہ جو لوگ فتنہ میں شریک ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان سب کو بری طرح ہلاک کیا۔ کوئی ایک بھی ان سے عزت کی موت نہ مرا (مولف) (حاشیہ صفحہ ہذا) [1] یہ روایت طبقات ابن سعد صفحہ ۶۶ میں بھی ہے ۱۲۔

ہے۔ اسے معلوم نہیں کہ میں اسلام میں چوتھا مسلمان ہوں۔ مجھ سے پہلے صرف تین آدمی ایمان لائے تھے اور میرے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی لڑکی کی شادی کی۔ اس کے فوت ہونے کے بعد دوسری لڑکی بیاہ دی۔ یہ حقیقت ہے کہ میں نے آج تک کبھی تربا نہیں کیا۔ اور نہ کبھی چوری کی ہے۔ جب سے میں مسلمان ہوا ہوں کبھی اسلام کے خلاف کوئی بات نہیں کی۔ اور نہ ہی کبھی کسی بات پر فخر کیا ہے۔ اور جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی اپنے داہنے ہاتھ سے کبھی اپنی شرمگاہ کو چھوا تک نہیں۔ میں وہ شخص ہوں کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ہی قرآن کو حفظ کیا تھا۔ اور مجھ پہ کوئی جمعہ ایسا نہیں آیا کہ جب میں نے کوئی غلام آزاد نہ کیا ہو۔

حضرت عثمان رضؓ کے گھر کا محاصرہ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ بروز جمعہ تک رہا۔ اس سے ایک دن پہلے بروز جمعرات آپ کے پاس سات سو صحابہ تھے۔ جن میں عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، حسنؓ، حسینؓ، مروانؓ، ابوہریرہؓ بھی موجود تھے۔ جو کہ پہرہ دے رہے تھے اور بار بار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے لڑائی کی اجازت مانگتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ بھی آپ کی محافظت میں رہے حتیٰ کہ حضرت عثمان رضؓ نے ان کو امیر الحج بنا کر مکہ بھیج دیا۔ حضرت ابن عباس با دل ناخواستہ تعمیل حکم میں چل دیئے۔ ورنہ وہ فرماتے تھے کہ اللہ کی قسم مجھے ان بلوائیوں

Marfat.com

سے جہاد کرنا اس حج سے زیادہ مرغوب ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ ان تمام لوگوں کو قسمیں دے دے کر لڑائی سے روکتے رہے۔

۱۸ ذوالحجہ ۳۵ھ بروز جمعہ بلوائیوں نے دروازہ کو آگ لگادی اور اندر گھس آئے۔ صحابہ نے مقابلہ کر کے باہر نکال دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حسنؓ کو حکم دیا کہ اپنے باپ کے پاس چلے جاؤ لیکن انہوں نے جانا پسند نہ کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ نے اس دن خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ تشریف فرما ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ عثمانؓ! جلدی کرو۔ تمہاری افطاری کے ہم منتظر ہیں۔ حضرت عثمان اس وجہ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لیے مشتاق ہو رہے تھے۔

آپ بدستور صحابہ کو جنگ سے روکتے رہے اور فرمایا کہ میں آدم علیہ السلام کے اس بیٹے کی طرح ہوں جس نے اپنے بھائی کو قتل پر آمادہ دیکھ کر کہا تھا مَا اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْکَ (الی) اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓءَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِکَ فَتَکُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ وَذٰلِکَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ۝

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ہنس کر فرمایا کہ آج رسول اللہ

۱؎ ابن سعد ص۵۳ حاکم ص۹۹ و ص۱۰۳ میں دونوں خواب مذکور ہیں اور مسند احمد میں صرف پہلے خواب کا ذکر ہے۔

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملے ہیں۔ اور ان کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضؓ بھی تھے۔ اور فرما رہے تھے کہ عثمانؓ! آج ہم اکٹھے جمعہ پڑھیں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ عبداللہ بن سلامؓ ملنے کو آئے تو آپ نے ہنس کر فرمایا بھائی آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملے ہیں۔ اور اس کھڑکی سے جھانک کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استفسار فرمایا کہ "عثمان! لوگوں نے تیرا محاصرہ کر رکھا ہے" میں نے کہا جی ہاں۔ پھر دریافت فرمایا کہ "لوگوں نے تیرا پانی روک رکھا ہے؟ تجھے پیاس لگی ہو گی"؟۔ میں نے عرض کیا "جی ہاں"۔ آپ نے مجھے ٹھنڈا پانی دیا جو میں نے سیر ہو کر پیا۔ جس کی ٹھنڈک مجھے اب تک محسوس ہو رہی ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو دشمن پر غلبہ پا لو۔ چاہو تو ہمارے ساتھ افطاری قبول کرو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افطاری کو قبول کر لیا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ اگر تم ان باغیوں سے لڑائی کرو۔ تو تمھیں فتح نصیب ہو گی۔ اور اگر تم انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو تو آج روزہ ہمارے ہاں افطار کرنا ہو گا۔

باغی بار بار حملہ آور ہو کر آتے رہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو دروازہ پر پہرہ دے رہے تھے انہیں دور ہٹاتے رہے۔ مغیرہؓ بن اخنس یہ دیکھ کر نہ رہ سکے اور چند آدمیوں کو ساتھ

Marfat.com

لے کر مقابلہ پر اتر آئے۔ آخر اسی مقابلہ میں شہید ہو گئے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بلوائیوں پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو انہیں باصرار روک دیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے آکر باغیوں کو سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت آخر وقت تک دروازہ پر پہرہ دیتی رہی آخر باغی کسی ہمسائے کے مکان میں سے ہو کر زبردستی اندر آ گھسے۔ سب سے پہلے محمد بن ابوبکرؓ آئے۔ انہوں نے آکر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ڈاڑھی پکڑ کر کہا۔ اے نعثل (لمبی ڈاڑھی والے) خدا تمہیں رسوا کرے۔ آپ نے جواب دیا میں نعثل نہیں ہوں۔ بلکہ عثمانؓ امیر المومنین ہوں۔ محمد بن ابوبکرؓ نے کہا کہ اس بڑھاپے میں بھی تجھے خلافت کی ہوس ہے۔ آپ نے فرمایا اے محمد! اگر تمہارے باپ زندہ ہوتے تو میرے اس بڑھاپے کی قدر کرتے۔ انہوں نے زندگی بھر میری اس ڈاڑھی کا احترام کیا ہے۔ محمد بن ابوبکرؓ یہ سن کر شرما گیا اور واپس چلا گیا۔

ان کے چلے جانے کے بعد باغیوں کا ایک گروہ دیوار پھاند کر اندر آیا اور آتے ہی امیر المومنین پر تلوار سے حملہ کر دیا۔ ان کی بیوی نائلہ نے فوراً آگے بڑھ کر تلوار کو ہاتھ سے روکا۔ جس سے ان کی انگلیاں کٹ کر دور جا پڑیں۔ پھر دوسرا وار کیا جس سے آپ شہید ہو گئے۔ آپ اس وقت روزہ سے تھے۔ اور قرآن کی تلاوت میں مشغول تھے۔

Marfat.com

آپ کے خون کے قطرے اس آیت پر گرے فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَ
هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔

عمرو بن حمق نے آپ کے جسم اطہر پر نو زخم نیزے سے لگائے۔ عمیر بن ضابی نے پاؤں سے ٹھوکریں ماریں جس سے آپ کی پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ وہ ٹھوکریں لگاتا تھا اور کہتا تھا کہ تم نے ہی میرے باپ کو قید کیا تھا حتی کہ وہ قید ہی میں مرگیا۔

صحابہ کرام مکان کے دروازہ پہ پہرہ دے رہے تھے۔ انہیں اس وقت پتہ چلا جبکہ آپ کی بیوی نے آوازیں دیں۔ پہرہ دار اندر آئے۔ حتی کہ بچانے کی کوشش میں حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ، حضرت حسنؓ بن علیؓ سخت زخمی ہو گئے۔ لیکن بلوائی اپنا کام کر چکے تھے۔ قاتل بھاگے۔ بعض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلاموں کے ہاتھوں مارے گئے۔ وہ غلام بھی دفاعی کوشش میں شہید ہو گئے۔ اب نہ کسی کے پہرہ دینے کی ضرورت تھی۔ نہ کسی کی حفاظت مقصود تھی۔ باغی مکان میں گھس آئے۔ سب گھر لوٹ لیا حتی کہ بدن کے کپڑے تک نوچ لیے۔ تین دن تک لاش بے گور و کفن پڑی رہی۔ تیسرے دن بعد نماز عشا جبیرؓ بن مطعم حکیمؓ بن حزام، ابو جہم بن حذیفہؓ، نیار بن مکرم اسلمی ان چاروں نے جنازہ اٹھایا۔ حضرت جبیرؓ بن مطعم نے نماز پڑھائی۔ باقی تین آدمی اور آپ کی دو بیویوں نے مقتدی بن کر نماز جنازہ ادا کی۔

حکیم بن حزام اور آپ کی دونوں بیویاں نائلہ بنت فرافصہ اور ام البنین

یہ تینوں کھڑے دیکھتے رہے کہ کہیں کوئی آ نہ جائے۔ باقی تین آدمیوں نے قبر میں اتار کر قبر برابر کر دی۔ تاکہ پہچانی نہ جائے۔ آپ جنت البقیع کے جنوب مشرقی کونے کی طرف قبرستان سے باہر دفنائے گئے[1] اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔

---

[1] اب دیوار کو توڑ کر یہ مقام جنت البقیع میں داخل کر لیا گیا ہے اور آج بھی جنت البقیع میں سب سے آخر میں مزار مبارک موجود ہے۔

Marfat.com

باب سوم

فضائل و خصائل

ذاتی حالات

خوبصورت اور کشادہ ہنس مکھ چہرہ والے تھے۔ نہ زیادہ لمبے اور نہ زیادہ چھوٹے، درمیانہ جسم کے تھے۔ جسم نرم تھا، داڑھی لمبی تھی اور حنا سے رنگی ہوئی تھی، چھاتی چوڑی تھی، رنگ گندمی تھا جس سے سرخی جھلکتی تھی۔ جسم پر بال تھے۔ سر کے بال گھنگھریالے تھے، دانت بہت خوبصورت تھے۔ سر کے درمیانی حصہ میں بال نہیں تھے۔ چہرے پر معمولی سے چیچک کے داغ بھی تھے۔ سر کے بال کانوں سے کچھ نیچے رکھتے تھے۔

انگوٹھی بائیں ہاتھ میں پہنتے تھے۔ اور باوجود بہت امیر ہونے کے بہت ہی سادہ لباس میں رہتے۔ ایسے کپڑوں سے ہمیشہ پرہیز کرتے تھے جس سے نفس میں غرور و تکبر پیدا ہو۔ تمام عمر پائجامہ نہیں پہنا۔ صرف شہادت کے وقت ستر کے خیال سے پہن لیا تھا۔ عموماً تہ بند باندھا کرتے تھے ایک تابعی روایت کرتے ہیں کہ جمعہ کے روز منبر پر ان کو دیکھا تو جو موٹا تہ بند وہ پہنتے تھے اس کی قیمت پانچ درہم سے زیادہ نہ تھی۔

زمانہ جاہلیت سے ہی تجارت پیشہ تھے۔ اتنا مالدار ہونے کے باوجود

نہایت منکسر المزاج تھے۔ ایک دفعہ رات کو تہجد کی نماز کے لیے اٹھے۔ اور آپ ہی پانی لے آئے۔ کسی نے کہا کہ غلام کس کام کے لیے ہیں، فرمایا نہیں ان کو بھی نیند درکار ہے اور آرام کی ضرورت ہے۔ ایک مرتبہ ایک غلام کو کہا کہ میں نے تجھ پر زیادتی کی تھی تو اس کا بدلہ لے لو۔ آپ کے کہنے پر غلام نے آپ کے کان پکڑے۔ فرمایا کہ زور سے پکڑو کیونکہ دنیا کا قصاص آخرت کے بدلے سے بہرحال آسان ہے۔

نہایت بردبار اور نرم طبیعت تھے۔ عورتوں سے بھی زیادہ باحیا تھے ساری زندگی کبھی غسل خانہ میں بھی ننگے نہ نہائے۔ جب غسل فرماتے تو شرم کے مارے کمر جھکی رہتی تھی۔ خود نہایت سادہ لباس پہنتے اور نہایت سادہ کھانا کھاتے۔ لیکن مہمانوں کی دعوت نہایت پر تکلف کرتے۔ عہد خلافت میں کبھی کسی پر اپنی برتری نہیں جتائی۔ فخر و تکبر نام کو بھی نہ تھا۔ سب کے ساتھ بیٹھتے اور سب کی عزت کرتے۔

اخلاق و عادات

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فطرۃً عفیف، پارسا دیانتدار اور راستباز تھے حیا اور رحم دلی ان کی خاص شان تھی۔ ایام جاہلیت میں جبکہ عرب کا ہر بچہ مست شراب تھا اس وقت بھی حضرت عثمان ذوالنورین کی زبان بادۂ گلگوں کے ذائقہ سے ناآشنا تھی۔ اور جب کذب و افترا، فسق و فجور عالمگیر تھا۔ آپ کا دامن ان دھبوں سے آلودہ نہیں ہوا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت نے ان اوصاف کو اور بھی چمکا دیا تھا۔

Marfat.com

دن کے وقت مہمات خلافت میں مصروف رہتے اور رات کا اکثر حصہ عبادت و ریاضت میں بسر فرماتے۔ ہر تیسرے دن عموماً روزہ رکھتے اور رات کو صرف اس قدر کھاتے کہ سد رمق کے لیے کافی ہو ایام خلافت میں کوئی سال حج سے خالی نہیں گذرا

حضرت عثمان اکثر خوف خدا سے آبدیدہ رہتے۔ موت قبر اور عاقبت کا خیال ہمیشہ دامنگیر رہتا۔ جنازہ دیکھتے تو کھڑے ہو جاتے۔ قبروں کو دیکھتے تو اس قدر روتے کہ ڈاڑھی تر ہو جاتی۔ لوگ کہتے حضرت دوزخ اور قیامت کے حالات سے آپ پر اس قدر رقت طاری نہیں ہوتی جتنی اہل قبور سے ہوتی ہے تو فرماتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قبر آخرت کی سب سے پہلی منزل ہے۔ اگر یہ معاملہ آسانی سے طے ہو گیا۔ تو پھر تمام منزلیں آسان ہیں (مسند احمد ص۱/۶۳)

محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ عالم تھا کہ اپنے محبوب آقا کی فقیرانہ اور زاہدانہ زندگی دیکھ کر بے قرار رہتے تھے اور جب موقعہ ملتا آپ کی خدمت میں تحائف پیش کر لیتے ایک مرتبہ چاروں تک آل رسول نے فقر و فاقہ سے بسر کیا۔ حضرت عثمان کو معلوم ہوا تو آنکھوں سے آنسو نکل آئے اسی وقت بہت سا سامان خورد و نوش اور تین سو درہم لاکر خدمت اقدس میں پیش کیے۔

ادب و احترام کا یہ حال تھا کہ جس ہاتھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی تھی پھر اس کو تا زندگی

نجاست یا محل نجاست سے مس نہ ہونے دیا۔ اہل بیت نبوی اور ازواج مطہرات کا خاص طور سے پاس ولحاظ تھا۔ چنانچہ اپنے عہد خلافت میں جب اصحاب وظائف کے رمضان کے روزینے مقرر کیے تو ازواج مطہرات کا روزینہ دوگنا تھا۔

ایثار و سخاوت

آپ نے مسلمانوں کے مال میں ہمیشہ ایثار سے کام لیا۔ چنانچہ اپنے زمانہ خلافت میں ذاتی مصارف کے لیے ایک حبہ تک نہیں لیا اور اس طرح گویا اپنا مقررہ وظیفہ (جو قریباً ساٹھ ہزار درہم بنتا ہے۔) عام مسلمانوں کے لیے چھوڑ دیا۔

سخاوت میں تو بہت ہی بلند مقام تھا۔ حتیٰ کہ باغیوں کے منجملہ اعتراضوں میں سے ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ عثمان اپنے قریبیوں کو بہت کچھ دیتے ہیں حالانکہ اپنے مال کا آدمی خود مالک ہوتا ہے جیسے چاہے دے۔ آپ عہد جاہلیت سے ہی سخی مشہور تھے اور اسلام میں تو بہت کارہائے نمایاں انجام دے۔ چنانچہ جنگ تبوک میں تو اکثر سرمایہ حضرت عثمان رض کا ہی لگتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہلبیت پر بارہا فاقہ کی مصیبت آتی تو اکثر موقعوں پر حضرت عثمان رض ہی واقف ہو کر ضروری سامان بھجواتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی مرتبہ ان کے لیے دعا فرمائی۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ قَدْ رَضِیْتُ مِنْ عُثْمَانَ فَارْضَ عَنْہُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ قَدْ رَضِیْتُ مِنْ عُثْمَانَ فَارْضَ

Marfat.com

عَنْہُ۔ اے اللہ میں عثمان سے خوش ہوں تو بھی اس سے خوش ہو جا۔ اے اللہ میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا۔ ایک مرتبہ آنحضرتؐ یہ دعا شام سے صبح تک مانگتے رہے۔

ایک دفعہ خلافت صدیقی میں سخت قحط پڑا۔ غلہ دستیاب نہ ہوتا تھا۔ حضرت عثمان رضؓ ایک ہزار اونٹ غلہ کے لدے ہوئے آگئے تاجروں نے ڈیڑھ گنا نفع دے کر مال اٹھا لینا چاہا۔ لیکن حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا کہ تم گواہ رہو کہ میں نے یہ سارا غلہ فقراء و مساکین مدینہ کو دے دیا ہے۔

حضرت عثمان رضؓ جب سے مسلمان ہوئے ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتے رہے اور اگر کبھی نہ ملا تو آئندہ جمعہ دو غلام آزاد کر دیتے اور آپ محاصرہ کے دنوں میں بھی اس پر عمل کرتے رہے۔

سخاوت اتنی مشہور تھی کہ لوگ سخاوت سے پہچان لیتے یہ عثمانؓ کا کارنامہ ہے۔ عبد اللہ بن سعید بن یربوع مخزومی کہتے ہیں کہ میں بچپنے میں خستہ حال دوپہر کو مسجد نبوی میں آیا کہ ایک بزرگ نہایت خوبصورت سرہانے اینٹ رکھ کر مسجد میں سویا ہوا تھا۔ میں اس کی خوبصورتی سے متعجب ہو کر اس کے پاس کھڑا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ اس بزرگ نے آنکھیں کھولیں مجھ سے پوچھا کہ کیوں کھڑے ہو کیا بات ہے؟ میں نے جو بات تھی کہہ دی۔ اس کے قریب ہی ایک غلام سو رہا تھا۔ اس نے اسے بلایا۔ اس نے جواب نہ دیا۔ تب اس نے مجھے کہا کہ اس غلام کو بلا لاؤ۔ میں اسے

بلالایا۔ اس بزرگ نے اسے کوئی بات کہی وہ غلام مجھے وہیں بٹھا کر گیا۔ ایک بہترین پوشاک اور ایک ہزار درہم لے آیا۔ اور مجھے کہا کہ پرانے کپڑے اتار کر نئی پوشاک پہن لے اور ہزار درہم اس نے مجھے دے دیے جب میں گھر اپنے باپ کے پاس گیا تو اس نے پوچھا کہ یہ کہاں سے لائے ہو۔ کس نے دیے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں تو اسے جانتا نہیں ہوں واقعہ اس طرح ہوا ہے۔ میرے باپ نے کہا کہ وہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں بھی ہر موقعہ پر آپ بے دریغ مال و زر خرچ کرتے رہے۔ چنانچہ مسجد نبوی کی توسیع کے لیے ساری زمین آپ نے خرید کر دی۔ وہ کنواں جو مدینہ میں یہودیوں کے قبضہ میں تھا اور مسلمانوں کو پانی نہیں لینے دیتے تھے۔ صرف اپنے سرمائے سے ہی خرید کر وقف کر دیا۔ جنگ تبوک میں اتنا مال خرچ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تیرے جنتی ہونے کے لیے یہ عمل ہی کافی ہے۔

فضائل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت احادیث مروی ہیں۔ جن میں حضرت عثمانؓ کے فضائل بیان ہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ آپؐ اور ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ احد پہاڑ پر چڑھے کہ پہاڑ کانپا تو آپ نے فرمایا۔ اُسْكُنْ يَا اُحُدُ۔ اے احد ٹھہر جا تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو

Marfat.com

شہیدوں کے سوا کوئی نہیں ہے (ترمذی)

ابوموسیٰ اشعری رضہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اور رسول اللہ ایک باغ میں بیٹھے تھے ۔ آپ نے فرمایا "ابوموسیٰ! تم دروازہ پر کھڑے ہو جاؤ۔ اور بغیر اجازت کسی کو اندر نہ آنے دو" اتنے میں ابوبکر تشریف لائے اور اجازت مانگی آپ نے فرمایا "ابوموسیٰ! انہیں آنے دو اور ان کو جنت کی خوشخبری دو"۔ پھر حضرت عمر تشریف لائے اور اجازت مانگی فرمایا انہیں بھی آنے دو اور ان کو جنت کی خوشخبری دو۔ پھر حضرت عثمان رضہ آئے فرمایا انہیں بھی آنے دو اور جنت کی خوشخبری دو۔ اگرچہ دنیا میں ایک مصیبت پہنچے (مختصر از بخاری مسلم)

ایک روایت میں ہے کہ آپ باغ میں کنویں کی منڈیر پر بیٹھے تھے۔ اور گھٹنے ننگے کیے ہوئے تھے کہ ابوبکر رضہ آئے ان کو جنت کی خوشخبری دی۔ پھر عمر رضہ آئے ان کو بھی جنت کی خوشخبری دی۔ لیکن دونوں کے آنے پر گھٹنے ننگے ہی رہنے دیے۔ پھر عثمان رضہ آئے۔ تو کپڑا نیچے کر لیا۔ اور فرمایا کہ اس سے تو آسمانوں کے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں اے کاش کہ قوم ان کا حیا نہ کرے گی اور قوم کے ہاتھوں انہیں مصیبت پہنچے گی اور جنت کی خوشخبری دی

ایک روایت میں ہے کہ آپ کنویں کی منڈیر پر بیٹھے تھے۔ پھر ابوبکر رضہ آئے تو وہ بھی خوشخبری لے کر کنویں کی منڈیر پر بیٹھ گئے پھر عمر رضہ آئے اور وہ بھی خوشخبری لے کر کنویں کی منڈیر پر بیٹھ گئے۔ پھر عثمان

Marfat.com

آئے تو ان کو خوشخبری جنت کی دی۔ لیکن کنوئیں کی منڈیر پر اب جگہ نہ تھی اس لیے وہ دوسری جگہ بیٹھ گئے۔ ابو موسیٰ رضؓ کہتے ہیں کہ میں نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ رسول اللہؐ، ابو بکر رضؓ، اور عمر رضؓ کی قبریں اکٹھی ہوں گی اور عثمانؓ کی الگ ہو گی۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت عائشہ رضؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری چادر اوڑھے ہوئے لیٹے ہوئے تھے کہ ابو بکر رضؓ تشریف لائے آپ نے اجازت دے دی اور اسی طرح لیٹے رہے حتیٰ کہ ابو بکر رضؓ بات کر کے چلے گئے۔ پھر عمر رضؓ تشریف لائے۔ تب بھی اسی طرح لیٹے رہے حتیٰ کہ عمر رضؓ بات کر کے چلے گئے۔ پھر عثمانؓ تشریف لائے تو آپ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے۔ اور کپڑے درست کر لیے جب وہ بھی چلے گئے تو میں نے پوچھا یا حضرت کیا بات تھی کہ عثمان ملنے آئے تو آپ درست ہو کر بیٹھ گئے اور ابو بکر رضؓ و عمر رضؓ آئے تو اسی طرح لیٹے رہے۔ آپ نے فرمایا کہ عثمان رضؓ بہت شرمیلا آدمی ہے اور مجھے ڈر تھا کہ اگر اسی طرح اس کو بھی اجازت دے دیتا تو شرم کے مارے اس کے منہ سے بات بھی نہ نکل سکتی۔ اور ویسے ہی چلے جاتے (مسلم)

ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا کہ عائشہ رضؓ! جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں میں کیوں نہ اس سے حیا کروں۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ تمام

Marfat.com

(امت سے زیادہ رحم دل ابوبکرؓ ہیں۔ اور اللہ کے دین پہ سختی سے عمل کرانے والے عمرؓ ہیں اور سب سے زیادہ باحیا عثمانؓ ہیں اور سب سے زیادہ حلال و حرام کو جاننے والے معاذؓ ہیں۔ اور سب سے زیادہ اللہ کی کتاب کو پڑھنے والے اُبیؓ ہیں اور سب سے زیادہ وراثت کے مسائل کو جاننے والے زیدؓ بن ثابت ہیں اور ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابوعبیدہ بن جراح ہیں۔)
(مسند احمد و ترمذی)

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کسی نے خواب میں دیکھا کہ ابوبکرؓ رسول اللہ کا دامن تھامے ہوئے ہیں اور عمرؓ ابوبکرؓ کا دامن تھامے ہوئے ہیں اور عثمانؓ عمرؓ کا دامن تھامے ہوئے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تعبیر خلافت سے کی کہ اس نسبت سے خلافت ہوگی (مسند احمد، حاکم)

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا آج رات میں نے ایک میزان دیکھا ہے اور اس کے ایک پلے میں میں بٹھایا گیا۔ اور دوسرے پلے میں ساری امت رکھی گئی تو میرا پلہ وزنی ہوا۔ پھر ابوبکرؓ وزن کیے گئے وہ میرے بعد ساری امت سے وزنی ہوئے۔ پھر حضرت عمرؓ وزن کیے گئے وہ ابوبکرؓ کے بعد ساری امت سے وزنی ہوئے پھر عثمانؓ وزن کیے گئے وہ عمرؓ کے بعد ساری امت سے وزنی ہوئے پھر ترازو اٹھا لیا گیا۔

Marfat.com

حضرت عائشہ بیان فرماتی ہیں کہ جب مدینہ کی مسجد تعمیر کی گئی تو پہلے آپؐ پتھر اٹھا کر لائے اور بنیاد میں رکھ دیا۔ پھر ابوبکرؓ لائے انھوں نے بھی رکھ دیا پھر عمرؓ لائے انہوں نے بھی رکھ دیا۔ پھر عثمانؓ لائے انہوں نے بھی بنیاد میں رکھ دیا جب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ اسی نسبت سے میرے بعد خلیفے ہوں گے (حاکم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن دس آدمیوں کے نام لے کر کہا تھا کہ یہ جنتی ہیں۔ ان میں حضرت عثمان کا نام بھی آپ نے فرمایا تھا (بخاری مسلم)

عبداللہؓ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ہم ابوبکرؓ کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے۔ ان کے بعد عمرؓ کو اور ان کے بعد عثمانؓ کو ان کے بعد صحابہ میں سے کسی کو کسی پر فضیلت نہ دیتے تھے (بخاری)

امام بخاری بیان فرماتے ہیں کہ ایک مصری حج کو آیا اور ایک جگہ کچھ آدمی بیٹھے دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ قریش ہیں۔ پھر مصری نے کہا کہ ان میں یہ شیخ (استاد یا عالم) کون ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ عبداللہؓ بن عمرؓ تب اس نے پوچھا کہ اے ابن عمرؓ کیا یہ ٹھیک ہے کہ عثمانؓ جنگ احد کے دن بھاگ گئے تھے۔ انہوں نے کہا ہاں۔ مصری نے کہا کیا یہ ٹھیک ہے کہ جنگ بدر میں بھی حاضر نہیں ہوئے تھے انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ مصری نے کہا کیا یہ

ٹھیک ہے کہ بیعت الرضوان میں بھی حاضر نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ مصری نے کہا اللہ اکبر۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ ادھر آئیں تجھے اس کی وجہ بھی بتا دوں جو جنگ احد[1] سے بھاگے اس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرما دیا ہے کہ انہیں معاف کر دیا گیا ہے اور جنگ بدر[2] میں جو شامل نہ ہوئے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مدینہ میں رہنے کا حکم دیا تھا۔ کیونکہ عثمان کی بیوی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی تھی وہ بیمار تھیں۔ اسی وجہ سے انہیں کہا تھا کہ تمہیں جنگ میں جانے والوں کے برابر اجر بھی ملے گا اور غنیمت سے حصہ بھی ملے گا۔ اور جو بیعت الرضوان میں شامل نہ ہوئے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر حضرت عثمان رضؓ سے زیادہ کوئی مکہ والوں کی نگاہ میں باوقار ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] جنگ احد میں مسلمانوں کو پہلے فتح ملی پھر چند صحابہ کی غلطی سے فتح شکست کی صورت میں تبدیل ہو گئی پھر اس کے بعد فتح نصیب ہوئی جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تھی تو قریباً تمام صحابہ ہی پسپا ہو کر پیچھے ہٹ گئے تھے اسی کو اس مصری نے جنگ سے فرار کہا تھا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمادیا ہے ولقد عفا اللہ عنہم ۱۲

[2] خدا کی قدرت کہ جب کسی کے متعلق غلط فہمی پیدا ہو جائے تو اس کی اچھائیاں بھی برائیاں ہی معلوم ہوتی ہیں چنانچہ جنگ بدر اور بیعۃ الرضوان سے غائب ہونے کی وجہیں ان کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں لیکن سبائیوں نے بہ دیا گنڈا کرنے میں بھی حد کر دی۔ اور اچھائیوں کو اس صورت میں پیش کیا کہ لوگ متنفر ہوں ۱۲

Marfat.com

اسے بھیجتے۔ اور ان کے جانے کی وجہ سے ہی بیعت ہوئی۔ جب عثمان رضؓ مکہ میں تھے اس وقت رسول اللہ نے بیعت لی اور اپنے دائیں ہاتھ کو کہا کہ یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے اور ان کی طرف سے خود بیعت کی

حضرت عائشہ بیان فرماتی ہیں کہ کسی نے ان سے پوچھا لوگ عثمانؓ کے بارے میں برا بھلا کہتے ہیں یہ کیسے ہیں؟ مائی صاحبہ نے فرمایا خدا اس پر لعنت کرے جو عثمان کو گالی دیتا ہے۔ اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف کمر کئے بیٹھے ہوئے ہوتے اور جبرئیل قرآن لے کر آیا اور آپ فرماتے اے عثمانؓ! لکھو۔ مائی صاحبہ فرماتی ہیں اللہ کی قسم کاتب وحی ہونے کا مرتبہ اللہ تعالیٰ اسے ہی دیتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک عزت والا ہوتا ہے۔

عبداللہؓ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آنے والے فتنوں کا تذکرہ فرما رہے تھے پس فرمایا کہ یہ جو کپڑا اوڑھے جا رہا ہے یہ اس دن مظلوم شہید کیا جائے گا یہ اس دن ہدایت و حق پر ہوگا۔ صحابی کہتے ہیں کہ میں نے جا کر دیکھا تو وہ حضرت عثمانؓ تھے (ترمذی۔ احمد)

ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول عنقد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ میرے بعد تم فتنوں اور اختلافات میں مبتلا کیے جاؤ گے۔ صحابہ نے پوچھا کہ یا حضرت پھر ہم کیا کریں۔ فرمایا کہ اس امین اور اس کے ساتھیوں کا ساتھ دینا اور عثمان رضؓ کی طرف اشارہ کیا (مسند احمد)

Marfat.com

عبداللہ بن حوالہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارا کیا حال ہوگا جب فتنہ زمین کے کونوں سے پھوٹ پڑے گا۔ اس نے کہا کہ پھر مجھے اللہ اور اس کے رسول کی پسند کے مطابق کیا کرنا چاہئے آپ نے فرمایا کہ اس کی پیروی کرنا اور اس کے پیچھے لگنے والے حق پر ہوں گے۔ پس میں نے اس کے پیچھے جا کر اس کے کندھے سے پکڑ کر پوچھا "یہ اے اللہ کے نبی"؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ اور وہ عثمان بن عفان تھے۔ (حاکم)

ایک روایت میں ہے جو تین فتنوں سے نجات پا گیا اس کی نجات ہو جائے گی۔ میری موت (یعنی فتنہ ارتداد) اور دجّال کے نکلنے کا فتنہ اور اس خلیفہ کا قتل جو پیکر صبر و ثبات اور حق کو قائم کرنے والا ہوگا۔ (حاکم)

کعب بن عجرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے ایک بہت بڑے فتنہ کا تذکرہ فرمایا۔ پھر ایک آدمی کپڑا اوڑھے ہوئے گذرا۔ آپ نے فرمایا یہ اس دن حق پر ہوگا۔ جب میں نے جلدی سے دوڑ کر دیکھا تو وہ عثمانؓ تھے۔ چنانچہ وہ کعبؓ ہی بیان کرتے ہیں جب گھر کا محاصرہ ہو چکا تھا تو حضرت عثمانؓ نے مکان کی چھت پر سے خطبہ دیا۔ فرمایا اللہ کی قسم! میں نے کبھی گایا نہیں ہے اور نہ ہی کبھی سننے کی خواہش کی ہے اور نہ میں نے کبھی زنا کیا ہے نہ عہد جاہلیت میں نہ اسلام میں۔ اور جب سے میں نے رسول اللہ کے ہاتھ میںؐ ہاتھ دیا ہے یعنی بیعت کی ہے۔ پھر

ؐ اللہ اللہ کتنا احترام تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا!!

Marfat.com

وہ ہاتھ کبھی اپنی شرمگاہ کو نہیں لگایا۔ اور جب سے مسلمان ہوا ہوں ہر جمعہ غلام آزاد کرتا رہا ہوں اور روزانہ غسل کرتا رہا ہوں (مسند احمد)

جب مکان کا محاصرہ ہو چکا تو مغیرہؓ بن شعبہ آئے اور کہا تم امام وقت ہو اور اس وقت آپ کو مصیبت درپیش ہے۔ بہتر ہے کہ تین باتوں میں سے کوئی اختیار فرمالیں۔ یا تو باہر نکل کر باغیوں سے لڑائی کریں۔ تمہارے پاس بہت لوگ ہیں اور قوت موجود ہے اور ہو بھی تم حق پر اور وہ باطل پر ہیں۔ یا کسی دوسرے راستہ سے نکل کر مکہ پہنچ جائیں وہاں تم پر زیادتی نہیں کر سکیں گے یا شام میں چلے جائیں وہاں امیر معاویہؓ اور آپ کے حامی بہت ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ لڑائی تو میں کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ امت میں میرے ہاتھ سے خونریزی شروع ہو۔ اور مکہ اس لیے نہیں جانا چاہتا کہ آپؐ نے فرمایا کہ ایک قریشی آدمی مکہ میں خانہ جنگی کا باعث بنے گا۔ اس پر دنیا کا نصف عذاب ہوگا۔ اس لیے میں وہ نہیں بننا چاہتا۔ اور شام کو اس لیے نہیں جانا چاہتا کہ میں رسول اللہؐ کے دار الہجرت اور آپ کی ہمسائیگی کو نہیں چھوڑنا چاہتا۔[1]

زید بن اسلم اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ محاصرہ کے دن حضرت عثمان رضؓ نے کھڑکی سے جھانکا اور کہا کہ یہاں طلحہ رضؓ موجود ہیں انہوں نے کہا ہاں فرمایا طلحہ رضؓ! تجھے اللہ کی قسم ہے بتا جب تم فلاں وقت پر تم

---

[1] سبحان اللہ کتنی شیفتگی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے شہر مدینہ سے ۱۲

Marfat.com

اور میں دونوں فلاں جگہ پر آپؐ کے پاس تھے کہ آپ نے فرمایا تھا ہر نبی کا جنت میں ایک رفیق ہوتا ہے اور میرا رفیق جنت عثمان بن عفان ہے۔ طلحہؓ نے کہا کہ تم ٹھیک کہتے ہو (مسند احمد)

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ کے پاس ایک میت کا جنازہ پڑھنے کو لایا گیا۔ تو آپؐ نے انکار کر دیا۔ کسی نے پوچھا کہ آپؐ نے تو اس سے پہلے کبھی کسی جنازہ سے انکار نہیں کیا اور آج کیا وجہ ہے آپؐ نے فرمایا کہ یہ عثمانؓ سے بغض رکھتا تھا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہے (ترمذی)

ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی بیوی رقیہؓ بنت رسول اللہ فوت ہو گئیں اور عثمانؓ مسجد کے دروازہ میں کھڑے تھے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا عثمانؓ یا جبرئیل مجھے کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالے نے ام کلثومؓ (بنت رسول اللہ) کو تیرے نکاح میں اتنے ہی مہر میں دے دیا ہے۔

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ نے کسی کے لیے بھی اتنے بلند ہاتھ اٹھا کر دعا نہیں کی کہ دونوں پہلو ننگے ہو جائیں۔ سوائے حضرت عثمانؓ کے۔

ابو سعیدؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شروع رات سے فجر تک عثمان کے لیے یہ دعا کرتے رہے اللھم عثمان رضیت عنہ فارض عنہ اے اللہ میں عثمان سے خوش ہوں تو بھی

Marfat.com

راضی ہو۔ ایک روایت میں ہے آپؐ نے فرمایا۔ عثمانؓ! اللہ تعالیٰ نے تیرے پہلے پچھلے چھوٹے، بڑے قیامت تک کے تمام گناہ معاف کر دیے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ الفاظ آپ نے غزوہ تبوک کے موقع پر فرمائے تھے۔ جب کہ انہوں نے دس ہزار دینار سے معاونت کی تھی۔

حضرت لیثؓ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے عثمانؓ نے شہد اور ستو ملا کر رسول اللہؐ کو ہدیہ دیئے جب کہ آپ ام سلمہ کے گھر میں تھے۔ آپ نے پوچھا کس نے بھیجے ہیں۔ کہا عثمانؓ نے تو آپ نے دعا کی اے اللہ عثمانؓ تیری رضا کا طلب گار ہے تو اس سے راضی ہو۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے عثمانؓ کو گلے لگایا اور فرمایا کہ تو میرا دنیا میں بھی دوست ہے اور آخرت میں بھی دوست ہے۔[1]

مختصر طور پر مناقب و فضائل بیان کر دیے ہیں۔ بڑی کتابوں میں بسط سے بیان ہیں

خطابت

حضرت عثمانؓ عرب کے مقولہ کے مطابق خَیْرُ الْکَلَامِ مَا قَلَّ وَدَلَّ بہترین خطیب تھے۔ آپ کے خطبوں میں ہمیشہ اس بات کی تلقین ہوتی کہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ یہ دنیا فانی ہے۔ آخرت کا ذخیرہ بناؤ۔[2] یہ

[1] ان تمام حوالہ جات کے لیے البدایہ والنہایہ ابن کثیر صفحہ ۲۱۴ تا ۲۱۶ ملاحظہ ہو۔

کتنا بلند مقام ہے کہ ایک امیر ترین آدمی ہو کر بھی خدا خوفی کو پس انداز نہیں کیا۔ جان دینا منظور کر لی۔ لیکن تقوی و پرہیز گاری پر آنچ نہ آنے دی۔ چنانچہ بہترین خطیب ہونے کی مثال میں آپ کا پہلا خطبہ جو تخت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد پڑھا پیش کیا جا سکتا ہے جو کہ اسی کتاب کے سابقہ صفحات میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

آپ کا آخری خطبہ جو مسجد کے پورے مجمع میں آپ نے بیان فرمایا یہ ہے۔ "اللہ تعالیٰ نے تمہیں دنیا اس لیے دی ہے کہ تم اس سے آخرت کی بھلائیاں حاصل کر سکو۔ تم کو صرف بطور شغل کے دنیا نہیں دی گئی۔ یقیناً دنیا فنا ہو جانے والی ہے۔ اور آخرت ہمیشہ رہنے والی ہے تمہیں یہ دنیا غرور اور تکبر میں نہ ڈال دے اور آخرت سے غافل نہ کر دے۔ فناہ ہونے والی پر ہمیشہ رہنے والی کو ترجیح دو۔ کیونکہ ایک دن یہ دنیا ختم ہو جائے گی اور تم اللہ کے حضور پیش ہو جاؤ گے۔ اللہ سے ڈرتے رہو کیونکہ تقوی ڈھال ہے اللہ کے عذاب سے اور اللہ کو ملنے کا ذریعہ ہے۔ دوسروں کے حقوق میں اللہ سے ڈرتے رہو اور جماعت کو لازم پکڑو اور ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جاؤ"۔ پھر یہ دو آیتیں پڑھیں وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا الآیتین

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔ اللہ سے ڈر جاؤ۔ اللہ سے تقوی بہت

Marfat.com

بڑی غنیمت ہے۔ دانا وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے اور موت کے بعد کے لیے اعمال کا ذخیرہ کر لے۔ اور اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نورِ ہدایت سے اپنی قبر کو روشن کر لے۔ آدمی کو ڈرنا چاہیئے کہ قیامت کو اندھا نہ اٹھایا جائے۔ حالانکہ دنیا میں آنکھوں والا ہو۔ عقلمند دانائی کی باتیں لے لیتا ہے اور بہرہ دور سے آوازیں ہی دیتا رہتا ہے (یعنی کرتا کچھ نہیں) جان لو جس کا اللہ ہے اسے کوئی ڈر نہیں۔ اور جس پر اللہ تعالیٰ ہی ناراض ہو۔ پھر اسے پر امید نہیں ہونا چاہیئے۔

حضرت مجاہد نے ایک خطبہ بیان کیا ہے۔ فرمایا اے ابن آدم جو موت کا فرشتہ تجھ پر مقرر ہوا ہے وہ ہمیشہ تجھے مہلت دیتا رہا۔ اور تیرے سوا دوسروں کو پکڑتا رہا۔ گویا دوسرے لوگ اسے تیری طرف تجھے پکڑنے کے لیے بھیج رہے ہیں۔ پس اپنا بچاؤ کر لے اور اس کے لیے تیار ہو جا اور غفلت نہ کر کیونکہ وہ تجھ سے غفلت نہیں برتے گا۔ اے ابن آدم جان رکھ اگر تو اپنے نفس سے غافل رہے گا تو اس کے مقابلہ کی تیاری نہیں کر سکے گا۔ اور نہ ہی کوئی تجھے اس سے بچا سکے گا۔ اور اللہ کے سامنے تونے ضرور پیش ہونا ہے۔ اپنے نفس سے بچاؤ کی تدبیر کر اور دوسروں کی طرف مت دیکھ کہ وہ تجھے نفس کے شر سے بچا لیں گے والسلام

فتوحات پر اجمالی نظر

اس میں شک نہیں ہے کہ فاروق اعظم رضؓ نے اپنے حسن تدبیر اور غیر معمولی سیاسی قوت عمل سے روم و ایران کے دفتر الٹ دیے۔ لیکن

کیا یہ ممکن ہے کہ فاتح قوم کا ایک ہی سیلاب مفتوح اقوام کے احساس خودی کو فنا کر دے؟ اور کیا کوئی تاریخ ایسی مثال پیش کر سکتی ہے کہ ایک ہی شکست نے کسی قوم کی حریت و آزادی کے جذبہ کو معدوم کر دیا ہو۔ سکندر نے تمام دنیا کو مسخر کر لیا لیکن اس کے جانشینوں نے کتنے دنوں تک حکومت قائم رکھی؟ چنگیز و تیمور نے بھی عالم کو تہ و بالا کر دیا۔ لیکن ان کی فتوحات کیوں نقش بر آب ثابت ہوئیں؟ درحقیقت یہ ایک تاریخی نکتہ ہے کہ جب اولوالعزم فاتح کا جانشین ویسا ہی اولوالعزم اور عالی حوصلہ نہ ہو تو اس کی فتوحات اس تماشہ گاہ عالم میں صرف ایک وقتی نمائش ہوتی ہیں۔ اس بنا پر جانشین فاروق کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ممالک مفتوحہ میں حکومت و سلطنت کی بنیاد مستحکم کی اور مفتوح اقوام کے جذبہ خودسری کو رفتہ رفتہ اپنے حسن تدبیر اور حسن عمل سے اس طرح ختم کر دیا کہ مسلمانوں کی باہمی کشمکش کے موقعوں پر بھی انہیں سرتابی کی ہمت نہ ہوئی۔ چنانچہ مصر، آرمینیا، آذربائیجان اور خراسان وغیرہ میں جو بغاوتیں ہوئیں درحقیقت یہ اسی جذبہ کا نتیجہ تھیں جو مفتوح ہونے کے بعد بھی اقوام کے جذبہ آزادی کو برانگیختہ کرتا رہتا ہے۔ لیکن حضرت عثمان رض نے ان تمام بغاوتوں کو نہایت ہوشیاری کے ساتھ فرو کیا اور آہستہ آہستہ تشدد و تلطف کی مجموعی حکمت عملی سے مفتوحہ ممالک کی عام رعایا کو اطاعت اور انقیاد پر مجبور کر دیا۔

پھر صرف بغاوتیں ہی فرو نہیں کیں بلکہ ساتھ ساتھ ممالک محروسہ

Marfat.com

کا دائرہ بھی نہایت وسیع کیا، افریقہ، طرابلس اور مراکش فتح کر کے ہسپانیہ کے کنارے تک جا پہنچے۔ ایران سے آگے بڑھ کر افغانستان، خراسان کو فتح کر کے ہند کی سرحدوں تک پہنچ گئے۔ چینی ترکستان، روسی ترکستان آرمینیا اور آذربائیجان مفتوح ہو گئے۔ اسلامی حکومت سرحد کوہ قاف تک پھیل گئی۔ اسی طرح ایشیائے کوچک اور اس سے ملحقہ جزائر کو فتح کرنے کے لیے بحری بیڑا تیار کروایا اور ان کو فتح کر کے اسلامی قلمرو میں داخل کیا اس طرح اسلامی حکومت کا رقبہ قریباً دوگنا ہو گیا تھا جو کہ حضرت عثمانؓ کی قابلیت اور سیاست کی بہترین دلیل ہے۔

انتظامات حکومت

سابقہ خلفاء کی طرح ملکی انتظامات سارے اپنے ہاتھ میں رکھے کسی فوج نے کوچ بھی کرنا ہوتا تو پہلے خلیفہ سے اجازت منگواتے تب چلتے باوجود اس کے کہ تمام صوبوں میں گورنر رہتے۔ وہ گورنر بھی خلیفہ سے پوچھے بغیر کچھ نہ کرتے۔ اور دن رات میں کوئی وقت بھی ایسا نہ ہوتا جب آپ رعیت سے غافل رہے ہوں۔ عوام کو دن رات میں ہر وقت اجازت تھی۔ جب چاہیں شکایت و استغاثہ کریں اور خود بھی وقتاً فوقتاً عوام سے پوچھتے رہتے۔ چنانچہ موسیٰ بن طلحہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ ابھی منبر پر ہی تھے۔ اور لوگوں سے باتیں اور سفر کے حالات پوچھ رہے تھے اور موذن نے اقامت بھی کہہ دی تھی۔ یعنے ہر وقت حکومت کے تمام علاقوں سے واقف

Marfat.com

رہتے تھے[1]

مدینہ میں بھی اگرچہ قاضی مقرر کر رکھا تھا۔ جیسا کہ دوسرے شہروں میں قاضی مقرر کر رکھے تھے۔ لیکن اس کے باوجود خود بھی ایسا اوقات فیصلے فرما دیتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ خود آپ نے کسی سے زمین خریدی زمین کا سودا ختم ہو گئے کے بعد زمین کا مالک رقم لینے نہ آیا جب کئی دنوں بعد آیا۔ تو پوچھا کہ رقم لینے کیوں نہ آیا۔ اس نے کہا کہ آپ نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے مجھے جو بھی ملا ہے اس نے ہی ملامت کی ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تجھے زمین فروخت کرنے سے روکتے ہیں؟ کہا ہاں۔ فرمایا میں تجھے اختیار دیتا ہوں خواہ زمین لے لے یا رقم لے لے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو جنت میں داخل کرے گا جو خرید و فروخت میں آسانی کرتا ہے خواہ بائع ہو یا مشتری۔

---

[1] طبقات ابن سعد ص۵۶ نوٹ اس سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے۔ کہ اگر حکومت کی اتنی خبر رکھتے تو واقعہ شہادت کے منصوبہ کا پتہ کیوں نہ لگا۔ دراصل بات یہ نہ تھی۔ کہ خلیفہ کو حالات کا علم نہ تھا۔ حالات کا علم تھا۔ صرف خلیفہ کی نرم دلی آڑے آئی۔ اور گورنر اپنے آپ کچھ کرنے کے مجاز نہ تھے۔ حضرت عثمان کا خیال تھا کہ کہیں مجھ سے ظلم نہ ہو جائے بخصوصاً جبکہ وہ لوگ مسلمان بھی کہلاتے تھے۔ حالانکہ آپ کے مشیر بھی سختی کرنے کا مشورہ دیتے تھے اور صوبوں کے گورنر بھی سختی کرنے کے لیے پوچھتے۔ لیکن آپ نے کبھی اجازت نہ دی ۱۲

Marfat.com

حضرت عثمان رضؓ کے زمانہ میں جنگی سپہ سالار الگ ہوتے اور بیت المال کے امین الگ ہوتے تھے یعنی جنگی اور مالیاتی محکمے الگ الگ کام کرتے تھے۔ اگرچہ لبسا اوقات ایک ہی آدمی کے سپرد بھی کر دیے جاتے تھے۔

حضرت عثمان رضؓ نے تبلیغ کے لیے ایک خاص محکمہ قائم کیا ہوا تھا جو ناظم بیت المال کے متعلق ہی تھا۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر ص ۱۴۹/۷ میں نقل کرتے ہیں۔

وَالْاُمَنَاءُ عَلٰی بُیُوْتِ الْمَالِ یَاْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَاھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیَحُثُّھُمْ عَلٰی طَاعَةِ اللّٰہِ وَطَاعَةِ رَسُوْلِہٖ وَیُحَرِّضُھُمْ عَلَی الْاِتِّبَاعِ وَتَرْکِ الْاِبْتِدَاعِ۔	کہ بیت المال کے امینوں کے سپرد ہی یہ کام تھا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کریں۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی طرف بلائیں اتباع سنت کی ترغیب دیں اور بدعات سے روکیں۔

تمام علاقوں میں مسجدوں کے امام بھی حکومت ہی مقرر کرتی ایک تو وہ تبلیغی ادارہ کے معاون ہوتے۔ دوسرا لوگوں کو جہاد پر ابھارتے یعنی حضرت عثمان کے زمانہ میں مندرجہ ذیل محکمے مستقل قائم ہو چکے تھے فوج۔ عدلیہ یعنی محکمہ قضا۔ انتظامیہ جس کے ہاتھ مالیاتی نظام بھی ہوتا اصلاحیہ جو تبلیغی خدمات بھی سرانجام دیتا۔

حکومت میں اچھا کام کرنے والوں کو انعامات بھی دیے جاتے تھے

Marfat.com

اور سب سے پہلے انعام دینے کا دستور حضرت عثمان رضہ ہی نے رائج کیا۔ تاکہ اچھا کام کرنے والوں کا حوصلہ بڑھے۔ چنانچہ جب عامل کوفہ ابن عامر نے قطن کو علاقہ کرمان پر گورنر مقرر کیا تو ایک دفعہ قطن چار ہزار کا لشکر لے کر کہیں حملہ آور ہوئے۔ راستہ میں ایک دشوار گذار گھاٹی حائل تھی۔ قطن نے ہر اس شخص کے لیے ایک ہزار درہم انعام مقرر کیا جو اس گھاٹی سے پار ہو۔ چنانچہ اس حکمت عملی سے سارا لشکر با وجود مشکلات کے پار ہو گیا۔ قطن ہر اس شخص کو انعام دیتے جاتے جو پار ہو جاتا۔ ابن عامر[1] نے یہ اخراجات خزانہ سے دینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ جب حضرت عثمان کے پاس فیصلہ کے لیے یہ معاملہ پیش ہوا تو آپ نے وہ رقم خزانہ سے ادا کر دی اور فرمایا کہ اس نے اللہ کی راہ میں مسلمانوں کی مدد کی ہے۔ چنانچہ اس وقت سے انعامات دینے رائج ہوئے۔

ایک مرتبہ حضرت طلحہ رضہ نے پیغام بھیجا کہ پچاس ہزار کی رقم جو میرے پاس خزانہ میں جمع ہے مرکز میں منگوا لو تو فرمایا کہ ہم تجھے تمہاری حسن کارکردگی کے صلہ میں انعام دیتے ہیں۔ یہ انعامات ان وظائف کے علاوہ تھے جو حضرت عمر رضہ کے زمانہ سے مستقل شروع ہو چکے تھے۔ اگرچہ حضرت

---

[1] اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مالیاتی محکمہ جنگی محکمے سے فوقیت رکھتا تھا۔ اگرچہ جنگ کرنے یا نہ کرنے کے متعلق بھی انہیں کوئی سروکار نہ ہوتا۔ کیونکہ جنگ کے احکام براہ راست خلیفہ وقت سے شائع ہوتے تھے ۱۲

Marfat.com

عثمان رضؓ نے بعض کے وظائف میں ترقی بھی کی (البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۱۸)

ازواج واولاد

سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی رقیہؓ سے نکاح ہوا۔ ان سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ رکھا۔ اور اسی وجہ سے ابو عبداللہ کہلاتے۔ لیکن وہ چھوٹی عمر میں ہی فوت ہو گئے۔ واقعہ اس طرح ہوا کہ مرغ نے آنکھ چونچ سے زخمی کر دی جس وجہ سے وہ بیمار ہو کر فوت ہو گئے۔ جب رقیہؓ فوت ہو گئیں۔ تو ام کلثومؓ بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کیا۔ ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔

ام کلثومؓ کی وفات کے بعد فاختہؓ بنت غزوان سے نکاح کیا ان سے عبدؓ اللہ الاصغر پیدا ہوئے اور فاختہ بنت غزوان حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کے وقت زندہ تھیں۔

اس کے بعد امؓ عمرو بنت جندب ازدی سے نکاح کیا۔ ان سے عمروؓ، خالدؓ، ابانؓ و عمرؓ چار لڑکے اور ایک لڑکی مریم پیدا ہوئی۔ یہ بیوی آپ کی زندگی میں ہی وفات پا گئی۔

اس کے بعد فاطمہؓ بنت ولید بن عبد الشمس سے نکاح کیا اس سے ولیدؓ اور سعیدؓ پیدا ہوئے۔ یہ بھی آپ کی زندگی میں وفات پاگئیں۔

اس کے بعد امؓ البنین بنت عیینہ بن حصن فزاری سے نکاح

Marfat.com

کیا اس سے عبدالملک پیدا ہوئے۔ بعض نے لکھا ہے کہ ان سے ایک لڑکا عتبہ بھی تھا۔ یہ شہادت کے وقت زندہ تھیں۔

اس کے بعد رملہؓ بنت شیبہ بن ربیعہ بن عبد شمس قریشی سے نکاح کیا۔ ان سے تین لڑکیاں عائشہؓ، ام ابانؓ، ام عمروؓ پیدا ہوئیں۔ یہ بھی شہادت کے وقت زندہ تھیں۔

اس کے بعد نائلہؓ بنت الفرافصہ بن احوص سے نکاح کیا ان سے ایک لڑکی مریم پیدا ہوئی۔ بعض نے لکھا ہے کہ ایک لڑکا عنبسہؓ بھی تھا۔ یہ بھی شہادت کے وقت زندہ تھیں۔

عبداللہ بن رقیہؓ بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شمار کر کے گیارہ لڑکے اور چھ لڑکیاں ہوتی ہیں۔

خصائص

بعض مناقب ایسے ہوتے ہیں جو صرف اسی کی ذات کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عثمان رضؓ کے مخصوص مناقبات میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر سب سے پہلے مسلمان ہونے والے حضرت عثمان رضؓ ہی ہیں۔ ویسے تو مردوں میں سے آپ چوتھے نمبر پر مسلمان ہوئے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں سے سب سے

پہلے انہی نے ہجرت کی۔

حضرت عثمان رضؓ وہ شخص ہیں جنھوں نے اللہ کی راہ میں دو مرتبہ ہجرت کی اگرچہ اس میں چند اور صحابہ بھی شامل ہیں۔ لیکن پھر بھی ایک بلند پایہ خصوصیت ہے۔

حضرت عثمان کے سوا کوئی شخص ایسا نہیں گذرا جس کے نکاح میں کسی نبی کی دو بیٹیاں آئی ہوں۔ اسی لیے آپ کا ذوالنورین لقب ہوا۔

حضرت عثمان رضؓ چوری، زنا، گانا، شراب جیسی بدعادات سے اسلام تو کجا عہد جاہلیت میں بھی کبھی ملوث نہ ہوئے اگرچہ اس صفت سے بے شمار صحابہ متصف تھے۔ لیکن پھر بھی ایسا پاک طینت ہونے کی مثالیں دنیا میں شاذو نادر ملتی ہیں۔

حضرت عثمان رضؓ نے جب سے بیعت کی جو ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں دیا پھر اسے شرمگاہ سے مس نہیں کیا (سبحان اللہ احترام رسول میں کتنا بلند مقام ہے)

سخاوت اتنی فرماتے کہ حاتم کے واقعات کو مات کر دیا خصوصا قرابت داروں کو اسلام کے احکام کے مطابق زیادہ ملحوظ خاطر رکھتے حالانکہ اگر کوئی دنیادار آدمی ہو تو وہ اسے کم ہی برداشت کرتا ہے۔

حضرت عثمان رضؓ وہ شخصیت ہیں جو جنگ بدر میں حاضر نہ ہوسکنے کے باوجود بدریوں میں شمار ہوتے ہیں اور جنگ بدر کے ثواب سے بھی

Marfat.com

باریابی ہوئی اور غنیمت سے بھی حصہ ملا۔

حضرت عثمان رضؓ ان لوگوں میں بھی شمار ہوتے ہیں جن کے حق میں کلام اللہ کی کئی آیات نازل ہوئیں۔

حضرت عثمان ہی وہ شخص ہیں جن کی وجہ سے بیعت رضوان ہوئی اور ان کے سمیت چودہ سو صحابہ کو جنت کی بشارت ملی۔

حضرت عثمان رضؓ ہی کا وہ مقام ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف سے خود بیعت کی۔ اپنے ہاتھ کو عثمان کا ہاتھ فرمایا۔ الفاظ ہیں ھٰذَا یَدُ عُثْمَانَ۔

حضرت عثمان رضؓ صحابہ کی جماعت سے بالاجماع بلا اختلاف خلیفہ منتخب ہوئے۔

حضرت عثمان رضؓ ہی نے اچھے کارکنوں کو انعام دینے کا طریقہ رائج کیا۔

حضرت عثمان رضؓ کے ہاتھ سے اس پیشگوئی کی تصدیق ہوئی اِذَا هَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهٗ وَاِذَا هَلَكَ كِسْرٰى فَلَا كِسْرٰى بَعْدَهٗ کہ جب قیصر و کسریٰ برباد ہوں گے تو پھر کبھی بھی بر سر اقتدار نہ آسکیں گے

اپنے پڑھنے کے لیے سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے قرآن لکھا۔

حضرت عثمان رضؓ نے لوگوں کو ایک قراءت پر جمع کر کے امت کو ہمیشہ کے لیے اختلافات سے محفوظ کر دیا۔

اور سب سے بڑا خاصہ ان کا صبر و ثبات ہے۔ کیونکہ دنیا میں شہید فی سبیل اللہ بھی بہت گذرے ہیں۔ اور خصوصاً اسلام کا چمنستان تو خون شہداء سے لالہ زار ہے۔ ایسے ہی مظلوم شہادتوں کے واقعات بھی بہت ہیں جو کسی مجبور ہونے کے باوجود بڑے بڑے لشکروں سے بھڑ گئے ہے

مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

لیکن ایسی شہادت جو طاقت ہونے کے باوجود صرف یہ کہہ کر کہ "میں اپنی جان کے لیے خونریزی کروانے کو تیار نہیں"۔ دنیائے عالم میں ایک اور صرف ایک ہی واقعہ ہے۔

اگرچہ آدم کے دو بیٹوں ہابیل و قابیل کے واقعہ سے اس کی مماثلت ہے جبکہ ایک نے محض حسد کی وجہ سے کہا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔ دوسرے نے کہا کہ اگر تو مجھ پر دست درازی کرے گا تو میں تجھ پر دست درازی کرنے کو تیار نہیں۔ تاکہ میرے گناہ بھی تو اپنے گناہوں کے ساتھ اٹھا کر قیامت کو اس کی سزا جہنم کی آگ کی صورت میں بھگتے۔ (قرآن) اگرچہ شہادت ہابیل بھی بہت بڑی شہادت ہے۔ لیکن عثمان رضی اللہ عنہ کا مقام اس سے بہت بلند ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے۔ کہ شہادت ہابیل میں مقابلہ کی کوئی صورت نہ ہو۔ لیکن یہاں تو پوری حکومت موجود تھی۔ سات سو جاں نثار دروازہ پر آکر منت و سماجت کرتے اور بار بار لڑائی کی اجازت مانگتے۔ لیکن حضرت عثمان رضہ وہی

Marfat.com

الفاظ کہتے مَا اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْکَ الآیہ کہ میں دست درازی کرنے کو تیار نہیں"۔ میرا خیرخواہ وہ ہے جو میرے لیے تلوار نہ اٹھائے"۔میں اپنی جان کے لیے خونریزی نہیں کروانا چاہتا"۔ تمام احباب اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ"۔ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عہد کیا ہوا ہے کہ میں صبر سے برداشت کروں گا"۔ یہ وہ الفاظ تھے جن کی تلقین آپ آخر وقت تک اپنے رفقاء کو کرتے رہے ایک اور صرف یہ ایک ہی واقعہ ہے جس کی نہ مثال ہے نہ نظیر۔ اگر آپ کو ان حالات کے مدنظر "سید الشہداء" کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ آہ بیاسی برس کے سفید ریش بوڑھے خلیفہ کو ظالموں نے صرف اس پاداش میں شہید کردیا کہ انہوں نے نرمی کا سلوک کیا۔ نہ کسی کے خون سے خود ہاتھ رنگے نہ اوروں کو رنگنے دیے رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔

شہادت عثمانؓ پر صحابہؓ کا تاثر

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فتنوں کی ابتدا حضرت عثمان رضؓ کے قتل سے شروع ہوئی اور انتہا فتنہ دجال پر ہوگی۔ اللہ کی قسم کوئی شخص بھی ایسا نہیں مرتا جو حضرت عثمان رضؓ کے قتل کی طرف

سلہ البدایہ والنہایہ ابن کثیر صفحہ ۱۹۲

Marfat.com

مائل ہو مگر وہ دجال کا تابعدار ہے۔ اگرچہ اس کو زندگی میں پائے یا نہ پائے
حضرت[1] حذیفہ فرماتے ہیں کہ قتل عثمان سے اسلام میں اتنی دراڑ ہو گئی ہے اور اپنے ہاتھ سے حلقہ بنا کر دکھاتے کہ اگر اس دراڑ کو پہاڑ سے بھی بند کریں تو نہ ہو سکے گی۔

حضرت[2] حذیفہ رضہ اس وقت بستر مرگ پر تھے۔ غشی پر غشی آ رہی تھی کچھ ہوش آیا تو لوگوں نے پوچھا طبیعت کا کیا حال ہے؟ فرمایا اچھا ہے پھر آپ نے پوچھا کہ شہر کے حالات کیسے ہیں جواب ملا کہ حضرت عثمان رضہ کو شہید کر دیا گیا ہے آپ نے انا للہ پڑھا۔ اور فرمایا اے اللہ اگر قتل عثمان کوئی اچھا کام ہے تو بھی میرا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے اور اگر برا کام ہے تو میں اس سے بری الذمہ ہوں۔ پھر فرمایا کہ اللہ کی قسم اگر قتل عثمان اچھا کام ہو گا تو امت دودھ میں کھیلے گی یعنی بہت خوش حال ہو جائے گی اور اگر قتل عثمان برا کام ہوا ہے تو امت میں بہت خونریزی ہو گی۔ واقعی شہادت عثمان رضہ سے ایسی خونریزی شروع ہوئی کہ ایک لاکھ سے زیادہ انسان اس کی نذر ہو گئے۔

حضرت[3] عمر رضہ کے بہنوئی سعید بن زید بن عمرو بن نفیل نے کہا۔ لوگو! اگر احد پہاڑ تمہاری اس بداعمالی کی وجہ سے تم پر پھٹ پڑے تو بجا ہے۔

---

[1] طبقات ابن سعد ص۔ [2] البدایہ والنہایہ ص ۱۹۲۔ طبقات ابن سعد ص۔ صحیح بخاری بحوالہ ابن کثیر [3] بخاری باب اسلام سعید ۱۲

حضرت[1] ثمامہ بن عدی خلافت عثمانی میں صنعاء پر گورنر مقرر تھے جب انھیں شہادت عثمان رضؓ کی خبر پہنچی تو بہت روئے اور فرمایا کہ امت محمدیہ سے جب خلافت نبوت نکل گئی اور جابرہ حکومت بن گئی۔ تو جس کسی کو جو بھی ملے گا ہڑپ کر جائے گا۔

حضرت[2] ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ اگر شہادت عثمان رضؓ اچھا فعل ہوتا تو امت دودھ میں کھیلتی لیکن وہ تو گمراہی کا کام تھا اس لیے امت میں خونریزی ہی خونریزی پھیلی۔

حضرت[3] ابوحمید رضؓ ساعدی فرماتے ہیں اللہ کی قسم ہم حضرت عثمان رضؓ کے قاتلوں کے حامی بھی نہ تھے اور ہمارا گمان بھی نہ تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا۔ اے اللہ میں تیرے ساتھ عہد کرتا ہوں کہ اب مرتے دم تک یہ یہ کام بھی نہ کروں گا۔ اور ہنسوں گا بھی نہیں (اور مرتے دم تک پھر ہنسے نہیں)

حضرت[4] ابوہریرہ رضؓ کے سامنے جب بھی یہ واقعہ بیان کیا جاتا تو اتنا روتے کہ ہچکی بندھ جاتی

حسان[5] رضؓ بن ثابت فرماتے ہیں ؎

وَكَانَ اَصْحَابُ النَّبِيِّ عَشِيَّةً — بُكَاءً تَنْحَرُ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ

اَبْكِيْ اَبَا عَمْرٍو لِحُسْنِ بَلَائِهٖ — اَمْسٰى رَهِيْنًا فِيْ بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ

---

[1] طبقات ابن سعد صفحہ ۵۸ [2] ابن کثیر صفحہ ۱۹۳ [3] البدایہ والنہایہ صفحہ ۱۹۲ [4] طبقات ابن سعد صفحہ ۸۱ [5] طبقات صفحہ ۸۱ ج ۳

Marfat.com

اے ابو عمرو! آج جتنا رونا ہے رولے اس سے اچھا رونے کا کوئی موقع نہیں ہوگا۔ کیونکہ آج اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اونٹوں کی طرح مسجد نبوی کے دروازہ کے پاس ذبح کیا گیا۔ اب وہ بقیع[1] غرقد میں آرام فرما ہیں۔

عبد اللہ[2] رضہ بن سلام نے شہادت عثمان رضہ کے وقت فرمایا کہ اب عرب ہلاک ہو گئے (یعنی عربوں کا وقار گیا اور عجمیوں کے ہتے چڑھ گئے)

حضرت[3] عبد اللہ بن سلام نے سنا کہ بلوائیوں میں سے دو آدمی باتیں کر رہے تھے کہ دو بکریوں نے بھی سینگ نہ ہلائے (یعنی محاورۃً کہا کہ کسی نے بدلہ لینے کی کوشش نہ کی) حضرت عبد اللہ بن سلام نے فرمایا کہ خلیفہ کے قتل پر بکریاں سینگ نہیں مارتیں بلکہ آدمی نیزوں سے مارتے ہیں۔ خدا کی قسم تمہیں وہ لوگ قتل کریں گے جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے۔ بلکہ باپوں کی پشتوں میں ہیں (واقعی پھر ان میں سے ایک آدمی بھی قتل ہونے سے نہ بچ سکا۔

حضرت[4] طاؤس رح کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن سلام فرمایا کرتے تھے کہ حضرت عثمان رض کو قیامت کے دن قتل اور ذلیل کرنے والوں پر حاکم مقرر کیا جائے گا جو چاہیں گے فیصلہ دیں گے۔

---

[1] بقیع غرقد مدینہ کے قبرستان کا نام ہے (مولف) [2] طبقات صفحہ ۸۲ [3] ابن کثیر صفحہ ۱۹۴

[4] البدایہ والنہایہ صفحہ ۱۹۴ و طبقات ابن سعد صفحہ ۸۱

Marfat.com

حضرت[1] ابوبکرہ فرماتے تھے کہ قتل عثمان رض میں شریک ہونے سے مجھے یہ بات بہت زیادہ محبوب ہے کہ میں آسمان سے زمین پر گرایا جاؤں (یعنی بڑی سے بڑی تکلیف برداشت کرنے کو تیار ہوں لیکن قاتلوں کے ساتھ متفق ہونے کو تیار نہیں ہوں)

حضرت[2] زید بن صوحان فرماتے ہیں کہ جو نفرت شہادت عثمان رض سے لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو چکی ہے۔ خدا کی قسم قیامت تک اب وہ دل مل نہیں سکتے۔

حضرت[3] عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ کوئی بھی نبی اس سے پہلے قتل نہیں کیا گیا مگر اس کے عوضانہ میں ستر ہزار آدمی مارے گئے اور کوئی بھی خلیفہ قتل نہیں کیا گیا مگر اس کے عوضانہ میں پینتیس ہزار آدمی مارے گئے۔

حضرت[4] عبداللہ بن عباس رض فرماتے ہیں کہ اگر تمام لوگ قتل عثمان رض پر اجماع کر لیتے تو آسمان سے ان پر پتھر برسائے جاتے جس طرح حضرت لوط ؑ کی قوم پر پتھر برسائے گئے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ اگر حضرت عثمان رض کے خون کا قصاص طلب نہ کرتے تو ان پر آسمان سے پتھر برسائے جاتے۔

حضرت[5] عبداللہ بن عباس کو جب حضرت عثمان رض نے زبردستی سے

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۷/۱۹۴ [2] ابن کثیر ص ۷/۱۹۵ [3] طبقات ص ۳/۵۳ [4] طبقات ابن سعد ص ۳/۸۳ [5] ابن کثیر ص ۷/۱۸۷

امیر الحج مقرر کر کے بھیجا تو انہوں نے کہا کہ مجھے آپ کے دروازہ پر کھڑا ہو کر آپ کا دفاع کرنا بہت محبوب ہے اس چیز سے کہ میں حج پر جاؤں

حضرت[1] ابو مسلم نے جب بلوائیوں کے گروہوں کو دیکھا تو پوچھا تم قوم ثمود کے کھنڈرات سے نہیں گذرے تھے (کیونکہ وہ کھنڈرات مصر سے مدینہ جاتے ہوئے راستہ میں آتے ہیں) انہوں نے کہا کہ دیکھا تھا۔ فرمایا کہ تم بھی ان جیسے ہی ہو۔ کیونکہ ناقۃ اللہ (اللہ کی اونٹنی) سے خلیفۃ اللہ (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) زیادہ عزت والے ہیں اللہ کے نزدیک۔

حضرت[2] امام باقر رح فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رض ناحق قتل ہوئے تھے۔

حضرت[3] امام حسن رض بن علی رض نے ایک دفعہ کوفہ میں خطبہ دیا۔ فرمایا لوگو! میں نے آج رات عجیب خواب دیکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو عرش معلی پر دیکھا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور عرش کے پایہ کے پاس کھڑے ہو گئے۔ پھر حضرت ابوبکر رض آئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شانہ پر ہاتھ رکھا۔ پھر حضرت عمر رض آئے تو انہوں نے حضرت ابوبکر رض کے شانہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ پھر حضرت عثمان رض آئے تو ان کے ہاتھ میں اپنا ہی سر مبارک تھا۔ پھر حضرت عثمان رض نے کہا اے میرے اللہ ان اپنے بندوں سے

---

[1] البدایہ والنہایہ ص۱۹۵ [2] البدایہ والنہایہ ص۱۹۶ [3] البدایہ والنہایہ ص۱۹۵

پوچھ کہ انہوں نے مجھے کس جرم کی سزا میں قتل کیا؟ پھر آسمان سے زمین کی طرف دو پرنالے خون کے بہ پڑے۔ حضرت علیؓ سے کہا گیا۔ دیکھو حسن رضؓ کیا بیان کرتا ہے۔ انہوں نے فرمایا جو انہوں نے دیکھا ہے وہی بیان کر رہے ہیں (جھوٹ نہیں بول سکتے۔ بلکہ ٹھیک ہی بیان کر رہے ہیں)

حضرت مائی عائشہ صدیقہؓ بیان فرماتی ہیں کہ تم نے حضرت عثمانؓ کو بالکل سفید کپڑے کی طرح (بالکل بے قصور) بے داغ پایا۔ پھر بھی تم نے انہیں قتل کر دیا۔ اور بکرے کی طرح انہیں ذبح کر دیا۔ مسروق (جو اس روایت کا راوی ہے) کہنے لگا اماں جی! آپ نے ہی تو ان لوگوں کو اس کام کے لیے لکھ کر بلایا۔ آپ نے فرمایا مجھے اس اللہ کی قسم ہے جس پہ ایمان لانے سے لوگ ایماندار ہوتے ہیں اور جس کا انکار کرنے سے لوگ کافر ہو جاتے ہیں کہ میں نے آج تک کبھی انہیں ایک حرف بھی نہیں لکھا۔ اعمش کہتے ہیں کہ بلوائی لوگ مائی صاحبہ کے نام پہ لوگوں کی طرف چٹھیاں لکھا کرتے تھے۔

طلق بن حسانؓ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے قاتلوں کے متعلق پوچھا گیا۔ تو آپ نے فرمایا ان ظالموں نے ایک بے گناہ مظلوم کو شہید کیا۔ خدا ان قاتلوں پہ لعنت و پھٹکار کرے۔

۱؎ تاریخ ابن کثیر ص۱۹۵ ج۷ وطبقات ابن سعد ص۵۳ ج۳ ۲؎ البدایہ والنہایہ ص۱۹۵ ج۷

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تو بہت روایات مروی ہیں۔ کیونکہ بعض کا خیال تھا کہ قتل عثمان رضؓ میں حضرت علی رضؓ کا ہاتھ ہے۔ اس لیے حضرت علی رضؓ اپنی زندگی میں کئی بار اپنی بریت کرتے رہے۔ چنانچہ ابو جعفرؒ انصاری بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضؓ شہید ہو گئے۔ تو میں حضرت علی رضؓ کے پاس آیا۔ آپ اس وقت سیاہ پگڑی باندھے ہوئے تھے میں نے کہا کہ بلوائیوں نے حضرت عثمان رضؓ کو شہید کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ قیامت تک ان قاتلوں پر بربادی وہلاکت اور لعنت برستی رہے۔[1]

ابن ابی لیلے کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسجد کے دروازے پر اعلان کیا کہ میں خون عثمان رضی اللہ عنہ سے اپنی بریت کا اظہار کرتا ہوں۔[2]

حضرت حسنؒ کہتے ہیں کہ شہادت کے وقت حضرت علی رضؓ مدینہ میں نہیں تھے۔ بلکہ نواحی علاقہ "احجار زیت" میں چلے گئے تھے۔ کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب محصور ہوئے تھے۔ تو انہوںؓ نے حضرت علی رضؓ کو بلانے کے لیے ایک آدمی بھیجا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جانے کے لیے کھڑے ہوئے کہ بلوائیوں نے روک دیا۔ اور کہا کہ تم ان لشکروں کو نہیں جانتے۔ ہم تمہیں آگے نہیں جانے دیں گے۔ حضرت علی رضؓ کے سر پر اس وقت سیاہ پگڑی تھی۔ چنانچہ آپ نے اپنی پگڑی اتار

---

[1] البدایہ والنہایہ ص۱۹۳ [2] طبقات ابن سعد ص۶۸

کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاصد کی طرف پھینک دی۔ اور فرمایا کہ امیر المومنین خلیفہ کو سارا ماجرا کہہ دو یعنی جو عذر ہے۔ وہ پیش کر دو۔ کہ میں کس طرح مجبور کر دیا گیا ہوں۔ پھر اسی حالت میں مدینہ چھوڑ کر احجار زیت یعنی باہر کی آبادی میں چلے گئے۔ چنانچہ جب آپ کو خلیفہ کی شہادت کی خبر پہنچی۔ تو آپ نے فرمایا اے اللہ حضرت عثمان رض کے خون سے میں تیرے سامنے اپنی بریت پیش کرتا ہوں کہ میں نے قتل کیا ہو یا کوئی اشارہ بھی کیا ہو۔ اے اللہ میں اس واقعہ سے نہ خوش ہوں اور نہ اس طرف میرا رجحان ہی ہے۔

ابو العالیہ[1] کہتے ہیں کہ پھر حضرت علی رض حضرت عثمان رض کی لاش پر آئے اور اتنا روئے کہ ہمیں خطرہ پیدا ہوا کہیں یہ بھی ان کے ساتھ ملک عدم کو ہی نہ چلے جائیں۔

ابن عباس[2] رض کہتے ہیں کہ حضرت علی رض نے فرمایا نہ میں نے قتل کیا ہے نہ میں نے کوئی حکم کیا ہے۔ بلکہ وہ مجھ پر بھی غالب آگئے تھے۔

حضرت[3] ابن عباس رض سے تو یہاں تک مروی ہے کہ حضرت علی رض نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو خانہ کعبہ میں مقام ابراہیم کے پاس مجھ سے قسم لے سکتے ہو کہ نہ میں نے حضرت عثمان رض کو قتل کیا ہے اور نہ ہی قتل کا حکم دیا ہے۔

---

[1] تاریخ ابن کثیر صفحہ ۱۹۳ [2] ابن کثیر صفحہ ۱۹۳ و طبقات ابن سعد صفحہ ۸۲ ج ۳ [3] البدایہ والنہایہ صفحہ ۱۹۳

Marfat.com

دمشق کی جامع مسجد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون آلود کرتہ اور ان کی بیوی نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں پہنچ گئی تھیں۔ جو برسرِ عام پڑی رہتی تھیں جسے دیکھ دیکھ کر لوگ سال بھر روتے رہے حتیٰ کہ اکثر لوگوں نے اپنی بیویوں کے پاس جانا چھوڑ دیا۔[1]

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۲۲۷

Marfat.com

باب چہارم

تنقیحات

وجوہات شہادت

جو اعتراضات سبائی باغیوں نے کیے تھے وہ بھی شہادت خلیفہ کے وجوہات گنے جا سکتے ہیں۔ لیکن دراصل ان میں سے ایک بھی وجہ درست نہیں ہے۔ پہلے ان اعتراضات کی حقیقت بیان کر کے بعد میں اصل وجہ شہادت لکھی جائے گی۔

نااہل حکمران

سب سے پہلا اعتراض جو سبائیوں کی طرف سے ہوا تھا۔ یہ تھا کہ حضرت عثمان رضہ نے ناجائز طور پر امویوں کو عہدے دے کر عوام پر نا اہل حکمرانوں کو مسلط کر رکھا ہے۔ جو ظلم و تشدد سے لوگوں پر حکومت کرتے ہیں اور یہی ان میں سے سب سے بڑا اعتراض تھا۔

اس کا سب سے پہلا جواب یہ ہے کہ اموی ہونا اسلام کے نظریہ کے مطابق کوئی نااہلیت نہیں ہے۔ اگر اموی ہونا کوئی اتنا بڑا جرم ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امویوں پر یہ عنایات نہ فرماتے چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اموی ہی تھے اور آپ نے ان کو

Marfat.com

یکے بعد دیگرے دو بیٹیاں نکاح میں دیں۔ ابوسفیان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو عزت افزائی فتح مکہ کے دن دی وہی کم نہ تھی کہ بعد میں انہیں آپ نے نجران[۱] کا حاکم مقرر فرمادیا اور ان کے بیٹے یزید[رض] بن ابوسفیان کو تیماء کا حاکم مقرر کیا۔

حضرت[۲] عثمان نے ایک دفعہ صحابہ کو بلا کر پوچھا جن میں عمار[رض] بن یاسر بھی تھے۔ فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کو تمام لوگوں پر ترجیح نہ دیتے تھے۔؟ اور قریش میں سے بنی ہاشم کو زیادہ ترجیح دیتے تھے اس کے بعد جو ہم فرمایا کہ اگر میرے ہاتھ میں جنت کی کنجیاں ہوں تو وہ میں بنی امیہ کو دے دوں حتی کہ تمام جنت میں داخل ہو جائیں۔

اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابان[۳][رض] بن سعید بن عاص اموی کو ۹ھ میں عامل بحرین مقرر فرمادیا۔ خالد[۴][رض] بن سعید بن عاص اموی کو صنعاء یمن پر حاکم مقرر کیا۔ عتاب[۵][رض] بن اسید بن ابوالعیص اموی کو مکہ پر امیر مقرر فرمایا اور یہ سب سے پہلے نائب تھے جو مقرر کیے گئے۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امویوں میں اہلیت دیکھ کر انہیں حکمرانی پر مامور فرمایا۔ لیکن ہاشمی ایک بھی مقرر نہ فرمایا۔

پھر خلافت صدیقی میں عتاب[رض] بن اسید امیر مکہ اموی وفات صدیق

---

[۱] منہاج السنۃ ص۱۴۲ [۲] مسند احمد بحوالہ ابن کثیر البدایہ والنہایہ ص۱۷۱ [۳] البدایہ والنہایہ ص۳۴۲ [۴] البدایہ والنہایہ ص۳۴۲ [۵] البدایہ والنہایہ ص۳۴۲۔

Marfat.com

تک اسی عہدہ پر برقرار رہے۔

اور خلافت فاروقی میں بھی عتابؓ بن اسید تا وفات امارت مکہ پر برقرار رہے۔ شام پر یزیدؓ بن ابی سفیان امیر مقرر تھے۔ ان کی وفات پر امیر معاویہؓ بن ابی سفیان کو امارت شام دے دی۔

بہر حال اموی ہونا کوئی جرم نہیں۔ اسلام کا نظریہ تو یہ ہے کہ لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ۔ بلکہ فرمایا اگر تم پر حبشی غلام بھی امیر مقرر کر دیا جائے تو اس کی فرمانبرداری کرو۔ اور حکمرانی کی لیاقت امویوں میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بھی اور خلفائے راشدین نے بھی ان کو حسب لیاقت عہدے دیے۔

امیر معاویہؓ

حضرت امیر معاویہؓ اموی امراء میں سے خاص خدا داد لیاقت کے مالک تھے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ترقی ہی کرتے رہے ہیں اور خصوصاً فتنہ کے زمانہ میں صرف شام ہی ایک ایسا ملک تھا جو حضرت امیر معاویہؓ کی زیر نگرانی ہونے کی وجہ سے بالکل محفوظ رہا۔ ایک اتنا لائق حاکم ہو اور اس کی قدردانی نہ کی جائے یہ بھی انصاف سے بعید ہے خصوصاً جبکہ ان کی لیاقت پر خلفائے متقدمین کی بھی مہر ثبت ہو۔

سعدؓ بن ابی وقاص

حضرت عثمان نے خلافت کے پہلے ہی سال امارت کوفہ سے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو مقرر فرمادیا تھا۔ چنانچہ اسی وقت ان کی تبدیلی پر اعتراض ہوا تھا۔ تو حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا تھا کہ میں مغیرہؓ کو نااہل سمجھ کر معزول نہیں کر رہا ہوں۔ بلکہ حضرت عمرؓ کی وصیت کی وجہ سے یہ تبدیلی کی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر نے بھی حضرت عمرؓ کا قولؓ نقل کیا ہے۔ اور پھر جب تک بھی حضرت سعدؓ امارت کوفہ پر رہے۔ کام کو نہایت حسن و خوبی سے سرانجام دیتے رہے۔ البتہ آخر زمانہ میں جب کوفی سبائیوں نے حضرت سعدؓ کی جگہ ابوموسیٰؓ اشعری کو امارت کوفہ پر مامور کرنے کو کہا۔ تو حضرت عثمانؓ نے کوفیوں کے کہنے پر ان کا یہ مطالبہ بھی منظور کر لیا حالانکہ بحیثیت کارکردگی کے حضرت سعدؓ بہتر تھے۔ عشرہ مبشرہ میں سے ہونے کے علاوہ حضرت عمرؓ کی نظر انتخاب میں بھی وہ اتقی لائق تر تھے اسی وجہ سے ان کو فوت ہوتے وقت بذریعہ وصیت مقرر کر گئے تھے البتہ سبائیوں کے لیے حضرت سعدؓ کی بہ نسبت حضرت ابوموسیٰؓ بہتر تھے کیونکہ نرم مزاج ہونے کے وجہ سے سبائیوں پر گرفت نہیں کرتے تھے جس کی وجہ سے انہیں اپنی من مانی کاروائیاں اور سازشیں کرنے میں سہولت رہتی تھی۔ دوسرا حضرت سعد اموی تھے بھی نہیں۔ اور دراصل

لہ البدایہ والنہایہ ص۱۴۲

سبائیوں نے بنو امیہ کا نام لے کر مخالفت اس لیے شروع کی تھی کہ اس جاہلیت کے نعرہ سے قبائلی منافرت پھیلا کر خانہ جنگی کا بیج بویا جا سکے حالانکہ اسلام نے ان قبائلی امتیازات کو یکسر ختم کر دیا تھا۔

عبداللہ بن عامر

عبداللہ بن عامر اگرچہ اموی تھے۔ لیکن جو کام انہوں نے اپنی امارت میں کیے شاید ہی کوئی اور اسے سرانجام دے سکتا۔ اور اپنی اس لیاقت کی وجہ سے وہ اپنے عہدہ پہ فائز المرام رہے۔ سابقہ واقعات فتوحات اس کی شہادت کے لیے کافی ہیں۔ کہ کس طرح انہوں نے کابل، ہرات سجستان اور نیشاپور کو اسلام کے زیر نگیں کیا تھا۔ البتہ کمسن ضرور تھے۔ لیکن کم سنی کوئی عیب نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے حضرت اسامہ کو امیر لشکر بنا دیا تھا۔ حالانکہ وہ کمسن تھے کیونکہ امیر لشکر ہونے کے لیے لیاقت اور بہادری کی ضرورت ہے۔ عمر کا زیادہ ہونا مقصود نہیں ہوتا۔

عبداللہ بن ابی سرح

عبداللہ بن ابی سرح بھی اموی تھے اور ان کو حضرت عمرو بن عاص کی جگہ امارت مصر پہ مقرر کیا گیا تھا۔ اگرچہ حضرت عمرو بن عاص بھی اموی تھے۔ لیکن ایک اعتراض کرنے کے لیے بات تو نکل سکتی ہے۔ دراصل حضرت عمرو بن عاص کی معزولی بھی سبائیوں کے مطالبہ کے وجہ سے ہوئی

۱۔ البدایہ والنہایہ ص ۱۷

Marfat.com

تھی۔ کیونکہ عمروؓ بن عاص سخت گیر ہونے کی وجہ سے سبائیوں کو پنپنے کا موقع نہیں دیتے تھے۔ بار بار شکایتیں کرتے کہ نرم مزاج حاکم مقرر کیا جائے۔ جس کی وجہ سے یہ تبدیل ہوئے۔ جب یہ تبدیلی ہی سبائیوں کے کہنے پر ہوئی ہو تو پھر انہیں شکایت کا کوئی حق نہ تھا۔ لیکن انہوں نے منجملہ اور اعتراضوں کے یہ اعتراض بھی کر دیا۔ نیز ان کے دور حکومت میں اعتراض کی کوئی وجہ بھی نہ تھی۔ کیونکہ انہوں نے اپنی لیاقت اور بہادری سے طرابلس اور قبرص وغیرہ کو فتح کیا تھا۔ اس کو ناتجربہ کاری نہیں کہتے حضرت عبداللہ کی نیکی کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تمام خانہ جنگیوں سے کنارہ کش رہے اور گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔

سعیدؓ بن عاص اور ولید بن عقبہ پر بھی اعتراض تھے حالانکہ ولید بن عقبہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جزیرہ کے عاملؑ رہ چکے تھے اور سعید بن عاص نے طبرستان اور آرمینیا کو فتح کیا تھا۔ اور اگر فتوحات کا نام نااہلی ہے تو پھر اہلیت کا خدا ہی حافظ ہے۔ عمال عثمانی کی اہلیت کا اس سے زیادہ کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ جانب مغرب اسلامی سرحدوں کو اندلس سے جا ملایا اور مشرق کی طرف کابل و بلخ کو اسلام کا زیر نگیں کیا۔ رومی قلمرو کو ختم کر دیا۔ اور رومیوں کے ساتھ خشکی اور تری کی لڑائیوں میں گھس گئے۔ عراق

۱؎ طبری ص۲۸۱۳ ۲؎ ابن اثیر ص۴۲ (نوٹ) ولید کے متعلق جب شکایت پہنچی تھی تو اس کو معزول کر دیا تھا۔ اگرچہ شکایت واقعتاً غلط تھی ۱۲ مؤلف)

وعجم اور خراسان جو عہد خلیفہ ثانی میں بھی فسادات کا گہوارہ رہ چکا تھا ایسا جھاڑ اچھٹکا کہ سر نہ اٹھا سکے اور بغاوت کا خیال بھی دل سے نکال دیا۔

اموی امراء کا نعرہ دراصل سبائی سازشیوں کا ایک شر انگیز نعرہ تھا۔ ورنہ جب حضرت عثمان رضؓ کو شہید کیا گیا تو اس وقت تمام صوبوں میں صرف تین ہی حاکم اموی تھے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل میں امراء سلطنت کا نقشہ پیش کیا جا رہا ہے۔

نام صوبہ	نام حاکم صوبہ
کوفہ	ابوموسیٰ اشعریؓ
"	محکمہ جنگ پر قعقاع بن عمرو
بصرہ	عبداللہ بن عامر (اموی)
مصر	عبداللہ بن سعد بن ابی السرح (اموی)
شام	امیر معاویہؓ (اموی)
حمص	عبدالرحمن بن خالد بن ولید
قنسرین	حبیب بن سلمہ
اردن	ابوالاعور
فلسطین	حکیم بن علقمہ
آذربائیجان	اشعث بن قیس
قرقیسیا	جریر بن عبداللہ بجلی

Marfat.com

نام صوبہ	نام حاکم صوبہ
حلوان	عتیبہ بن نہاس
قیساریہ	مالک بن حبیب
ہمدان	حبیش
مدینہ	زید بن ثابت (عہدہ قضا پر)

اگر تمام ولایات میں سے صرف تین پر ہی اموی حاکم مقرر ہوں اور وہ بہترین کارکن اور لائق ترین اشخاص ہوں اور پھر شریعت میں کوئی کسی شخصی حکمرانی پر کوئی نص بھی نہ ہو تو ان حالات میں ان کے خلاف کیسے کاروائی کی جاسکتی ہے۔

عزل ونصب

یہ بھی دراصل ایک بہت بڑا اعتراض تھا کہ بڑے بڑے صحابہ کو معزول کیا گیا ہے۔

کسی حاکم کو معزول کرنا یا کسی کو حاکم مقرر کرنا خلفاء راشدین کے زمانہ میں بھی کبھی بغیر مصلحت کے نہیں ہوا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ عموماً بڑے بڑے صحابہ کو اپنے پاس رکھتے اور تمام اہم کاموں میں ان سے مشورہ طلب کیا کرتے۔ اگر کسی بڑے صحابی کو کسی مہم پر بھیجتے تو اس مہم کے سر ہو جانے پر فوراً اس کو واپس بلا لیتے تاکہ ان کے مشوروں سے استفادہ کرتے رہیں۔ بالکل اسی اصول کے مطابق حضرت عثمانؓ بھی اولوالعزم اصحاب کو بیرونی مہمات پر سخت مشکل کے وقت ہی

Marfat.com

بھیجا کرتے۔ اور ان مہمات کے سر ہو جانے پر واپس بلا لیتے۔ چنانچہ حضرت عمروؓ بن عاص کو حضرت عثمان نے تین مرتبہ مصر پر فوج کشی کے لیے بھیجا اور جب مصر کی مہم ختم ہو جاتی تو فوراً ان کو واپس بلا کر اپنی مجلس شوریٰ کے ارکان میں داخل فرما لیتے۔ اور ان کی جگہ عبداللہ بن سعدؓ کو حاکم مصر مقرر کر دیتے۔

نیز اگر معزول کرنا کوئی عیب ہے تو اس سے تو کوئی خلیفہ بھی بری الذمہ نہیں ہے۔ مثلاً حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جن کا تدبر اور عدل وانصاف تمام دنیائے اسلام کے لیے قیامت تک مایہ ناز رہے گا۔ انہوں نے خالد سیف اللہ، مغیرہؓ بن شعبہ، اور سعدؓ بن ابی وقاص، فاتح ایران کو معزول کر دیا۔ اور حضرت علی مرتضیٰ بھی اس اعتراض کے مورد ہوتے ہیں۔ جنہوں نے عنان حکومت ہاتھ میں لینے کے ساتھ ہی تمام عمال عثمانی کو بیک قلم موقوف کر دیا۔ پھر وہ ایسے تھے کہ جنہوں نے طرابلس۔ آرمینیا اور قبرص کو زیر نگیں کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک ہی قسم کے واقعات کسی خاص وقتی سبب کی بنا پر ایک شخص کے لیے موجب مدح اور دوسرے کے لیے موجب ذم بنا دیئے جاتے ہیں اور اس پر ایسی ملمع سازی کی جاتی ہے کہ کسی کو تحقیق وتنقید کا خیال تک نہیں آتا۔

عمروؓ بن عاص کی منجملہ وجوہات سے ایک یہ بھی وجہ تھی کہ مصر میں نئی نہریں جاری ہو جانے کے باوجود مالیات میں اضافہ نہ کر سکے[1] جیسے

---

[1] یعقوبی صفحہ ۸۹۔

عبداللہ بن ابی سرح نے زیادہ کیا۔ دوسری دفعہ معزول کرنے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اسکندریہ کی بغاوت فرو کرنے میں ذمیوں کے ساتھ ناانصافی سلوک کیا تھا۔ اور آخر میں تو مصریوں کے مطالبہ پر عبداللہ ان پر مقرر کیے گئے۔

اسی طرح سعدؓ بن ابی وقاص والی کوفہ کو معزول کیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے بیت المال سے ایک بیش قرار رقم قرض لی تھی پھر اس کے ادا کرنے میں تساہل کرتے رہے حتی کہ عبداللہ بن مسعود مہتمم بیت المال سے سخت کلامی تک نوبت پہنچی۔

حضرت ابو موسیٰؓ والی بصرہ رعایا کو خوش نہ رکھ سکتے تھے اور تمام اہل بصرہ ان کے مخالف ہو گئے جس وجہ سے انہیں معزول کیا گیا۔ در اصل بسا اوقات رعایا کے مطالبہ پر بھی بعض عزل ظہور پذیر ہوتے ہیں جس طرح ابو موسیٰ کا عزل بصرہ بھی اور ان کی کوفہ میں تقرری بھی رعایا کے مطالبہ پر ہوئی۔

مغیرہؓ بن شعبہ پر رشوت ستانی کا الزام قائم کیا گیا تھا۔ اگرچہ یہ سراسر بہتان تھا۔ لیکن حضرت عثمان رضؓ نے ان کو اس لیے معزول کر دیا کہ حضرت عمر رضؓ نے ان کی جگہ سعد بن ابی وقاص کی تقرری کی وصیت کی تھی۔

عمارؓ بن یاسر کی معزولی کا الزام بھی حضرت عثمان رضؓ کو دیا جاتا ہے حالانکہ انہیں حضرت عمر فاروق رضؓ نے معزول کیا تھا نہ کہ حضرت

Marfat.com

عثمانؓ نے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو حضرت عثمانؓ نے معزول کر دیا تھا اس کی وجہ کوئی نہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے جس طرح رائے عامہ کا لحاظ رکھتے ہوئے حضرت مغیرہ کو معزول کیا تھا اسی طرح حضرت عثمانؓ نے رائے عامہ کا لحاظ رکھتے ہوئے عبداللہ بن مسعود کو معزول کر دیا تھا یا جس طرح عمرؓ بن سلمہ (ام المومنین ام سلمہؓ کے بیٹے) کو حضرت علیؓ نے بلا وجہ معزول کر کے ان کی جگہ نعمان بن عجلان ودرتی کو مقرر فرمایا جو نہ صحابی تھا، نہ علم و تقویٰ، عدل و دیانت میں عمر بن سلمہ کے عشر عشیر تھا۔ اسی طرح قیس بن سعد بن عبادہ کو جو صحابی، صحابی زادے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علمبردار تھے، کو حضرت علیؓ نے معزول کیا۔ اور ان کی جگہ مالک اشتر کو نامزد کیا۔ حالانکہ نہ وہ صحابی، نہ صحابی زادہ تھا۔ بلکہ فتنہ و فساد کا گھر تھا اور کتنے ہی صحابہ کا قاتل تھا۔ لیکن حضرت علیؓ نے مقرر کر دیا یہ وقتی مصلحتیں اور وقتی تقاضے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے بسا اوقات امیر مجبور ہو جاتا ہے۔

اطاعت امیر

دراصل امراء کا عزل و نصب اتنا نقصان دہ نہیں۔ جتنی امیر کی نافرمانی نقصان دہ ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے جب حضرت خالد بن ولید کو معزول کر دیا تو حضرت خالدؓ نے فرمایا سَمْعًا وَّطَاعَةً لِاَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ کہ میں امیر المومنین کے فرمان کو بسر و چشم قبول کرتا

Marfat.com

ہوں اور حضرت خالدؓ جیسے زبردست جرنیل کا معزول ہونا بھی بجائے نقصان دہ ہونے کے سراسر مفید ثابت ہوا۔ کیونکہ اس سے لوگوں کے سامنے ایسی اطاعت و فرمانبرداری منظر عام پر آئی کہ اتنے بڑے جرنیل کا بھی معزول ہونا کسی کو نافرمانی اور بغاوت پر آمادہ نہیں کر سکتا۔

ایک دفعہ کچھ کوفی لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا وجہ ہے کہ آپ سے پہلے خلفاء کی خلافت میں کروڑوں مربع میل علاقے فتح ہوئے ہیں اور آپ کی خلافت میں ایک چپہ زمین بھی فتح ہو کر سلطنت اسلامی میں اضافہ کا باعث نہ ہوئی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب وہ خلیفہ تھے تو ہم ان کے وزیر و مشیر تھے یعنی جس طرح وہ ہم کو حکم کرتے ہم کرگذرتے اس وقت تو سلطنت اسلامی میں ترقی ہی ترقی ہوئی۔ اور جب ہم خلیفہ ہوئے تو تم جیسے آدمی ہمارے وزیر و مشیر بنے یعنی نافرمانی کرنے والوں کو فتوحات کیسے حاصل ہوں؟

خلافت کی اصل روح اطاعت ہے۔ جب اطاعت ہوگی تو سلطنت ترقی پر رہے گی اور عبداللہ بن سبا کی یہی سب سے زیادہ کوشش تھی کہ کسی طرح ان کے دلوں میں نفرت ڈال کر اطاعت امیر کا جذبہ کم کردے جو بالآخر خانہ جنگی پر منتج ہوتا ہے۔

ہر امام یا خلیفہ کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ اس کے کارکن اور عمال اس کے مطیع و فرمانبردار ہوں۔ اسلام کی دوسری نسل نے جو اب پہلی نسل کی

Marfat.com

جگہ لے رہی تھی امام وقت کی اطاعت کا وہ مذہبی جذبہ نہ تھا جو اہل الذکر میں موجود تھا۔ ایسی حالت میں حضرت عثمان رضؓ نظام خلافت کے قیام و استحکام کے لیے بنی امیہ میں سے زیادہ افراد لینے پر مجبور تھے۔ کیونکہ استحکام[1] حکومت کے لیے عصبیت ناگزیر ہوتی ہے خواہ دینی ہو یا قومی۔ کیونکہ جب دینی عصبیت کم ہو جائے تو پھر قومی عصبیت سے ہی اس کی کمی کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ اگر ایسی حالت میں ہم یہ بھی تسلیم کر لیں کہ حضرت عثمانؓ نے استحکام حکومت کے لیے یہ کیا تھا تو بھی کونسی جرم کی بات ہے۔

دراصل حضرت عثمانؓ رضؓ کے عمال بہترین کارکن تھے کہ جس کی وجہ سے مملکت میں وسعت بھی ہوئی اور انتظامات بھی درست ہوئے لیکن پھر بھی جب تقدیر آپ کی تدبیر کے موافق نہ ہوئی تو اندرونی فسادات کا دروازہ کھل گیا ان کا حال بالکل حضرت علیؓ کا سا ہے کہ حضرت علیؓ نے پوری پوری کوشش کی، بہترین تدبیریں کیں اور چیدہ مشورے امور ریاست و خلافت کے انتظام کے سلسلہ میں عمل میں لائے لیکن چونکہ تقدیر ساتھ نہیں دیتی تھی مسند خلافت پر متمکن نہ ہو سکے۔

البتہ اتنا ضرور تھا کہ حضرت عثمانؓ کے عمال ان کے فرمانبردار تھے اور حضرت علیؓ کے عمال بھی ان کے نافرمان تھے۔ بلکہ ان کے ابن عم بھی ان کے موافق نہ رہ سکے۔[2] اسی لیے شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ اہل سنت کے نزدیک حضرت عثمانؓ اور حضرت علی رضؓ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ان بوجہ

---

[1] مقدمہ ابن خلدون [2] نہج البلاغۃ بحوالہ تحفہ اثنا عشریہ ص ۴۸۱، ۴۸۲

Marfat.com

حضرات نے اپنے ذمہ جو کچھ واجب جانا اس کو عمل میں لائے اور اپنے حسن ظن کے بموجب عاملوں کو ان کا کام سونپا۔

مروان

ایک آخری بات جس کو بہت وقعت دی جاتی ہے کہ حضرت عثمان رضہ نے مروان کو اپنا میر منشی (پرائیویٹ سیکرٹری) بنا رکھا تھا چونکہ وہ اموی تھا۔ اس لیے اس نے زیادہ سے زیادہ عہدوں پر امویوں کو مسلط کرنے کی کوشش کی۔ اور بالآخر اسی کی وجہ سے خلیفہ راشد کی شہادت بھی ہوئی۔

میرے خیال میں اس اعتراض کو جتنی زیادہ وقعت دی جاتی ہے اتنا ہی یہ اعتراض زیادہ بودا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خلیفہ راشد حضرت عثمان برائے نام خلیفہ تھے اور سب سیاہ وسفید کا مالک مروان تھا جو کہ چالاکی سے یا زبردستی سے اپنی من مانی چلاتا تھا۔ حالانکہ جس طرح اس سے حضرت عثمان رضہ کی توہین کا پہلو واضح ہوتا ہے۔ اسی طرح اسلامی خلافت اور خصوصاً خلافت راشدہ کے بھی شان کے منافی ہے۔

مروان میر منشی تو تھا۔ لیکن اختیارات صرف حضرت عثمان کے ہی چلتے تھے۔ باقی رہا یہ کہ کیا واقعی مروان نے مصری باغیوں اور محمد بن ابوبکر رضہ کو قتل کر ڈالنے کے لیے حضرت عثمانؓ کی طرف سے امیر مصر کی طرف چٹھی لکھی تھی؟

جہاں تک میں نے اس واقعہ کی تحقیق کی ہے مجھ کو اس کے ثبوت

Marfat.com

کی صحت میں ہی تردد ہے کہ مروان نے چٹھی لکھی ہے۔ نقلی دلائل ہیں تو صحت بالکل ہی مفقود ہے اور عقلی دلائل بھی اس کے مخالف ہی ہیں۔ کیونکہ عبداللہ بن سبا کے کارکن جو حضرت علی رضہ حضرت زبیر رضہ حضرت طلحہ رضہ اور حضرت عائشہ رضہ کی طرف سے لوگوں کو خلافت کے خلاف بغاوت پھیلانے کے لیے چھٹیاں لکھتے رہتے تھے ان کے لیے کیا یہ ایک چٹھی لکھنی کوئی مشکل تھی۔ جبکہ تمام سازشوں کی جڑ عبداللہ بن سبا ساتھ تھا اور مہر بھی کوئی ٹکسال تو نہ تھی جو بنائی نہ جا سکتی تھی۔ چنانچہ حضرت عثمان رضہ نے فرمایا

فَوَ اللّٰہِ لَا کَتَبْتُ وَلَا اَمْلَیْتُ وَلَا دَرَیْتُ بِشَیْءٍ مِّنْ ذٰلِکَ وَ الْخَاتَمُ قَدْ یُزَوَّدُ عَلَی الْخَاتَمِ۔[۱]

اللہ کی قسم نہ میں نے خود لکھا ہے۔ نہ لکھوایا ہے اور نہ ہی مجھے کسی چیز کا علم ہے اور مہر پر جھوٹی مہر بنوائی جا سکتی ہے۔

بلکہ جب تمام بلوائی اکٹھے ہو کر مصریوں کے ساتھ جن میں عبداللہ بن سبا بھی تھا ذی خشب جگہ میں ٹھہرے ہوئے تھے اور حضرت علی رضہ کو کہا کہ ہم عثمان رضہ کو معزول کرنے کے لیے آئے ہیں۔ تو حضرت علی رضہ نے فرمایا۔

لَقَدْ عَلِمَ الصَّالِحُوْنَ اَنَّ جَیْشَ ذِی الْمَرْوَۃِ وَذِی خَشَبٍ مَّلْعُوْنُوْنَ عَلٰی لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ

تمام مسلمانوں کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ ذی مروہ اور ذی خشب

---

[۱] البدایہ والنہایہ ابن کثیر ص۱۹۵ و ص۱۷۵ و ص۱۷۳ ۱ ص۱۷۳ ۳ ص۱۷۵

عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فَارْجِعُوْا لَا صَبَّحَكُمُ اللّٰهُ قَالُوْا نَعَمْ وَانْصَرَفُوْا مِنْ عِنْدِهٖ عَلٰى ذٰلِكَ [1]

کے لشکر لعنتی ہوں گے اس لیے واپس لوٹ جاؤ خدا تمہیں نامراد کرے۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ واقعی یہ پیشگوئی تو درست ہے۔ چنانچہ حضرت علی کی یہ گفتگو سن کر یہ بلوائی واپس لوٹ گئے۔

جب یہ بلوائی واپس ہونے لگے تو انہوں نے کہا کہ اچھا ہمارا صرف ایک مطالبہ مان لو کہ عبداللہ بن ابی سرح کی بجائے امیر مصر محمد بن ابو بکرؓ کو مقرر کر دیجئے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہہ کر یہ کروا دیا ابھی اس واقعہ کو صرف تین ہی دن ہوئے تھے کہ تمام بلوائیوں نے دھاوا بول دیا اور حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ حضرت علی رضؓ نے ان سے پوچھا کہ تم تو اپنا مطالبہ منوا کر واپس جا چکے تھے۔ اب دوبارہ کیوں آئے ہو۔ اہل مصر نے کہا کہ ہمارے قتل کے لیے خلیفہ کی طرف سے والئے مصر کے نام چٹھی لکھی گئی تھی۔ یہ سن کر حضرت علی رضؓ نے اہل کوفہ و بصرہ کو پوچھا کہ تم کیسے آئے انہوں نے کہا کہ ہم مصری بھائیوں کی امداد کے لیے آئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ تمہارا راستہ بالکل دوسری سمت تھا۔ یہاں سے تین منزل جانے کے بعد تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ مصریوں کے متعلق ایسا فرمان نافذ ہوا ہے جو تم ان کی امداد کے لیے واپس آگئے میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم سب لوگوں کا بیان غلط ہے تم نے پہلے

---

[1] البدایہ والنہایہ ابن کثیر ص۱۷۴

ہی سے اس کی سازش کر رکھی تھی۔ پھر جب حضرت عثمانؓ کے سامنے گئے تو انہوں نے فرمایا کہ یا تو تم اس کے ثبوت میں گواہ پیش کرو۔ ورنہ مجھ سے قسم لے لو کہ میں نے لکھا ہو یا مجھے علم بھی ہو۔ تم جانتے ہو کہ کسی کی طرف سے خط لکھ لینا آسان ہے اور ایک مہر کی طرح مہر[1] بھی بنوائی جا سکتی ہے"۔

اس سارے واقعہ سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام اس بات کو متفقہ طور پر سمجھتے تھے کہ یہ ایک سازش ہے جسے سبائیوں نے گھڑا ہے۔ دراصل یہ چھٹی بھی ابن سبا نے لکھی ہو گی۔ کیونکہ اس کا مقصد صرف خلافت کو معزول کروا کر طوائف الملوکی اور خانہ جنگی پھیلانا تھا۔ جو حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ کی کوشش سے صرف محمد بن ابوبکر کی امارت مصر سے ہی طے ہو گیا اور یہ عبداللہ بن سبا کے مشن کے سراسر خلاف تھا۔ چنانچہ اس نے بلوائیوں کے اجتماع سے فائدہ اٹھانے کے لیے سازشی چھٹی کا ڈھونگ رچا کر دوبارہ مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کر لیا۔ اور اس ساری سازش کو مروان کی طرف منسوب کر دیا۔ حالانکہ مروان نے بھی اس قسم کی کوئی چھٹی نہیں لکھی تھی۔ چنانچہ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:۔

"پھر شورش پسندوں اور باغیوں کی ایک بڑی جماعت مدینہ پر چڑھ آئی۔ بظاہر کہتے تھے کہ ہم حضرت عثمانؓ سے انصاف طلب کرنے آئے ہیں۔ حالانکہ وہ در پردہ حضرت عثمانؓ کے قتل کی سازش بنا کر آئے تھے[2]

---

[1] تاریخ الامت ص۱۵۱ [2] تاریخ الامت ص۱۵۲

آگے لکھتے ہیں "آخر صحابہ کرام حضرت عثمان رض کو اپنی رائے پر لے آئے اور ان کے کہنے سننے پر عامل مصر کو معزول کیا گیا۔ باغی مدینہ سے واپس پھرے، مگر پھر لوٹے اور آپ کے پاس ایک جعلی خط لائے۔ اور دعویٰ کیا کہ یہ ہم نے عثمان رض کے قاصد سے چھینا ہے جو عامل مصر کی طرف لے جا رہا تھا۔ اور اس میں درج تھا کہ اس باغیوں کی جماعت کو قتل کر دو۔ حضرت عثمان رض نے قسم کھا کر اس خط سے قطعی لاعلمی ظاہر کی۔ باغیوں نے پھر مطالبہ کیا۔ اچھا اپنے کاتب مروان کو ہمارے سپرد کر دو۔ مروان نے بھی قسم کھا کر اپنی بریت ظاہر کی۔ حضرت عثمان رض بولے کہ اس سے زیادہ صفائی میں کیا کیا جا سکتا ہے" (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴۶ مطبوعہ مترجمہ نور محمد اصح المطابع)

خط کشیدہ الفاظ پر غور کرو۔ کیونکہ اس سے بالکل روز روشن کی طرح عیاں ہو رہا ہے کہ جس طرح چٹھی کے معاملہ میں حضرت عثمان رض بے قصور تھے اسی طرح مروان بھی بے قصور تھا۔ بلکہ یہ سازشی چٹھی سبائیوں کی ہی کارستانی تھی۔ اگر سبائیوں کی سازش نہ ہوتی تو انہیں چاہئے تھا کہ عثمان کے قاصد سے خط لیکر اسے لوگوں کے سامنے پیش کرتے لیکن اس طرح نہیں کیا گیا۔

مروان کا قصور صرف اتنا تھا کہ وہ حضرت عثمان رض کی نرم پالیسی کے موافق نہ تھا اگرچہ وہ کچھ کر نہ سکتا تھا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ حضرت عمر رض کی طرح سختی بھی ہونی چاہیئے چنانچہ جب حضرت عثمان نے گورنروں کا اجلاس بلایا کہ اس فتنہ کا دفعیہ کس طرح کیا جائے تو عبداللہ بن عامر، امیر معاویہ رض، عبداللہ بن سعد، عمرو رض بن عاص اور مروان رض کی

Marfat.com

متفقہ رائے تھی کہ اس فتنہ کو سختی سے دبا دینا چاہیئے۔ اور حکمرانی کے تقاضہ کے مطابق ان کی رائے درست تھی۔ کیونکہ عقلمند سلیم الطبع لوگوں کے لیے نرمی واقعی بہت اعلیٰ صفت ہے۔ لیکن جہال عوام ایسے کمزوری پر محمول کرتے ہیں ؎

أَخْفُ الْحِلْمِ دَلَّ عَلَىٰ قَوْمِي ۔۔۔ وَقَدْ يُسْتَضْعَفُ الرَّجُلُ الْحَلِيمُ

بعض کہتے ہیں کہ اگر حضرت عثمانؓ مروان کو بلوائیوں کے سپرد کر دیتے تو شاید انہیں شہید نہ کیا جاتا۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جب مروان قصوروار ثابت ہی نہ ہو سکا تھا۔ جیسا کہ سابقہ صفحات میں صحابہ کے متفقہ فیصلہ سے ثابت ہوتا ہے تو حضرت عثمان رضؓ مروان کو بلوائیوں کے حوالے کر کے کیوں قتل کروا تے۔ اور اگر ایسا کرتے تو شرعاً بھی جرم تھا۔ آپ تو ان قصوروار بلوائیوں اور سازشیوں کے قتل کو گوارا نہیں فرماتے تھے۔ آپ بار بار فرماتے تھے کہ میں اپنی گردن پر کوئی خون نہیں لینا چاہتا۔" وہ اس شخص کے قتل کو کیسے گوارا فرماتے جس کے قصوروار ہونے کی شہادت ہی کوئی نہ تھی۔

اور اگر حضرت عثمان رضؓ مروان کو بلوائیوں کے سپرد کر بھی دیتے تو بھی یہ فتنہ ختم نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ عبداللہ بن سبا کا مشن یہ نہ تھا۔ بلکہ اس کی سازش کا مقصد یہ تھا کہ جس طرح بھی ہو خلافت کو معزول و معطل کر کے رکھ دیا جائے۔ کیونکہ اسلام میں خلافت کا وہ مقام تھا کہ خلیفہ آمر و بادشاہ نہ ہونے کے باوجود دنیا کے کونوں تک حکمرانی کرتا تھا اور شاہان

Marfat.com

عجم نام سن کر تھر تھر کانپتے تھے۔ اس لیے سبائیوں کا مقصد مروان کو قتل کرنا نہ تھا۔ بلکہ خلیفہ کو بے دست و پا اور خلافت کو معطل کرنا تھا اور بصورت دیگر خلیفہ کو قتل کرنا تھا۔

عزل خلافت

عبداللہ بن سبا جو شامی الاصل یہودی تھا۔ وہ خلیفہ کو معزول اس لیے کروانا چاہتا تھا کہ لوگوں کے دلوں سے خلیفہ کا رعب جاتا رہے۔ اور خلیفہ عوام کے ہاتھوں کٹ پتلی بن کر رہ جائے۔ چنانچہ عباسی دور میں جب یہ حال ہوا تو واقعی خلافت بالکل ایک کھیل بن گئی۔ ایک سال میں کئی کئی خلیفے معزول کیے جاتے اور جب خلافت ایک کھیل رہ گیا۔ تو اسلامی فتوحات کا ہونا تو کجا حکومت کا نظم و نسق بھی نہیں رہ سکتا اور غیر ملکی سازشیوں کو پوری کاروائی کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ چنانچہ یہی ہوا حتی کہ رومی عیسائیوں اور فرانسیسیوں نے جزیرہ عرب اور مصر پر حملے شروع کر دیے۔ جن کو سلطان صلاح الدین ایوبی نے پسپا ہونے پر مجبور کیا تھا۔[1]

حضرت عثمانؓ کو بھی جب عزلت نشینی کے لیے کہا گیا۔ تو انہوں نے فرمایا۔

[2] واللہ لأن أقدّم فتضرب عنقي	اللہ کی قسم مجھے قتل ہو جانا بہت پسند ہے اس بات سے کہ میں

---

[1] البدایہ والنہایہ ص [illegible] [2] طبقات ابن سعد ص [illegible]

Marfat.com

اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَنْخَلِعَ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ بَعْضُهَا عَلٰی بَعْضٍ

خلافت سے علیحدہ ہو کر امت محمدیہ کو ایک دوسرے پر چڑھائی کرنے (یعنی خونریزی) کا موقع دے دوں۔

دوسری جگہ طبقات ہی میں لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں خلافت کو چھوڑ کر اس بدرسم کا دروازہ نہیں کھولنا چاہتا کہ جب کوئی قوم خلیفہ سے ناراض ہو اس کو معزول کر کے دوسرے کو خلیفہ بنا لے۔ اور خلافت محض ایک کھیل بن کر رہ جائے۔

منجملہ اعتراضوں میں سے ایک یہ بھی اعتراض تھا کہ حکم جو مروان کا باپ تھا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف میں جلاوطن کیا تھا جس کو حضرت عثمان رضؓ نے مدینہ میں بلا لیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کب حکم مدینہ میں آئے؟ اور کب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جلاوطن کیا؟ فتح مکہ میں حکم مسلمان ہوئے اور فتح مکہ کے بعد ہجرت کا مسئلہ ہی ختم ہو چکا تھا لا ھجرۃ بعد الفتح یعنے فتح مکہ کے بعد ہجرت ختم ہو گئی مکہ کے لوگ جو مسلمان ہوئے وہ مکہ میں ہی رہے اگر سارے مکہ میں سے مدینہ چلے جاتے تو مکہ کی آبادی ختم ہو کر مدینہ چلی جانی چاہئے تھی حالانکہ ایسا نہیں ہوا تھا البتہ مکہ کے لوگ جہادی دستوں میں شمولیت کے لیے وقتاً فوقتاً جاتے رہے اس لیے حکم کی جلاوطنی کی داستان ہی غلط ہے[1]

اقربا نوازی

دوسرا سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ بیت المال میں بے جا

---

[1] اس کا حوالہ سابقہ صفحات میں گذر چکا ہے۔

Marfat.com

تصرف کیا اور مسرفانہ طریقہ پر اپنے اعزہ واقارب پر سخاوت کا اظہار کرتے رہے۔ اس کے ثبوت میں جو واقعات پیش کیے جاتے ہیں وہ یا تو سراسر غلط ہیں یا رنگ آمیزی کر کے ان کی صورت بدل دی گئی ہے ہم تفصیل کے ساتھ ہر ایک واقعہ کو اس کی اصل صورت میں دکھاتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ مفسدین نے کس طرح واقعات کی صورت کو مسخ کر کے حضرت عثمان رض کو بدنام کرنے کی کوشش کی تھی۔

اس سلسلہ میں سب سے اول ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ ذاتی طور پر حضرت عثمانؓ کی مالی حالت کیسی تھی ؟ تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ وہ اپنی ذاتی جائداد اور دولت سے اس قسم کی فیاضی اور جود وکرم پر قادر تھے یا نہیں ؟

یہ مسلمہ تاریخی واقعہ ہے جس سے کسی کو انکار نہیں کہ حضرت عثمانؓ صحابہ کرام میں سب سے زیادہ دولتمند اور متمول تھے۔ ان کی دولت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہزارہا روپیہ بیر رومہ کی خریداری پر صرف کیے۔ ایک بیش قیمت رقم سے مسجد نبوی کی توسیع کی اور لاکھوں روپیے سے جیش عسرت کو آراستہ کیا۔ اب سوال یہ ہے کہ راہ خدا میں جس کے جود وسخا کا یہ حال ہو وہ اپنی دولت سے ذوی القربیٰ کے ساتھ کچھ صلہ رحمی نہیں کر سکتا تھا ؟

چنانچہ اس کے متعلق حضرت عثمان نے خود فرمایا تھا۔

قَالُوْا اِنِّیْ اُحِبُّ اَھْلَ بَیْتِیْ　　لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے خاندان

Marfat.com

واعطيهم فاما حبي
فلم يمل بهم على
جور بل احمل
الحقوق عليهم
واما اعطاؤهم
فاني لا اعطيهم من
مال لا استحل اموال
المسلمين لنفسي ولا
لاحد من الناس ولقد
كنت اعطي العطية الكبيرة
الرغيبة من صلب مالي في
زمان رسول الله وابي بكر
وعمر رضي الله عنهما وانا
يومئذ شحيح حريص افيحين
على اسنان اهل بيتي وفني
عمري ودعت الذي في
اهلي قال الملحدون ما
قالوا۔ (طبری ص١٩٥٣)

کے لوگوں سے محبت رکھتا ہوں۔ اور
ان کے ساتھ فیاضی کرتا ہوں لیکن میری
محبت نے مجھے ظلم کی طرف مائل نہیں
کیا بلکہ میں ان کے حقوق ادا کرتا ہوں۔
اسی طرح فیاضی بھی اپنے ہی مال تک
محدود ہے۔ مسلمانوں کے بیت المال
سے نہ میں اپنے لیے حلال سمجھتا ہوں
نہ کسی دوسرے کے لیے۔ میں رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر رضی
و عمر رض کے زمانہ میں اپنے مال سے گراں قدر
عطیے دیا کرتا تھا۔ حالانکہ اس زمانہ میں مجھے
بخل اور حرص زیب دے سکتا تھا۔ بھلا
اب جبکہ میں اپنی خاندانی عمر کو پہنچ چکا
ہوں یعنی سن رسیدہ ہو چکا ہوں اور
زندگی ختم ہو چکی ہے اب تو مال ہی
سارا اہل وعیال کا ہے جو ان کے سپرد
کردیا ہے تو ملحد کیسی کیسی باتیں کرتے
ہیں۔

مذکورہ بالا تصریحات کے بعد اب ہم ان واقعات کی طرف رجوع

کرتے ہیں۔ جن کی بنا پر حضرت ذوالنورین کی تابش ضیا کو غبار آلود کیا جاتا ہے۔

حکم بن عاص کو جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مدینہ منورہ میں بلایا تو اس وقت حکم بوڑھا ضعیف ہو چکا تھا۔ چنانچہ حضرت عثمان رضؓ نے انہیں صلہ رحمی کے طور پر جیب خاص سے ایک لاکھ درہم عطا فرمائے۔

حکم کے لڑکے مروان سے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح کر دیا۔ اور مروان کو جہیز میں ایک لاکھ درہم کا عطیہ مرحمت کیا یہ واقعہ تھا جس کو مفسدین نے رنگ آمیزی سے کچھ سے کچھ کر دیا۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمان رضؓ نے مروان کو افریقہ کے مال کا خمس بخش دیا تھا سراسر غلط ہے۔ بلکہ مروان نے وہ سارا سامان پانچ لاکھ دینار میں خرید کیا تھا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مروان کو دے دیا گیا یہ صحیح نہیں ہے (ابن خلدون ص۱۲۹) اور اس حصہ کے فروخت کرنے کی بھی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ افریقہ سے مدینہ تک کی باربرداری کا خرچ بھی کافی اٹھتا تھا جس کی وجہ سے اس کا فروخت کر دینا اور اس کی نقد قیمت لانا بہت آسان تھا۔

البتہ فاتح افریقہ عبداللہ بن ابی السرح سے حضرت عثمان رضؓ نے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم افریقہ میں سے طرابلس کا علاقہ فتح کر و گے تو تم کو خمس کا خمس یعنی مال غنیمت کا پچیسواں حصہ بطور انعام دوں گا۔ چنانچہ فتح

Marfat.com

کے بعد حسب وعدہ ان کو دے دیا۔ لیکن اس سے عام مسلمانوں کو شکایت پیدا ہوئی تو انہوں نے حضرت عثمانؓ سے اس کا اظہار کیا تو حضرت عثمان رضہ نے اس کو واپس لے لیا (طبری ص ۲۸۱۹) حالانکہ اگر کسی بہادر افسر کو بطور انعام کچھ دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حارث بن حکم کو مدینہ کے بازار سے عشر وصول کرنے کا اختیار دے دیا تھا۔ حالانکہ یہ بھی بالکل بے بنیاد ہے البتہ حارث کی بیٹی سے اپنے لڑکے کی شادی کی تھی تو اس کو ایک لاکھ درہم برسم ساق (منگنی کی رسم پر بری وغیرہ) دیے تھے جو کہ ذاتی مال سے تھے۔

اسی طرح یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اپنی لڑکیوں کو جواہرات اور قیمتی ہار وغیرہ دیے یہ بھی سب باتیں بے تکی اور غلط ہیں حالانکہ اگر کوئی امیر کبیر آدمی اپنی لڑکیوں کو کچھ دیتا ہے تو یہ جرم نہیں ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمان نے اپنے لیے بیت المال سے بڑی عمارتیں بنوائیں اور باغات لگائے یہ تمام کذب و افترا ہے۔ جو فیاض طبع اپنے ابر کرم سے دوسروں کو سیراب کرتا ہے اور اپنا مقررہ وظیفہ تک بیت المال سے لینا پسند نہیں کرتا۔ وہ اپنے لیے عام مسلمانوں کا شرمندۂ احسان ہونا کس طرح گوارا کر سکتا ہے۔ دراصل حضرت عمر رضہ کے دور خلافت میں آخر اور حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں قریباً تمام لوگوں نے عمارات بنوائیں، باغات لگوائے اجائیدادیں خریدیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مال غنیمت اتنا وافر حصہ میں آتا تھا کہ وہ اصحاب جو کبھی نانِ شبینہ

کے محتاج تھے اسی اسی ہزار درہم زکوۃ دینے لگے تھے اور حضرت عثمان رض تو شروع ہی سے غنی تھے۔ ان کی داد و دہش صرف اپنے قبیلہ پر ہی نہ تھی بلکہ ان کا ہمیشہ فیض عام جاری رہتا۔ ہر جمعہ کو غلام آزاد کرتے۔ ہر روز لنگر جاری رہتا تھا اور پر تکلف دعوت کھلاتے چنانچہ حسن بصری فرماتے ہیں۔ اللہ کی قسم میں نے اپنی نو عمری میں اپنے کانوں سے سنا تھا کہ حضرت عثمان کا ملازم آواز دے رہا تھا۔ لوگو آؤ اور عثمان رض سے صبح عطیے وصول کرو، کھانا لو، پوشاکیں حاصل کرو۔ چنانچہ لوگ صبح گھی اور شہد لے کر آتے (استیعاب بحوالہ تحفہ اثنا عشریہ ص ۴۹۸)

جو اتنا مالدار ہو اگر وہ دوسرے لوگوں کی طرح اس نے بھی اپنے لیے عمارت بنوالی ہو تو گناہ کی کونسی وجہ ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عبداللہ بن خالد بن اسد کو تین لاکھ درہم انعام دئے یہ بھی غلط ہے۔ یہ دراصل انہیں قرضہ دیا گیا تھا جو کہ محاصرہ سے پہلے وصول بھی ہو چکا تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عبداللہ بن ارقم جو بیت المال کے مہتمم تھے اور معیقیب دوسی نے جب اس اسراف پر اعتراض کیا تو ان کو معزول کر کے یہ عہدہ زید بن ثابت کو دے دیا تھا۔ اس میں بھی دھوکے سے کام لیا گیا ہے۔ دراصل ان ہر دو نے بسبب کبر سنی اور ضعف کے اس محنت طلب خدمت کی کما حقہ انجام دہی سے معذور ہو کر استعفاء پیش کیا تھا۔ حضرت عثمان رض نے اس کے عذر کو قبول کرتے ہوئے

Marfat.com

اس جگہ زید بن ثابت کو مقرر کر دیا تھا۔ اور یہ ان کا بہترین انتخاب تھا کیونکہ زید بن ثابت کاتب وحی تھے اور جو اللہ کی وحی کی امانت کی نگہداشت کر سکتا ہے وہ مسلمانوں کے مال کی بھی حفاظت کر سکتا ہے اور یہ ایک بہترین انتخاب تھا۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک دن بیت المال کے وظائف سے ایک لاکھ کی رقم بچ گئی تھی وہ زید بن ثابت کو بخش دی۔ حالانکہ بخشی نہ تھی بلکہ سوچی تھی کہ اسے رفاع عامہ میں خرچ کر دو۔ چونکہ مستحقین ختم ہو چکے تھے اس لیے انہوں نے وہ رقم مسجد نبوی کی مرمت و اصلاح میں خرچ کر دی

یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ چراگاہ کو اپنے لیے مخصوص کر لیا حالانکہ اپنے پاس تو انہوں نے صرف حج کے لیے دو اونٹوں کے علاوہ سب خیرات کر دے تھے۔ انہوں نے چراگاہ کرنا ہی کیا تھی؟ جیسا کہ سابقہ صفحات میں گذر چکا ہے۔ البتہ بیت المال کے اونٹوں کے لیے بڑی بڑی چراگاہیں مخصوص کیں اور وہ کرنا ہی چاہیے تھیں۔

اکثر و بیشتر جو اعتراض ان پہ کیے گئے یا جو آج کیے جاتے ہیں۔ وہ دراصل ان کی تمام نیکیاں اور فضیلتیں ہیں لیکن خدا دشمنی اور تعصب کا ستیا ناس کرے جب آجاتا ہے تو مناقب کو بھی برائیوں کی صورت میں بیان کیا جاتا ہے۔ قرآن سے بڑھ کر کونسی کتاب افضل ہوگی۔ لیکن آریاؤں نے اس پر سینکڑوں اعتراض کر دئے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم سے بڑھ کر مخلوق میں کوئی مرتبہ ہی نہیں لیکن یہودیوں اور عیسائیوں نے ان پر بھی بیسیوں اعتراض کر دیے ہیں۔ اگر انسان عقل و دانش سے دیکھے تو تمام اعتراضات دراصل مناقب ہوں گے حقیقت بھی یہ ہے کہ جتنا کوئی بلند منقبت انسان ہوگا اتنے ہی اس پر اعتراضات زیادہ ہوں گے تاکہ اس کے مناقب کو غبار آلود کیا جائے۔

یہ سب مفسدین کے اعتراضات تھے کہ حضرت عثمان مسرف ہیں۔ حالانکہ نیکی میں خرچ کرنا اسراف نہیں ہوتا اور اس کا جواب جو حضرت عثمان رضؓ نے انہیں دیا تھا وہ ہی کافی تھا۔ اگر میں اپنے ذاتی مال سے خرچ کروں اور اقرباء کو دوں تو اس کا مجھے حق ہے بلکہ قرآن کے حکم فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی کے عین مطابق ہے اور اگر بیت المال سے دوں تو تمہیں اعتراض کرنے کا حق ہے۔ حالانکہ میں نے خود آج تک بیت المال سے ایک پیسہ بھی نہ لیا۔

حضرت عثمان رضؓ اقرباء پر بھی خرچ محض اللہ کی رضا کے لیے کرتے تھے چنانچہ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

وقد کان رضی اللہ عنہ حسن	حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوب
الشکل ملیح الوجہ کریم	صورت، کشادہ رو، نیک سیرت
الاخلاق ذا حیاء کثیر وکرم	بہت شرم وحیا والے اور بہت سخی
غزیز یوثر اھلہ واقاربہ	تھے اپنے لواحقین واقرباء پر اللہ کی

لہ البدایہ والنہایہ صفحہ

Marfat.com

فی الله تالیفا لقلوبهم
من متاع الحیوة الدنیا
الفانی لعله یرغبهم
فی ایثار ما یبقی علی ما یفنی
کما کان النبی صلی الله علیه
وسلم یعطی اقواما ویدع
آخرین۔ یعطی اقواما
خشیة ان یکبهم الله
علی وجوههم فی النار
ویکل آخرین الی ما
جعل الله فی قلوبهم من
الهدی والایمان وقد
نعنت علیه بسبب
هذه الخصلة اقوام
کما تعنت بعض الخوارج
علی رسول الله صلی الله علیه
وسلم فی الایثار وقد فند منا
ذلك فی غزوة حنین حیث
قسم غنائمها۔

رضی اللہ عنہ کے لیے بہت خرچ کرتے تھے تاکہ
انہیں اس فانی دنیا کے مال و دولت
کے خرچ کرنے اور آخرت کا ذخیرہ کرنے
کا سبق دیتے رہیں جس طرح رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض لوگوں
کو مال دیتے رہتے اور باقی مضبوط
ایمان والوں کو کچھ نہ دیتے جن کو
آپ مال دیتے انہیں اس لیے دیتے
کہ وہ اسلام کے قریب آئیں اور جہنم
میں گرنے سے بچ جائیں اور جن کو نہ
دیتے ان کا ایمان اتنا پختہ ہوتا۔ کہ
انہیں مال دنیا کی پرواہ بھی نہ ہوتی۔
چنانچہ کئی لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
کی اس اچھی خصلت کو بھی برا جان کر
اعتراض کیا جس طرح بعض خارجیوں
نے رسول اللہ کے خرچ کرنے پر اعتراض
کیا تھا جبکہ آپ نے غزوہ حنین میں
کچھ لوگوں کو مال دیا تو کسی نے کہہ دیا
محمد! تم نے انصاف نہیں کیا۔

Marfat.com

یہ عبارت کسی تبصرہ کی محتاج نہیں ہے۔ کیونکہ دشمن کو اچھی خصلتیں بھی بری ہی لگتی ہیں۔

توہین صحابہ

تیسرا جو بہت بڑا اعتراض کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے بڑے بڑے صحابہ کی تذلیل و توہین کی۔ چنانچہ کہا جاتا ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کو ربذہ میں جلا وطن کیا۔ حالانکہ وہ خود تارک الدنیا ہو گئے تھے اور خود اپنی مرضی سے اور حضرت عثمان کے مشورہ سے اس جگہ کا انتخاب کیا تھا۔

اصل واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت ابوذر کا مسلک یہ تھا کہ روز کی کمائی سے جتنا کھانا ہو کھا کر باقی صدقہ کر دینا چاہیئے اور اپنے پاس مال جمع کرنا حرام ہے۔ دوسرے صحابہ کہتے تھے کہ اگر مال جمع کرنا ہی حرام ہو تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ورثہ کے تقسیم کے مسائل کیوں نازل کیے ہیں۔ بالآخر یہ بحث اولوالعزم صحابہ سے نکل کر عوام کے ہتھے چڑھی تو وہ حضرت ابوذر کو مذاق اور ٹھٹھا کرنے لگے۔ چونکہ ابوذر شام میں رہتے تھے اس لیے امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کو سب حالات لکھے۔ حضرت عثمانؓ نے جواب میں لکھا کہ ابوذرؓ کو عزت و احترام کے ساتھ میرے پاس بھیج دو۔ جب مدینہ میں آئے تو یہاں بھی وہی حالات ظہور میں آئے۔ چنانچہ حضرت ابوذرؓ نے حضرت عثمانؓ سے مشورہ کیا کہ لوگ میرے پاس آ کر دیوانہ بنانا چاہتے ہیں اور میرا مذاق اڑاتے ہیں۔ میں کیا کروں۔ انہوں نے

Marfat.com

فرمایا کہ لوگوں کے مجمعوں سے کنارہ کشی کرو اور مدینہ کی نواحی بستیوں میں سے کسی میں اقامت اختیار کر لو۔ چنانچہ حضرت ابوذرؓ ربذہ میں جا بسے چند روز بعد زیارت مسجد نبوی اور حضرت عثمانؓ کی ملاقات کو آجایا کرتے

ربذہ کی رہائش کے دوران میں ابوذرؓ سے حضرت عثمان رضؓ کی کوئی شکایت منقول نہیں ہے۔ بلکہ حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوذرؓ آپ کی انتہائی اطاعت کرتے تھے۔ چنانچہ تمام مورخین نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ جب ابوذرؓ ربذہ میں گئے تو وہاں حضرت عثمان رضؓ کا ایک غلام نماز کی امامت کے لیے مقرر تھا۔ نماز کا وقت آیا تو اس نے حضرت ابوذرؓ کو آگے کرنا چاہا اور کہا کہ آپ مجھ سے افضل ہیں اس لیے آپ امامت کرائیں۔ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا کہ تو عثمانؓ کا نائب ہے اور عثمانؓ مجھ سے بہتر ہیں اور نائب اصل کے حکم میں ہوتا ہے اس لیے لازم ہے کہ تو ہی امام بنے۔ بالآخر اس غلام نے ہی امامت کے فرائض سرانجام دیئے۔ اگر حضرت ابوذرؓ حضرت عثمان رضؓ سے ناراض ہوتے۔ تو یہ جواب کیوں دیتے؟۔

اسی طرح حضرت عبادہؓ بن صامت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کو جلا وطن کیا گیا۔ اور یہ بھی غلط ہے کیونکہ وہ آخر وقت تک شام میں تقسیم غنائم کے عہدہ پر مامور رہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی توہین کی حالانکہ معمولی چپقلس ہونا اور بات ہے اور توہین کرنا اور بات ہے اور

اس شکر رنجی کے باوجود بھی عبداللہ رضہ بن مسعود سے ان کی خاصی دوستی تھی۔ سلمہ بن شقیق بیان کرتے ہیں۔

دخلت علی ابن مسعود فی مرضه الذی توفی فیه وعنده قوم یذکرون عثمان فقال لهم مهلا فانکم ان تقتلوه لا تصیبون مثله (تحفہ اثنا عشریہ ص۵۰۳)

میں عبداللہ رضہ بن مسعود کے پاس اس بیماری میں گیا جس میں ان کی وفات ہوئی۔ وہاں کچھ لوگ حضرت عثمان رضہ کے متعلق کچھ کہہ رہے تھے تو عبداللہ بن مسعود نے فرمایا چھوڑو اس تذکرہ کو اگر (خدانخواستہ) تم نے اسے قتل کیا تو اس جیسا کسی کو نہ پاؤ گے۔

عبادہ رضہ بن صامت کے متعلق بھی بعض باتیں کہی جاتی ہیں حالانکہ تمام غیر مستند اور غلط ہیں۔

حضرت عمار رضہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہیں بہت زدوکوب کیا حالانکہ وہ بھی غیر مستند باتیں ہیں۔ بلکہ حضرت عمار محاصرہ کے دن باغیوں کو سمجھانے میں پوری کوشش سے مشغول رہے۔ فرماتے تھے۔

سبحان الله قد اشتری بیر رومة وتمنعونه ماءها (تحفہ اثنا عشریہ ص۵۰۵)

سبحان اللہ جس نے مدینہ میں کنواں لے کر دیا آج اس سے بھی اس کا پانی روک رہے ہو۔

مثال مشہور ہے "مدعی سست گواہ چست" بالکل معاملہ یہاں اسی طرح کا ہے صحابہ آپس میں ایک دوسرے کے خیرخواہ ہیں

Marfat.com

اور فسادیوں نے اس کا کیا رنگ پیش کیا۔ اور اگر اس قسم کی شکر رنجیاں باعث طعن ہوں تو اس سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ مثلاً حضرت علی رضؓ سے ان کے بھائی عقیلؓ ناراض ہو کر امیر معاویہؓ کے پاس چلے گئے۔ عبداللہ بن عباس ابن عم سے ناراض ہو کر یمن کی گورنری چھوڑ گئے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ باتیں بھی حضرت عثمانؓ کے مرتبہ کو چار چاند لگانے والی ہیں کہ عثمان رضؓ کی وہ شخصیت ہے جن پر اڑتالیس سالہ اسلامی زندگی کے دوران میں باوجود مفسدوں کی دشمنی کے اور شرارت کے سوائے چند معمولی اعتراضوں کے ان کی عزت و آبرو داغدار نہ ہو سکی۔

احراق المصاحف

بعض لوگوں نے یہ بھی اعتراض کیا تھا کہ حضرت عثمان رضؓ نے قرآن جلوا دیے تھے۔ خصوصاً مصحف ابن مسعود کو تلف کیا۔ چنانچہ سابقہ صفحات میں بتایا گیا ہے کہ ۳۰ھ میں حضرت عثمانؓ نے اختلافات قراءت کو مٹانے کے لیے مصحف نبوی جو حضرت حفصہ رضؓ کے گھر تھا منگوا کر اس کی نقلیں ہوا کہ تمام صوبوں میں بھیج دیں اور جو مصحف لوگوں کے پاس ترتیب نبوی کے اور قراءت قریش کے خلاف تھے وہ منگوا کر جلا دیے۔

یہ اعتراض حضرت علی رضؓ کی زندگی میں ہی ہوا تھا۔ چنانچہ جو جواب

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیا تھا وہ ہی کافی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر حضرت عثمان رضؓ یہ کام نہ کرتے تو میں کرتا۔ دوسری روایت میں ہے۔ کہ حضرت علی رضؓ کو جب معلوم ہوا کہ لوگ احراق مصاحف کی وجہ سے حضرت عثمانؓ کو برا کہتے ہیں۔ تو انہوں نے لوگوں میں اعلانیہ فرمایا۔

ایھا الناس ایاکم والغلو فی عثمان تقولون حرق المصاحف واللہ ما حرقہا الاعن ملا من اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولو ولیت مثل ما ولی لفعلت مثل الذی فعل

اے لوگو! حضرت عثمان کے معاملہ میں زیادتی کرنے سے بچو تم کہتے ہو کہ انہوں نے قرآن جلایا۔ اللہ کی قسم انہوں نے تمام صحابہ کے مشورہ سے قرآن (کے ورقوں) کو جلایا تھا اور اگر اس وقت میں خلیفہ ہوتا تو میں بھی اسی طرح کرتا جس طرح حضرت عثمان نے کیا۔

حدود اللہ میں تغافل

چوتھا سب سے بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ حدود اللہ کے نفاذ میں غفلت برتی اور اللہ کے احکام کی بجا آوری میں کوتاہی کی۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ہرمزان کے قصاص میں عبید اللہ بن عمر رضؓ کو قتل نہ کیا جس کا واقعہ سابقہ صفحات میں گذر چکا ہے۔ چنانچہ بعض صحابہ قتل کے حق میں تھے اور اکثر وبیشتر قتل کے حق میں نہیں تھے۔ حضرت

---

[1] البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۱۷

Marfat.com

عثمان رضؓ نے فرمایا۔ چونکہ ہرمزان کا کوئی وارث نہیں ہے اس لیے میں بحیثیت امیر المومنین اس کا ولی ہوں اور قتل کی بجائے دیت پر راضی ہوں اور خود اپنے ذاتی مال سے دیت کی رقم بیت المال میں جمع کر دی۔ حضرت عثمانؓ نے جس عمدگی کے ساتھ اس مقدمہ کا فیصلہ کیا ہے اس سے بہتر نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ قبیلہ عدی کبھی بھی عبید اللہ کے قتل کو پسند نہ کر سکتا تھا۔ اور ہو سکتا ہے کہ اسی وقت ہی فتنہ و فساد کی آگ مشتعل ہو جاتی۔ دراصل یہ ان کی دانائی اور عقلمندی کا ثبوت ہے نہ کہ حدود سے تغافل۔ ورنہ جس طرح اس کا مدعی کوئی نہ تھا قتل کو ضائع نہیں کیا بلکہ دیت دے کر حدود اللہ کا نفاذ کیا ہے۔

ولید بن عقبہ کے متعلق مشہور ہے کہ اس کو بادہ نوشی کی حد لگانے میں دیر کی۔ کم از کم اتنا تو تسلیم کیا ہے کہ حد لگائی اگرچہ دیر کی۔ کیونکہ کوفہ میں ایک شخص شراب پئے اور اسے مدینہ میں حد لگانا ہو تو دیر تو ناگزیر ہے معترض اتنا نہیں سمجھتے کہ اگر حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں ایک واقعہ شراب نوشی کا ظہور میں آیا۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی چند ایک واقعات پیش آئے تو اس سے حضرت عثمان رضؓ کی بڑائی ثابت ہوتی ہے کہ تمام مدت خلافت میں صرف ایک شراب نوشی کا واقعہ ظہور میں آیا۔

لیکن دراصل یہ واقعہ بھی من گھڑت اور وضعی ہے چنانچہ ابن جریر طبری

لہ ابن اثیر ص ۵۸-۵۹ ج ۳

Marfat.com

نے بھی لکھا ہے۔

انہ تعصب علیہ قوم من اھل الکوفۃ بغیا وحسدا فشھدوا علیہ زورا انہ تقیا الخمر۔

کہ اہل کوفہ نے ان پر بغض وحسد اور تعصب کی وجہ سے جھوٹی گواہی دی کہ انہوں نے شراب کی قے کی۔

اسی طرح جنگ بدر میں شامل نہ ہونے کا اعتراض کرتے ہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں مدینہ چھوڑ گئے تھے اور جنگ احد سے فرار کا طعنہ دیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے معترضین کی عفا اللہ عنھم کہہ کر زبان بند کر دی ہے اور بیعت رضوان میں عدم شمولیت کا طعنہ دیتے ہیں حالانکہ وہ ہوئی ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وجہ سے تھی جیسا کہ سابقہ صفحات میں گذر چکا ہے۔

قصر صلوٰۃ

ایک بہت بڑا اعتراض یہ بھی تھا کہ سنت کی خلاف ورزی کی اور بدعات کو رائج کیا ہے کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حج کے موسم میں پوری نماز کیوں پڑھی ہے۔ حالانکہ تمام زندگی میں رسول اللہ علیہ وسلم نے سفر کی حالت میں ایک نماز بھی بغیر قصر کے نہیں پڑھی اور نہ ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اور نہ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بغیر قصر کے پڑھی۔

اس کا جواب زہری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام حکومت میں اعلان کر دا رکھا تھا کہ حج کے موسم میں تمام صوبوں کے امراء آیا کریں اور جس کسی کو ان کے خلاف کوئی شکایت ہو وہ آ کر بیان

Marfat.com

کیا کرے تاکہ ان کی اصلاح ہوتی رہے۔ چنانچہ عموماً نو مسلم عجمی بہت آیا کرتے تھے اور چونکہ حج کے سفر پر مسافر ہونے کی وجہ سے تمام لوگ قصر سے ہی نماز پڑھا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ حضرت عثمانؓ کو یہ بھی خبر پہنچی کہ بعض دیہاتی لوگ سمجھ بیٹھے ہیں کہ نماز ہی دو دو رکعت ہے۔ چنانچہ اس کی اصلاح کے لیے اور انہیں مسئلہ سمجھانے کے لیے آپ نے نماز پوری پڑھی اور قصر نہ کی۔

بعض نے کہا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے چونکہ مکہ میں نکاح کیا تھا اور چونکہ آپ متاہل تھے اس لیے قصر نہ کی۔ لیکن یہ درست نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرۃ القضا میں میمونہؓ بنت حارث سے شادی کی تھی اس کے باوجود آپ نے نماز قصر سے پڑھی۔ اس لیے اصل وجہ یہی ہے کہ کچھ لوگوں کو سبق دینے کے لیے ایسا کیا تھا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز سکھانے کے لیے ایک مرتبہ نماز منبر پر پڑھی اور قیام و رکوع منبر پر ہی کرتے اور سجدہ چونکہ منبر پر نہ ہو سکتا تھا اس لیے منبر سے نیچے اترتے اور مصلیٰ پر سجدے کرکے قیام کے لیے پھر منبر پر چڑھ جاتے حالانکہ بغیر وجہ کے آج اتنی حرکت سے نماز کو کوئی بھی جائز نہیں سمجھتا۔

قصر کے متعلق اصل مسئلہ واقعی یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام زندگی میں ایک نماز بھی سفر میں پوری نہیں پڑھی۔ بلکہ قصر کی ہے۔ چنانچہ آج تک تمام حاجی خواہ وہ مکہ شہر کے رہنے والے ہوں

Marfat.com

یا باہر سے آئے ہوئے ہوں مکہ سے نکل کر منیٰ، مزدلفہ، اور عرفات کے قریبا دس بارہ میل کے سفر میں قصر سے نماز ادا کر کے سنت پر عمل کرتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود سفر میں پوری نماز پڑھ لینے کو جمہور نے جائز رکھا ہے، اگرچہ افضل نہیں ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے ان سے پوچھا گیا کہ حضرت عثمانؓ نے منی میں ظہر کتنی رکعت پڑھی ہے کہا چار رکعت اس کے بعد عبداللہ بن مسعودؓ نے عصر کی نماز پڑھی تو چار رکعت ادا کی ان سے کہا گیا کہ آپ تو فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے سفر میں کبھی بغیر قصر کے نماز نہ پڑھی تو اب آپ خود ہی نماز پوری ادا کر رہے ہیں تو عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں اختلاف سے بچنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ اختلاف بہت بری چیز ہے۔ اس روایت سے میرا مقصد یہ ہے کہ جمہور نے سفر میں پوری نماز پڑھنے کو بھی جائز رکھا ہے۔

وجہ شہادت

سابقہ صفحات سے آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی وجہ نہ تو ان کا خرچ کرنا تھا۔ اور نہ ہی اموی امراء تھے نہ اس میں مروان قصوروار تھا اور نہ ہی کوئی اور مسئلہ شہادت عثمانؓ کی وجہ تھا۔ اصلی وجہ جو تھی وہ صرف حضرت عثمانؓ کی نرمی اور رحم دلی تھی ۔

Marfat.com

نکوئی بابداں کردن چناں است — کہ بد کردن بجائے نیک مرداں
زمینِ شور سنبل بر نیارد — درو تخم عمل ضائع مگرداں

جب حضرت عثمان رضؓ کو معلوم ہو چکا تھا کہ بعض فتنہ پرداز لوگوں کو جھوٹی خبریں پہنچا پہنچا کر ایک فتنہ عظیم کھڑا کر دینا چاہتے ہیں اسی وقت اسے سختی سے دبا دینا چاہئے تھا۔ اور صوبوں کے حکام نے کہا بھی کہ انہیں کچل دینا چاہیئے۔ لیکن حضرت عثمانؓ فرماتے تھے کہ اسلام نے تین وجہ[1] کے بغیر کسی کا خون مباح نہیں کیا یا زانی ہو یا قاتل ہو یا مرتد ہو جائے جب ان میں سے انہوں نے کوئی کام نہیں کیا تو میں انہیں قتل کیسے کروں۔ اسی لیے آپ فرماتے تھے کہ جہاں تک ہو سکے گا میں تمہیں مراعات دیتا

---

[1] میرے خیال کے مطابق اسلامی حکومت اگر صحیح ہو اور کتاب وسنت کے مطابق احکام کا نفاذ ہو رہا ہو تو شخص بھی اس اسلامی نظام کو درہم برہم کرنے کی کوشش کرے یعنی کتاب وسنت کے مطابق صحیح اسلامی حکومت کی جو شخص بغاوت کرے اس کی سزا بھی وہی ہونی چاہئے۔ جو مرتد کی سزا ہے۔

دوسری اس کی سزا محارب اور فسادی کی بھی ہو سکتی ہے (سورۂ مائدہ) کیونکہ اسلامی نظام میں حکومت ہر انسان کی جان، مال اور آبرو کی ذمہ دار ہوتی ہے اور اگر کوئی شخص ایک آدمی کو لوٹے تو اس کی سزا دردناک موت اور سولی تک ہو۔ اور اگر اس حکومت کو جو مسلمانوں کی جان ومال اور آبرو کی ذمہ دار ہے لوٹے یعنی اسلامی نظام سے بغاوت کرے اس کی سزا کیوں نہ پھانسی ہو۔ اور اگر حضرت عثمان رضؓ ان لوگوں کو شروع سے ہی دبا دیتے تو معاملہ اتنا نہ بڑھتا۔ لیکن ہوتا وہی ہے جو منظور خدا ہوتا ہے ۱۲

جاؤں گا اور حتی الوسع درگزر کروں گا۔

اسلامی خانہ جنگیوں کی وجہ

حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کی وجہ تو ان کی رحم دلی اور جودت نفس ہوئی تھی کہ اپنی جان بھی امن عامہ پر قربان کر دی۔ لیکن جو مسلمانوں کی آپس کی جنگیں ہوئیں اس کی کیا وجہ تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کی آپس کی خانہ جنگی کسی بغض و عناد کی وجہ سے نہ ہوئی۔ نہ ہی ان میں کوئی رقابت تھی۔ بلکہ ہمسایہ حکومتیں اور قومیں جو مسلمانوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو چکی تھیں۔ اب ان میں مقابلہ میں آنے کی تو سکت نہ تھی۔ البتہ انہوں نے سازشوں سے مسلمانوں میں خانہ جنگی پھیلانے کی پوری کوشش کی۔ اور خصوصاً اسلامی خلافت کو درہم برہم کرنے میں کوئی کمی نہ کی۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی ایک عیسائی غلام کے ہاتھوں ہوئی اور تاریخ کے صفحات بتاتے ہیں کہ عیسائی غلام بھی اکیلا نہ تھا۔ بلکہ اس میں بھی جیرہ جیسی رومی ریاست کا ایجنٹ اور ہرمزان کا مشورہ شامل تھا۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے وقت بھی ابن سبا رومی الاصل یہودی جو صنعاء کا باشندہ تھا کی سازش کامیاب ہوئی جو اگر ایک طرف سلطنت روم کا ایجنٹ گردانا جا سکتا ہے تو دوسری طرف اس نے پور پولوس کا پارٹ ادا کیا۔ جس نے یہودی ہو کر عیسائیت کا لبادہ اوڑھا اور عیسائی مذہب میں ایسے عقاید شامل کر دئے کہ اصل عیسائیت

Marfat.com

کو بالکل نابود کر کے ایک نیا مذہب ایجاد کر دیا۔ جو شرک کے سوا کچھ نہ رہ گیا۔

عبداللہ بن سبا چونکہ یہودی تھا اس لئے اسے اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا اس نے اپنی ایجنٹی کے لیے کوفیوں، فارسیوں اور رومیوں کو منتخب کیا۔ اور عرب اس کی سازش میں کم ہی ملوث ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمان رضؓ کی لاش پر عمیر بن ضابی جبؓ پاؤں کی ٹھوکریں مار مار کر خلیفہ کی پسلیاں توڑ رہا تھا۔ اور ساتھ ہی کہہ رہا تھا کہ تو نے ہی میرے باپ کو قید کیا تھا جو بیچارہ قید میں ہی مرگیا۔ حالانکہ جو بھی کافر مسلمانوں سے مقابلہ کرتے ہوئے مارا جائے دراصل وہ اسلام کا مقابلہ کرنے کی وجہ سے اپنی سزا پاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قاتلان عثمان رضؓ حضرت عثمان رضؓ کو خلافت سے نااہل سمجھنے کی وجہ سے شہید نہیں کر رہے تھے۔ بلکہ دراصل اپنے کافر بھائیوں کے انتقام میں قتل کر رہے تھے۔

جس طرح حضرت عثمان رضؓ کی شہادت عجمی سازشیوں کا کارنامہ تھا بالکل اسی طرح جنگ جمل اور جنگ صفین کی جنگیں بھی انہی کی وجہ سے ہوئیں۔ چنانچہ جنگ جمل میں جب فریقین کی آپس میں اس بات پر مصالحت ہو گئی کہ قاتلان عثمان رضؓ سے قصاص لیا جائے۔ اور حضرت علی رضؓ نے اعلان فرما دیا کہ جس جس نے قتل عثمان رضؓ میں حصہ لیا ہے وہ ہم سے الگ ہو جائے۔ چنانچہ قریبا دو ڈھائی ہزار آدمی الگ

۱؎ تاریخ اسلام اکبر شاہ نجیب آبادی صفحہ ۴۵۶

ہو گئے۔ عبداللہ بن سبا جو اصل شرارت کی جڑھ تھا۔ وہ بھی ان میں تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اب صلح تو ہمارے خون پر ہوئی ہے اس میں ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ فیصلہ یہ ہوا کہ حضرت علی رضہ کے لشکر کے قریب ہی رہو اور موقع کی تاک میں رہو۔

چنانچہ جس دن صلح نامہ طے پا گیا۔ اور دوسرے دن حضرت علی رضہ نے بحیثیت امیر المومنین بصرہ میں بیعت لینا تھی کہ رات کو انہیں سبائی ایجنٹوں نے کچھ تیر اس لشکر میں پھینک دئے کچھ تیر دوسرے لشکر میں پھینک دیے دونوں نے سمجھا کہ ہم سے غداری ہوئی۔ اتنی خونریز جنگ ہوئی۔ کہ دس ہزار مسلمان آپس میں لڑ کر شہید ہو گئے۔

اس وقت حضرت علی رضہ قرآن دکھا دکھا کر عوام کو لڑائی سے روکتے رہے تاکہ تحقیق کی جا سکے لیکن سبائی گروہ طرفین میں تلوار چلاتے رہے اور باوجود روکنے کے مسلمانوں کو بے دریغ قتل کرتے رہے جنگ بند ہونے کے بعد حضرت علی رضہ نے فریقین کے شہداء کی تجہیز و تکفین کی اور سب کی نماز جنازہ ادا کی۔[1]

پھر حضرت علی رضہ نے حضرت عائشہ رضہ صدیقہ کو چند سواروں کے ہمراہ مدینہ منورہ کی طرف روانہ کیا۔[2]

حضرت عائشہ صدیقہ رضہ نے لوگوں کو الوداع کہا اور ان کے لئے دعا کی اور حضرت علی رضہ کو فرمایا بیٹا ہمیں ایک دوسرے پہ ناراضگی نہ کرنا

---

[1] البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۳۹ [2] البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۴۵۔

Marfat.com

جا ہیئے۔ اللہ کی قسم میرے اور علی رضہ کے درمیان بالکل ایسا ہی معاملہ ہے۔ جیسے عورت کا اس کی سالیوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا واقعی یہ مائی صاحبہ نے سچ فرمایا ہے۔ یقیناً یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ مائی عائشہ رضہ کے ساتھ کئی میل پیدل الوداع کہنے آئے۔

اس واقعہ سے سب حقیقت آشکارا ہو گئی کہ جنگ جمل میں بھی غیر ملکی ایجنٹوں یعنے سبائی پارٹی کی ہی شرارت تھی۔ اور غلط فہمی سے مسلمان آپس میں لڑے۔ ورنہ نہ کوئی دشمنی تھی۔ نہ کوئی بغض و رقابت تھی۔

اسی طرح جنگ صفین میں بھی ان سبائی خارجیوں کا ہی ہاتھ تھا[1]

---

[1] حضرت علی رضہ نے جب دیکھا کہ لشکری لوگ شامی مسلمانوں کو سب و شتم کرتے ہیں تو حضرت علی نے ایک گشتی مراسلہ سے اعلان عام کیا من کتاب لہ علیہ السلام الی الامصار یقتص فیہ ماجری بینہ وبین اہل صفین وکان بدء امرنا التقینا والقوم من اہل الشام والظاہر ان ربنا واحد ونبینا واحد ودعوتنا فی الاسلام واحدۃ لا نستزیدہم فی الایمان باللہ والتصدیق برسولہ ولا یستزیدوننا۔ الامر واحد الا ما اختلفنا فیہ من دم عثمان ونحن منہ براء (نہج البلاغۃ ص ۱۵۹ ج ۲) جس کا ملخص یہ ہے کہ ہم دونوں فریق مسلمان ایک خدا اور رسول کو ماننے والے ہیں۔ ہم ان سے زیادہ مسلمان (باقی برصفحہ

اور ان کی وجہ سے ہی جنگ ہوئی۔ بلکہ حضرت علیؓ کی شہادت بھی ان ہی کے ہاتھوں ہوئی اور جنگ نہروان میں تو ان خارجیوں نے راہ گذر مسلمانوں کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہ کیا۔

یہ تمام سبائی دراصل غیر ملکی ایجنٹوں کے ہاتھوں کٹ پتلی بنے رہے اور ان کے سردار عبداللہ بن سبا نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر ایسے ایسے عقاید رائج کر دیے۔ جن کی وجہ سے سبائیوں میں تو وہ ایک شیخ کی حیثیت رکھتا تھا۔ لیکن درپردہ اسلام کی جڑیں کاٹتا رہتا۔

کیا شہادت عثمانؓ میں حضرت علیؓ کا ہاتھ تھا؟

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سازش قتل میں حضرت علی رضؓ شریک تھے یا ان میں ان کا ہاتھ تھا۔ یا ان کے اشارہ پر ہوا۔ یہ بہت بڑا افتراء اور کذب ہے کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تو وہ شخصیت تھے جنہوں نے حضرت عثمان رضؓ کا سب سے زیادہ دفاع کیا۔ اور اپنے دونوں بیٹوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۶) نہیں ہیں کہ انہیں برا کہا جائے البتہ ہم میں اور معاویہ میں اختلاف حضرت عثمان رضؓ کے خون کی وجہ سے ہے حالانکہ میں اس سے بری الذمہ ہوں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت علی رضؓ امیر معاویہ رضؓ اور ان کے لشکریوں کو مسلمان سمجھتے تھے اور حتی الوسع جنگ وجدال سے کنارہ کشی کرتے رہے البتہ مجبوری جنگ صفین میں بھی جنگ جمل کی طرح مڈبھیڑ ہو گئی۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ صفین کے بعد صلح ہو جانے پر جب کوئی سبائیوں کے لیے کوئی مقام نہ رہا۔ تو انہوں نے الگ ہو کر نہروان میں اپنا خالص محاذ قائم کر لیا۔ اور مسلمانوں کو بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا۔

Marfat.com

حسن رضؓ و حسین رضؓ کو دروازہ پر مامور فرمایا۔ بلکہ حضرت حسن رضؓ تو حضرت عثمان رضؓ کے دفاع میں زخمی بھی ہوئے۔[1] پچھلے صفحات سے بھی بالکل عیاں ہے کہ بلوائیوں کو واپسی پر مجبور کرنے میں حضرت علی رضؓ پیش پیش تھے۔

بعض لوگوں نے صحابہ کرام کا نقشہ کچھ اس طرح پیش کیا ہے۔ جیسے ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ نے اپنے پیغمبر کے صحابہ کرامؓ کی صفت رحماء بینھم بیان فرمائی ہے کہ ایک دوسرے کے بہت ہمدرد، خیر خواہ تھے۔ کسی کے دل میں کسی کے لیے کوئی بغض و عناد نہ تھا۔ چنانچہ اس کے بے شمار دلائل سے قطع نظر صرف ان کی اپنی نجی زندگی کو ہی دیکھا جائے کہ ہر شخص اپنی اولاد کے نام دوسرے صحابہ کے نام مبارک پر رکھتا ہے۔ اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ آج تک کبھی کسی نے دشمنوں کے نام اپنی اولاد کے نہیں رکھے۔ کوئی شخص اپنی اولاد کے نام فرعون، نمرود، شداد، ابولہب، ابو جہل وغیرہ نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ نام رکھتے ہیں جن سے بہت عقیدت ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضؓ کے[2] چودہ لڑکے تھے حسن، حسین، محمد اکبر، عبید اللہ، ابوبکر، عباس اکبر، عثمان، جعفر، عبد اللہ، محمد اصغر، یحییٰ، عون، عمر، محمد اوسط اور ان میں سے سات لڑکے میدان کربلا میں شہید ہوئے۔ حسین، ابوبکر، عباس اکبر، عثمان، جعفر، عبد اللہ، محمد اصغر، پھر حضرت حسن اور حسین کی اولاد میں

[1] البدایہ والنہایہ ص۱۸۶ [2] طبقات ابن سعد ص۲۹

بھی یہ نام کثرت سے ملتے ہیں۔

اس کے علاوہ صحابہ کرام خصوصاً خلفائے راشدین کے آپس میں رشتے ناطے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ صحابہ آپس میں بہت پیار و محبت سے رہتے تھے اور ایک دوسرے کے پورے پورے ہمدرد و خیر خواہ تھے۔ اس لیے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شہادت عثمان رض کی سازش میں حضرت علی کا ہاتھ ہو۔ خصوصاً جبکہ حضرت علی رض اللہ کی قسم اٹھا کر اپنی بریت فرما رہے ہوں:

عن ابن عباس قال	عبداللہ بن عباس کہتے ہیں حضرت
قال علی ان شاء الناس	علی فرماتے تھے کہ اگر لوگ چاہیں تو میں
حلفت لهم عند مقام	خانہ کعبہ میں کھڑا ہو کر اللہ کی قسم کھانے
ابراهيم بالله ماقتلت	کو تیار ہوں کہ میں نے حضرت عثمان
عثمان رض ولا امرت	کو نہ قتل کیا اور نہ حکم کیا بلکہ بلوائیوں
بقتله ولقد نهيتهم	کو روکتا رہا لیکن انہوں نے میری بات
فعصونی	نہ مانی۔

اتنی زبردست شہادت کے بعد حضرت علی رض کی ذات پر شبہ کرنا بھی کبیرہ گناہ ہے کہ سازش قتل میں حضرت علی کا ہاتھ ہو۔

معترض یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ اگر حضرت علی رض واقعی اس واقعہ کو ناپسندیدہ فرماتے تو خود حضرت عثمان رض کے دشمنوں سے لڑتے اور دفاع کرتے چونکہ حضرت علی رض نے دفاع نہیں کیا۔ اس لیے یہ

Marfat.com

شبہ ہو سکتا ہے۔

یہ بھی ایک خام خیالی ہے کہ حضرت علیؓ نے تلوار پکڑ کر دفاع کیوں نہ کیا۔ جب تک تلوار کے بغیر دفاع ہو سکتا تھا اس وقت تک خود دفاع فرماتے رہے اور جب تلوار پکڑ کر دفاع کرنے کا وقت آیا تو اس وقت ان بلوائیوں نے حضرت علی رضؓ کو بھی محصور کر لیا تھا۔ اور ان کو آزاد چھوڑ نے کی صرف ایک ہی صورت رہ گئی تھی کہ مدینہ سے باہر چلے جائیں چنانچہ حضرت علی رضؓ مجبوراً مدینہ کے نواحی علاقہ احجار زیت میں چلے گئے علامہ ابن سعد لکھتے ہیں:

[1] ان عثمانؓ بعث الیٰ علی رضؓ وھو محصود فی الدار ان ائتنی فقام علی لیاتیہ فقام بعض اھل علی رضؓ حتی حبسوہ قال الاتری الی ما بین یدیک من الکتائب؟ لا تخلص الیہ وعلیٰ علیؓ عمامۃ سوداء	حضرت عثمان رضؓ جب گھر میں محصور تھے تو انہوں نے حضرت علی رضؓ کو بلا بھیجا حضرت علی رضؓ جب آنے کے لیے اٹھے تو وہی لوگ جو اپنے کو حضرت علی رضؓ کا طرفدار کہتے تھے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور ادھر آنے سے روک دیا اور کہا کہ تم ان لشکروں کو نہیں دیکھتے۔ تم کو آگے نہیں جانے دیا جائے گا۔ اس وقت حضرت علی رضؓ کے سر پہ سیاہ پگڑی تھی اسے اتار کر حضرت عثمان رضؓ

[1] طبقات ابن سعد ص ۴۶ ج ۳

فنقضها علی راسه ثم رمی بها	کے قاصد کی طرف پھینک دیا اور
الی رسول عثمان وقال اخبره	فرمایا کہ تو نے جو دیکھا ہے اس کی خبر
بالذی قد رایت ثم خرج	حضرت عثمان رض کو دے دے پھر مسجد
علی من المسجد حتی انتہیٰ	سے نکل کر نواح مدینہ احجار زیت میں
الی احجار زیت فی سوق المدینۃ	چلے گئے۔ پھر جب باغی لوگ حضرت عثمان رض
فاتاہ قتلہ فقال اللھم انی	کو شہید کر کے حضرت علی رض کے پاس
ابرء الیک من دمہ	پہنچے تو فرمایا اے اللہ میں عثمان رض کے
ان اکون قتلت اومالأت	خون سے بری الذمہ ہوں نہ میں نے
علی قتلہ	قتل کیا اور نہ ہی کوئی اشارہ تک کیا

اس حوالہ سے حضرت علی رض کی بے بسی ٹپکتی ہے کہ کتنے مجبور تھے اگر حضرت علی رض کے بس کی کوئی بات ہوتی تو یہ ہنگامہ کبھی نہ ہونے دیتے بلکہ فرماتے تھے کہ مجھ سے زبردستی یہ لوگ آگے بڑھ گئے۔

ایک یہ بھی اعتراض ہو سکتا ہے کہ مدینہ میں اس وقت سات سو صحابہ موجود تھے۔ حضرت علی رض ان سب کو ساتھ لے کر بھی دفاع نہ کر سکے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو درست ہے کہ سات سو صحابہ موجود تھے لیکن باغی تو تین ہزار تھے۔ اور اکثر صحابہ کرام حج کو چلے جانے کی وجہ سے مدینہ میں تھوڑے رہ گئے تھے۔ دوسرا جو رہ گئے تھے ان کا بھی خیال تھا کہ معاملہ یہاں تک طول نہیں کھینچے گا۔ تیسرے بڑے بڑے صحابہ نے مصلحت[1] کے لیے کنارہ کشی کی تاکہ جو لشکر شام و بصرہ سے آ رہے ہیں

[1] البدایہ والنہایہ ص۱۸۱ ج۷

Marfat.com

وہ پہنچ جائیں نیز جب لوگ حج سے واپس آجائیں گے تو خود بخود باغی بھاگ جائیں گے۔ البتہ اپنے لڑکوں کو دروازہ پر پہرہ دینے کے لیے بھیج دیا تھا تاکہ دفاع تو رہے لیکن معاملہ خونریزی تک نہ پہنچے۔ چوتھا حضرت عثمان رضؓ صحابہ کو سختی سے روکتے رہے۔ کیونکہ حضرت عثمان خونریزی سے گریز ہی کرتے رہے۔ اور سمجھتے تھے کہ اگر خدانخواستہ لڑائی میں بھی شکست ہی ہو تو صحابہ کرام کی جانیں تلف کیوں ہوں۔ اس سے بہتر ہے کہ میں اکیلا شہید ہو جاؤں۔ چنانچہ علامہ ابن سعد نقل فرماتے ہیں۔

قال ابو هريرة دخلت على عثمان يوم الدار فقلت يا امير المؤمنين طاب امضرب؟ فقال يا ابا هريرة ايسرّك ان تقتل الناس جميعا واياى؟ قال قلت لا قال فانك والله ان قتلت رجلا

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ محاصرہ کے دن میں حضرت عثمان رضؓ کے پاس پہنچا اور کہا اے امیر المومنین ہم خاموشی سے ہی مار کھالیں یا آپ لڑائی کا حکم دیں گے؟ حضرت عثمان نے فرمایا ابوہریرہ تمہیں یہ چیز پسند ہے کہ میں بھی قتل ہو جاؤں اور دوسرے مسلمان بھی سب قتل ہو جائیں۔ میں نے کہا نہیں تو فرمایا کہ اگر تو نے ان کا ایک آدمی بھی قتل کر دیا تو وہ تمام

۱؎ طبقات ابن سعد صفحہ ۳۰/۳

Marfat.com

واحدا فکانما قتل الناس	مسلمانوں کو قتل کر دیں گے۔
جمیعا قال فرجعت و	ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں یہ سن کر
لم اقاتل۔	واپس لوٹ گیا۔

یعنی باغی تو آئے ہی فساد کی نیت سے تھے اور حج کا نام لے کر آئے تھے۔ دھوکہ سے مدینہ میں ہی رہ گئے۔ اب تھوڑے صحابہ کو بھی اپنے ساتھ شہید کروا لینا حضرت عثمان رضؓ نے نامناسب سمجھا اس لیے معاملہ کو التواء میں ڈالتے رہے تاکہ لوگ حج سے واپس آجائیں۔ جب باغی لوگ دیکھیں گے کہ مدینہ میں بہت لوگ آرہے ہیں تو خود بخود چلے جائیں گے۔ اور مدینہ میں حج سے پیچھے رہ جانے والے صحابہ میں سے جو بھی بڑے بڑے صحابہ تھے ان سب پر پہرہ بٹھا رکھا تھا کہ حضرت عثمان رضؓ سے وہ ملاقات نہ کر سکیں جیسا کہ حوالہ سابق میں گذرا ہے۔

ایک آخری اعتراض یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر واقعی شہادت عثمان رضؓ کا واقعہ حضرت علی رضؓ کی منشاء کے خلاف ہوا ہے۔ تو پھر اپنی خلافت میں انہوں نے حضرت عثمان رضؓ کے خون کے قصاص میں انہیں قتل کیوں نہ کیا؟

اصل وجہ یہ ہے کہ حضرت علی کا پورا ارادہ تھا کہ ان قاتلوں سے قصاص لیا جائے۔ لیکن حضرت علی رضؓ کو اپنی پانچ سالہ خلافت میں ان پر پورا تسلط ہی نہ ہو سکا۔ اگر تسلط پورا ہو جاتا تو ضرور ان سے قصاص لیتے۔

جب حضرت عثمانؓ شہید ہو گئے اس وقت مدینہ میں ان باغیوں کا ہی تسلط تھا۔ اور وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ فوراً کسی کو خلیفہ منتخب کر لینا چاہیئے ہماری خیر اسی میں ہے ورنہ بیرونی لشکر ان میں سے کسی ایک کو بھی نہ چھوڑتے چنانچہ وہ سب اکٹھے ہو کر حضرت علی رضؓ کے پاس گئے کہ آپ ہم سے بیعت لے لیں۔ حضرت علیؓ نے انکار کر دیا۔ پھر اسی طرح حضرت طلحہ رضؓ کے پاس گئے انہوں نے بھی انکار کر دیا۔ پھر حضرت زبیر رضؓ کے پاس گئے انہوں نے بھی انکار کر دیا۔ جب ان باغیوں نے دیکھا کہ ہماری بیعت کوئی بھی قبول نہیں کرتا تو انہوں نے اعلان کر دیا کہ اگر تین دن کے اندر اندر ہم سے بیعت لے لو تو فبہا ورنہ ہم علی رضؓ طلحہ رضؓ زبیر رضؓ تینوں کو قتل کر دیں گے۔ چنانچہ لوگوں کے کہنے کہلانے پر حضرت علی رضؓ نے مجبوراً بیعت قبول کر لی۔ اس کے بعد حضرت طلحہ رضؓ اور حضرت زبیر رضؓ کو زبردستی لایا گیا تاکہ وہ بھی بیعت کریں۔ لیکن دونوں نے انکار کر دیا۔ باغیوں نے کہا کہ ہم انہیں بھی قتل کر دیتے ہیں۔ بالآخر ان دونوں نے اس شرط پر بیعت کی آپ کتاب و سنت کے مطابق حکم دیں اور حدودؓ شرعی نافذ کریں۔ لیعنی قاتلان عثمانؓ سے قصاص لیں۔ دوسرے دن حضرت طلحہ رضؓ اور زبیر رضؓ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ہم نے اس شرط پر بیعت کی تھی کہ قاتلان عثمان رضؓ سے بدلہ لیا جائے۔ اگر آپ نے تامل کیا تو ہماری بیعت فسخ ہو جائے گی۔ چنانچہ تیسرے دن حضرت علی رضؓ

لہ البدایہ والنہایہ ص ۲۲۵ ج ۷ سلہ تاریخ اسلام اکبر شاہ ص ۱۲ ج ۱

نے حکم دیا کہ کوفہ و بصرہ و مصر وغیرہ سے آئے ہوئے تمام اعراب واپس چلے جائیں یہ سن کر عبداللہ بن سبا اور اس کی جماعت نے واپس جانے اور مدینہ خالی کرنے سے انکار کر دیا۔

جب ان لوگوں[1] نے جنہوں نے سب سے پہلے حضرت علی رض سے بیعت کی ان کی اطاعت کا یہ حال تھا تو دوسروں پر تسلط کیسے ہو سکتا تھا۔

اسی طرح جب جنگ جمل میں حضرت علی رض لوگوں کو خدا کا واسطہ دے دے کر جنگ بند کرنے کے لیے کہتے رہے[2] تو بھی ان سبائیوں نے ایک نہ سنی۔ بلکہ حضرت زبیرؓ کے قاتل عمر بن جرموز نے جب سامنے آنے کی اجازت چاہی تو حضرت علی رض نے اسے اجازت نہ دی۔ بلکہ اسے جہنمی کہا اور فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا آپ فرماتے ہیں کہ ابن صفیہ یعنی زبیر رض کے قاتل کو بتا دو کہ وہ جہنمی ہے[3]

اسی طرح جنگ صفین میں حضرت علی رض کو ان سبائی کوفیوں نے دھمکی دی کہ جنگ بند کر دو ورنہ ہم حضرت عثمان رض کی طرح تمہیں بھی[4] قتل کر دیں گے۔ بلکہ جب جنگ نہروان کے بعد حضرت علی رض نے دوبارہ اہل شام سے جنگ کرنے کے لیے اہل عراق یعنی کوفی سبائیوں کو کہا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا اور اپنے اپنے گھروں میں چل دیے اور حضرت علی رض

---

[1] البدایہ والنہایہ ص۲۳۹ [2] البدایہ والنہایہ ص۲۴۲ [3] البدایہ والنہایہ ص۲۷۰
[4] البدایہ والنہایہ ص۳۰۸

Marfat.com

پھر کوفہ واپس آ گئے۔

اور خلافت کے آخری ایام میں تمام کوفی باغی ہو گئے تھے[1] حتیٰ کہ ان اپنے فوجیوں سے مجبور ہو کر امیر معاویہ سے اس چیز پر صلح[2] کر لی کہ عراق میرے قبضہ میں رہنے دیا جائے اور شام پر تمہارا قبضہ رہے۔

جہاں ایسی فوج ہو جو نافرمانی کرنا ہی سیکھی ہو حتیٰ کہ ان سے تنگ آ کر حضرت علیؓ فرمانے "کاش کہ میں[3] آج سے بیس برس پہلے مر چکا ہوتا" اور موت[4] کی تمنا کرتے ہیں۔ ایسی فوج کے ساتھ تسلط کیسے ہو سکتا تھا اور جب تک تسلط نہ ہو قاتلان عثمانؓ سے قصاص کیسے لیا جا سکتا تھا۔

بالآخر اپنے ان نااہل کوفی فوجیوں کی غداری کی وجہ سے حضرت علیؓ نے اپنے لڑکوں کو وصیت کر دی تھی کہ معاویہ سے ٹکرانا نہیں۔ بلکہ ان سے تعاون کرنا تبھی تم اپنے ان غدار ساتھیوں سے نجات حاصل کر سکو گے۔ چنانچہ جنگ صفین کی واپسی سے حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ کو فرمایا لا تکرھوا امارۃ معاویۃ فانکم لو فادقتموہ لرایتم الرؤس تندر عن کواھلھا[5] کہ امیر معاویہ کی امارت کو برا نہ سمجھنا (یعنی تمہارے حق میں بھی بہتر ہی ہو گی) اور اگر تم نے ان کی امارت کو سے علیحدگی اختیار کی (یعنی تم ان کی حمایت حاصل نہ کر سکو گے) تو تم دیکھو گے کہ کس مقدار میں لوگوں کی گردنوں سے کھوپڑیاں اڑیں گی۔ چنانچہ حضرت حسن رضؓ باپ کی اس وصیت

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۳۱۵ و ۳۱۶ ج ۷ [2] البدایہ والنہایہ ص ۳۲۲ ج ۷ [3] البدایہ والنہایہ ص ۲۴ ج ۸۔
[4] البدایہ والنہایہ ص ۳۲۲ ج ۷ [5] نہج البلاغۃ ص ۸۳۲ ج ۳ بروایت حسن والبدایہ والنہایہ ص ۱۳۱ ج ۸ تحت حادث ۱۲ ۔

کی وجہ سے ہی حضرت امیر معاویہ رضؓ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے تھے۔

یہ ہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضؓ ان مجبوریوں کی وجہ سے حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ نہ لے سکے کیونکہ پوری طرح تسلط ہی نہ ہوا تھا ورنہ ان کا اپنا پکا ارادہ تھا کہ ضرور قصاص لوں گا۔

کیا سازش قتل میں کوئی صحابی شریک تھا؟

جب یہ معلوم ہو گیا کہ حضرت علی رضؓ کرم اللہ وجہہ کی ذات گرامی سازش قتل کے داغ سے پاک وصاف ہے تو یہ بھی واضح ہو جانا چاہیے کہ سازش قتل میں کوئی صحابی شریک تھا بھی یا نہیں؟ کیونکہ بعض لوگوں نے یہ بھی ایک اعتراض کیا ہے کہ ان کے حق میں کوئی صحابی بھی نہ رہ گیا تھا بلکہ سب کے سب حضرت عثمانؓ سے متنفر ہو گئے تھے اور ان کے قتل پر راضی تھے۔

جہاں تک میری تحقیق ہے قتل کی سازش میں کوئی ایک صحابی بھی شریک نہ تھا۔ جیسا کہ سابقہ صفحات میں تاثر صحابہ میں گذر چکا ہے۔ نیز یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے اکثر صحابہ اور ان کے صاحبزادے حضرت عثمانؓ کا دفاع کرتے رہے مثلاً حضرت حسنؓ، حسینؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، ابوہریرہؓ، عبداللہ بن عامر بن ربیعہ اور ان کے ساتھ جمع کثیر تھا۔ جو حضرت عثمانؓ کا دفاع کرتے رہے۔ حضرت زیدؓ بن ثابت انصار کی طرف سے نمائندہ ہو کر آئے۔ اور کہا ان شئت کنا انصار اللہ مرتین

---

[1] تاریخ اسلام اکبر شاہ ص ۲۶۸ و ۲۶۹ و ۲۷۰

Marfat.com

کہ اگر ارشاد ہو تو ہم نے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کی تھی دوبارہ انصار بننے کو تیار ہیں صرف حکم کی دیر ہے۔ دوسری طرف عبد اللہ رضؓ بن عمر رضؓ مہاجرین کے ہمراہ آئے اور کہنے لگے کہ جس قدر بلوائی آپ پر چڑھ آئے ہیں یہ وہی ہیں جو ہماری تلواروں سے مسلمان ہوئے ہیں اور اب بھی ہمارا رعب ان پر ویسا ہی ہے۔ یہ شیخیاں صرف اس لیے لگاتے ہیں کہ کلمہ پڑھتے ہیں اور آپ ان کے کلمہ کا پاس کرتے ہیں اگر حکم دیں تو ابھی ان کو مزہ چکھادیں۔ پھر حضرت عثمان رضؓ کے غلاموں کی ایک خاص تعداد تھی لیکن حضرت عثمان رضؓ نے سب کو روکا اور فرمایا کہ میں اپنے لیے خونریزی نہیں کرانا چاہتا

واللہ لئن اقتل قبل الدماء احبّ الی من ان اقتل لعد الدماء

فرماتے اللہ کی قسم میں خونریزی پہلے قتل ہوتا بہت اچھا سمجھتا ہوں اس سے کہ خونریزی کے بعد قتل ہوؤں۔ موت تو آنی ہی ہے لیکن میں اپنی جان کی خاطر خون گرانے کو تیار نہیں ہوں۔ اس کے باوجود صحابہ نے دفاع کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

البتہ محمد بن ابوبکر رضؓ کو عبد اللہ بن سبا کی سازشی چھٹی نے ضرور متاثر کر لیا تھا۔ لیکن جب محمد بن ابوبکر رضؓ حضرت عثمان رضؓ کے سامنے گئے۔ اور حضرت عثمان رضؓ نے صرف چند باتیں ہی کیں تو محمد بن ابوبکر رضؓ نادم ہو کر واپس چلے گئے اور پھر اس کے بعد کسی فریق میں حصہ نہ لیا۔

عمار بن یاسر رضؓ کی طرف بھی کچھ باتیں منسوب ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عمار بن یاسر نے ایک دفعہ عباسؓ بن عتبہ کو برا بھلا کہا تھا۔ گالیاں دیں۔

لہ البدایہ والنہایہ ص۱۸۱

جس کی وجہ سے حضرت عثمانؓ نے ان کو سزا دی تھی۔ حالانکہ یہ واقعہ بھی یہ چیز ثابت نہیں کرتا کہ حضرت عمار رضؓ حضرت عثمان رضؓ کے قتل کے حق میں تھے۔ بلکہ حضرت عمار رضؓ بھی ان لوگوں میں تھے جو مفسدین کو سمجھانے میں پوری کوشش صرف کر رہے تھے۔ فرماتے تھے سبحان اللہ قد اشتری بیر رومۃ وتمنعونہ ماء ھا۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ جس نے کنواں خرید کر وقف کیا تھا آج اس سے اس پانی روک رہے ہو۔ عبداللہ بن مسعود جیسے لوگ حضرت عثمان رضؓ کا مخالف بتلاتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ مھلا فانکم ان تقتلوہ لا تصیبون مثلہ اس قتل کے خیال سے باز آجاؤ واللہ اگر تم نے اسے قتل کر دیا تو تمہیں اس جیسا امیر نہیں ملے گا۔ حضرت علی رضؓ جیسے لوگ حضرت عثمان کا بہت بڑا مخالف ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں اپنے دونوں لڑکوں کو اور آل جعفر کو اور اپنے غلام قنبر کو دروازہ پر پہرہ دینے کے لیے متعین کیا تھا۔ طلحہ رضؓ اور زبیر رضؓ نے اپنے اپنے لڑکوں کو دروازہ پر پہرہ دینے کے لیے بٹھا دیا تھا اور خود مفسدین کو سمجھانے میں مصروف تھے۔ حتی کہ اس دفاع میں حضرت حسن رضؓ زخمی ہوئے محمد بن طلحہ رضؓ اور قنبر نے سر پر زخم کھائے۔ لیکن مفسدین کو دروازہ کے راستہ اندر نہ آنے دیا۔ حضرت علیؓ نے قسم کھا کر فرمایا واللہ قد دفعت عنہ اللہ کی قسم میں نے پورا دفاع کیا۔ لیکن مفسدین مجھ پر غالب آ گئے۔

اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ حضرت علی رضؓ نے اس وقت عوام کی مخالفت کے ڈر سے اس طرح کہہ دیا تھا تو پھر جب کوفہ میں دور خلافت

میں بر سر منبر اپنے خطبہ میں تین بیلوں کا واقعہ بیان فرمایا کہ میری اور عثمانؓ کی مثال ان تین بیلوں کی طرح ہے جو کسی جنگل میں تھے ایک سیاہ ایک سرخ ایک سفید اور وہاں ایک شیر بھی رہتا تھا ان کے اتفاق کے سبب شیر ان پر قابو نہ پا سکتا تھا۔ شیر نے ان میں سے سیاہ اور سرخ بیلوں سے کہا کہ اس جنگل میں ہمارے ہونے کا کوئی پتہ نہیں دیتا مگر یہ سفید بیل کیونکہ اس کا رنگ کھلا ہے بعد دور سے نظر آجاتا ہے۔ اور تمہارا رنگ میرے رنگ پر ہے اس لیے اگر تم کہو تو میں اس کو کھالوں۔ ان دونوں نے کہا کھالو۔ اس کے بعد چند روز بعد سرخ بیل کو کہا کہ تیرا رنگ میرے رنگ پر ہے۔ اس لیے اگر تم کہو تو اس سیاہ بیل کو کھالوں اس نے کہا کھالو اس کے بعد شیر نے سرخ بیل سے کہا اب میں تجھے بھی کھاتا ہوں اس نے کہا کہ مجھے اتنی مہلت دے کہ میں تین مرتبہ آواز لگالوں شیر نے کہا لگالے۔ چنانچہ اس نے تین دفعہ آواز لگائی خبردار میں اسی روز کھا لیا گیا جبکہ سفید بیل کھایا گیا۔ پھر امیر المؤمنین حضرت علی رضؓ نے اپنی آواز کو بلند کیا اور فرمایا خبردار میں سبک ہو گیا ہوں اسی دن کہ عثمان رضؓ قتل ہوئے۔

یہ قصہ اس حد تک مشہور اور تواتر کو پہنچ چکا ہے کہ فریقین کی کتابوں میں مذکور ہے۔ اور ابن سمان نے قیس بن عباد سے دیلمی میں روایت کی ہے۔ حضرت علی رضؓ سے کہ میں نے جنگ جمل کے دن سنا فرماتے تھے۔

لہ تحفہ اثنا عشریہ صہ ۱۲

اللھم انی ابرء الیک من
دم عثمان ولقد طاش عقلی
یوم قتل عثمان وانکرت
نفسی وجاءونی للبیعة
فقلت الا استحی من
الله ان ابایع قوما قتلوا
رجلا قال رسول
الله صلی الله علیه
وسلم الا استحی رجلا
تستحی منه الملئکة
وانی لا ستحیی من
الله ان ابایع وعثمان
قتیل فی الارض لم
یدفن بعد فانصرفوا
فلما دفن رجع الناس
یسئلون البیعة
فقلت اللھم انی
مشفق مما اقدم
علیه ثم جاءت عزیمة

اے اللہ میں بری ہوں عثمان رضہ کے خون
سے جس دن عثمان قتل ہوئے میری
عقل گم ہو گئی (یعنی وہم بھی نہ تھا کہ
ایسے بھی ہو جائے گا) مجھے یہ واقعہ سخت
ناگوار ہوا۔ پھر میرے پاس بیعت کرنے
آئے تو میں نے کہا کہ مجھے شرم آتی
ہے کہ میں اس قوم سے بیعت لوں
جس نے ایک ایسے آدمی کو قتل کر دیا
ہے جس کے متعلق رسول اللہ نے فرمایا
ہے کہ میں کیسے نہ اس سے شرماؤں
جس سے فرشتے بھی شرماتے ہیں"۔ اللہ
مجھے شرم آتی ہے کہ میں بیعت لوں حالانکہ
ابھی تک عثمان کی لاش بھی اسی طرح
پڑی ہے کہ دفن نہیں ہوئی۔ تب وہ
لوگ چلے گئے اور دوسرے دن لاش
دفن ہو لینے کے بعد آئے تاکہ میں ان
کی بیعت قبول کر دوں تو میں نے کہا
کہ میں یہ اقدام کرنے سے ڈرتا ہوں۔
پھر میرے پاس ایک عزم آئی تو میں

Marfat.com

فبايعت - فقالوا يا امير المومنين فكانما صدع قلبي (تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۲۱۴)	نے بیعت قبول کرلی پھر جب انہوں نے مجھے امیر المؤمنین کہہ کر پکارا تو مجھ پر اتنا بوجھ پڑا جیسے میرا دل پھٹ گیا ہے۔

محمد بن حنفیہ سے روایت ہے۔

ان عليا قال يوم الجمل لعن الله قتلة عثمان في السهل والجبل - (")	کہ حضرت علی نے جمل کے دن فرمایا خدا قاتلین عثمان پر لعنت کرے جہاں بھی ہوں پہاڑوں میں یا صاف زمین میں

دوسری روایت میں ہے

ان عليا بلغه ان عائشة تلعن قتلة عثمان فرفع يديه حتى بلغ بهما وجهه فقال انا العن قتلة عثمان لعنهم الله في السهل والجبل مرتين او ثلثا - (")	کہ حضرت علیؓ کو کسی نے کہا کہ حضرت عائشہ قاتلین عثمانؓ پر لعنت کرتی ہیں تو حضرت علی نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور فرمایا کہ میں بھی قاتلین عثمان پر لعنت کرتا ہوں خدا ان پر لعنت برسائے جہاں بھی ہوں پہاڑوں میں یا صاف زمین میں دو تین مرتبہ فرمایا

حضرت حسینؓ کے پوتے عبد اللہ کے سامنے کسی نے حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کا ذکر کیا تو اتنے روئے کہ داڑھی تر ہو گئی۔

Marfat.com

ان تمام واقعات سے ثابت ہوا کہ کوئی ایک صحابی بھی اور نہ کوئی اہل بیت کوئی بھی حضرت عثمان کے قتل میں شریک نہ تھا اور نہ ہی حضرت عثمان رض کے قتل کو کسی نے پسند کیا بلکہ قاتلین پر لعنت کی اور برائی سے یاد کیا۔

دراصل کوئی صحابی بھی حضرت عثمانؓ کے قتل کے حق میں نہ تھا ہو سکتا ہے کہ ایک یا دو عزلت نشینی کے حق میں ہوں۔ لیکن ان کے علاوہ کوئی ایک صحابی بھی ایسا نہیں کہ جس کی طرف کوئی اس قسم کی بات منسوب ہو حالانکہ صحابہ کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز تھی اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ میں سے اگر ایک یا دو مخالف ہوں تو اس کو مخالفت نہیں۔ بلکہ صداقت کہتے ہیں

کیا اسلامی خانہ جنگیوں کی وجہ سے کسی صحابی پر فتویٰ لگایا جا سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں قرآن مجید میں پیغمبر کے اصحاب کا ایک مقام بیان فرمایا ہے۔

وَاعْلَمُوٓا اَنَّ فِيكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ	اور جان لو کہ تمہارے اندر اللہ کا رسول ہے اگر وہ بہت سے معاملات میں تمہاری بات مان لیا کرے تو تم مشکل میں پڑ جاؤ لیکن اللہ نے تمہارے لیے ایمان کو محبوب کر دیا ہے اور اسے

وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ
وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ
أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ
فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً
وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ
وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ
الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا
بَيْنَهُمَا فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا
عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي
تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ
فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا
بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا
إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ
إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا
بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا
اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ
(حجرات)

تمہارے دلوں میں زینت دی ہے اور کفر اور فسق اور نافرمانی کو تمہارے نزدیک مکروہ کر دیا ہے یہی رشد و ہدایت پر چلنے والے ہیں یہ اللہ کا فضل اور اس کا انعام ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے اور اگر مومنین میں سے دو گروہ جنگ کریں تو ان میں صلح کرا دو پس اگر ایک پر زیادتی ہو تو زیادتی کرنے والے سے اس وقت تک جنگ کرو کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف آجائے۔ پس اگر اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے تو ان کے درمیان عدل و انصاف سے صلح کرا دو۔ کیونکہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ مومن بھائی بھائی ہیں سو بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کی فضیلت و عظمت کو بیان فرمایا ہے کہ وہ ایسے مقام محفوظیت پر پہنچ گئے ہیں کہ گناہ ان سے

Marfat.com

سرزد نہیں ہوتا پہلے یہ فرمایا کہ رسول دوسروں کی اطاعت نہیں کرتا بلکہ اس لیے بھیجا گیا ہے کہ دوسرے اس کی اطاعت کریں۔ اس کے بعد رسول کے پیروؤں کے رسول کی اطاعت کا ذکر کیا ہے اور اطاعت کی بجائے لفظ ایمان اختیار فرمایا کیونکہ اس میں فعل قلب اور اقرار لسان اور فعل جوارح تینوں شامل ہیں پھر ایمان یا اطاعت رسول کا ان کے نزدیک محبوب ہونا بیان کیا اور جو چیز محبوب ہوتی ہے انسان اسے دوسری چیز پہ ترجیح دیتا ہے گویا بتا دیا کہ صحابہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو دل سے بھی اچھا سمجھتے ہیں اور اسی کا ارادہ بھی کرتے ہیں اور زینہ فی قلوبکم میں بتا دیا کہ اطاعت رسول ان کے دلوں میں گھر کر گئی ہے اور وہی ان کو خوبصورت اور پیاری معلوم ہوتی ہے گویا ان کے دل اس طرف کھنچے جاتے ہیں اور پھر ان سے تین قسم کی ظلمتوں کی نفی کی یعنی اگر وہ اطاعت بجا لاتے ہیں تو یہ نہیں کہ ان کی طاعات میں کسی قسم کی ملونی ہو۔ سب سے بڑی ظلمت کفر ہے اس سے اتر کر زبان سے اقرار کرنے کے بعد سستی کرنا ہے۔ جو فسق ہے اس سے اتر کر معمولی نافرمانیاں یعنی لغزشیں ہیں جس کو عصیان سے تعبیر کیا ہے۔ غرض ان تمام لغزشوں اور برائیوں سے صحابہ کا پاک ہونا ان الفاظ میں بیان فرما دیا کہ ان کی طبیعت کفر فسق اور عصیان سے کراہت کرتی ہے اور جس چیز سے انسان کی طبیعت کراہت کرے اس کی طرف وہ کبھی عمداً اقدام نہیں کر سکتا۔ اور اگر غور کیا جائے تو تاریخ ایسا کوئی پاک گروہ پیش کرنے سے عاجز ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبردست قوت

Marfat.com

قدسی کا ثبوت ہے۔ ایسے نفوس زکیہ جن کی پاکی کا خود خدا شاہد ہو کبھی کسی سے غرض نفسانی کی بنا پر برسرپیکار نہیں ہو سکتے۔ بلکہ صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین میں جو باہم مشاجرات ہوئے تاریخ بتاتی ہے کہ ان کی وجہ بھی ان کی زبردست قوت ایمانی تھی کہ وہ جس بات کو سچا سمجھتے اس کے مقابل کسی کی پرواہ نہ کرتے۔

اور اس سے تو انبیائے معصومین بھی نہ بچ سکے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بڑے بھائی ہارون کی ڈاڑھی پکڑ کر جھنجھوڑا کہ تو نے امت کو گمراہی سے کیوں نہ بچایا۔ جبکہ بنی اسرائیل کو گوسالہ پرستی میں مبتلا پایا۔ حضرت ہارونؑ نے بمنت سمجھایا کہ میرا اس میں کوئی قصور نہیں۔ میں ان کو پوری طرح سمجھاتا رہا۔ لیکن انہوں نے ایک نہ سنی۔ اب میری ڈاڑھی پکڑ کر دست بگریباں ہو کر میری بےعزتی نہ کرو۔ اس سے قوم پر اور بھی برا اثر پڑے گا۔ وغیرہ وغیرہ (قرآن)

پس جب معصومین میں بھی مشاجرات ہو گئے ہیں تو صحابہ میں بھی اگر مجادلہ کی نوبت آ گئی تو ان کی نیک نفسی پر حرف نہیں لایا جا سکتا جس طرح حضرت موسیٰ و ہارون باوجود جھگڑنے کے دونوں حق پر تھے اسی طرح صحابہ کا بھی باوجود مشاجرات کے حق پر ہونا کوئی امر خلاف عقل اور خلاف فطرت نہیں ہو سکتا۔

پھر اس کے بعد فرمایا کہ اگر دو مسلمان گروہوں میں جنگ کی نوبت آ جائے تو ان کی صلح کرا دینی چاہیئے اور اگر ایک گروہ زیادتی کرے تو بھی صلح کرانے کی پوری کوشش کرنی چاہیئے۔ اگرچہ زیادتی کرنے والے سے جنگ کی نوبت ہی کیوں نہ آ جائے۔

Marfat.com

قرآن یہاں دونوں گروہوں کو مومن قرار دیتا ہے گو جنگ تک نوبت پہنچ چکی ہو۔ جو لوگ آج ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں وہ اس حکیمانہ تعلیم سے کتنے دور پڑے ہوئے ہیں۔

صحابہ میں جو لڑائیاں ہوئیں وہ اس آیت کے ماتحت آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں جنگ کرنے والے گروہوں کو مومن قرار دیا ہے خواہ حضرت علیؓ کا گروہ ہو یا امیر معاویہ رضؓ اور عائشہ صدیقہ کا۔ اس جنگ میں حصہ لینا محض مصالحت کی غرض سے تھا۔ ان کی غرض حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو سزا دینا تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عائشہ صدیقہ کو ناکامی ہوئی تو حضرت علی رضؓ نے نہایت ادب و احترام کے ساتھ انہیں مدینہ بھجوا دیا۔ اور حضرت زبیرؓ اور طلحہؓ کے قاتلوں پر اظہار ناراضگی فرمایا اور فریقین پر نماز جنازہ پڑھی۔ کیونکہ حضرت علی رضؓ سمجھتے تھے کہ یہ سب کچھ انہوں نے اصلاح کے لیے کیا ہے۔ اب یہ سمجھنا کہ نعوذ باللہ معرکہ جمل و صفین میں ایک دوسرے کو قتل و قتال کیا۔ سراسر بہتان ہے بلکہ اس کے برعکس سند میں موجود ہیں کہ فریقین ایک دوسرے کے فضائل و اخوت ایمانی کے معترف تھے عین معرکۂ جمل میں حضرت علی رضؓ نے حضرت عائشہ صدیقہ کی عظمت و احترام کی تصدیق فرمائی اور حضرت عائشہ نے باوجود جنگ کے حضرت علیؓ کے مناقب بیان فرمائے۔

اسی طرح حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ کے فضائل کے معترف تھے اور جنگ صفین کی عین تیاری کے وقت جب ابو مسلم خولانی سمجھانے کے لیے آیا تو

لہ سیرت عائشہ رضؓ ص ۱۶۹، سیر الصحابہ ص ۲۴۲ ج ۱ ص ۱۰۵

Marfat.com

آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کا دعویٰ نہیں ہے کہ میں فضل میں ان کے برابر ہوں۔ میں تو صرف قاتلان عثمان رضؓ کو مانگتا ہوں۔ اسی طرح حضرت علی نے امیر معاویہؓ اور ان کے رفقاء کار کی نسبت ارشاد فرمایا لخواننا فی الاسلام کہ وہ سب ہمارے بھائی ہیں اسلام کے۔

حضرت علیؓ جب جنگ جمل سے پہلے مصالحت کی گفتگو کر رہے تھے۔ تو ایک شخص نے پوچھا کہ اگر آپ کے مد مقابل لوگ صلح و آشتی کی طرف متوجہ نہ ہوں تو پھر آپ کیا کریں گے حضرت علی نے فرمایا کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں گے۔ پھر اس شخص نے کہا کہ اگر دوسرا فریق آپ کو نہ چھوڑے تو پھر آپ کیا کریں گے حضرت علی رضؓ نے فرمایا کہ مدافعت کریں گے۔ اتنے میں ایک شخص بول اٹھا کہ طلحہؓ اور زبیرؓ کہتے ہیں کہ ہم نے خدا کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے خروج کیا ہے کیا آپ کے نزدیک بھی ان کے پاس کوئی دلیل خون عثمان رضؓ کا بدلہ لینے کی ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا ہاں ان کے پاس بھی دلیل ہے پھر اس نے کہا کہ آپ کے پاس بھی کوئی دلیل ہے کہ آپ نے خون عثمان رضؓ کا قصاص لینے میں تاخیر کی۔ حضرت علی نے فرمایا ہاں جب کوئی امر مشتبہ ہو جائے تو فیصلہ میں احتیاط کرنا چاہیئے۔ جلدی کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ پھر اس شخص نے کہا کہ اگر کل مقابلہ ہو گیا اور لڑائی شروع ہو گئی تو ہمارا اور ان کا کیا حال ہو گا؟ حضرت علی نے فرمایا ہمارے اور ان کے مقتول یعنے دونوں کے مقتولین جنت میں ہوں گے

ف نہج البلاغۃ بحوالہ تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۵۳۸ ـ تاریخ الاسلام اکبر شاہ صفحہ ۹۹؎

Marfat.com

ان مذکورہ حوالجات سے بھی آیت شریفہ کی مزید تشریح ہوتی ہے کہ ایسے موقع پر فریقین پر کسی قسم کا فتویٰ نہیں لگایا جا سکتا۔ کیونکہ دونوں فریق مسلمان و مومن ہیں البتہ صرف اجتہادی غلطی ہے۔ مسلم میں روایت ہے۔

عن ابی سعید الخدری عن	ابو سعید کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	پیشگوئی فرمائی کہ ایک وقت آئے گا۔ کہ میری امت
تکون امتی فرقتین تخرج بینہما	دو گروہوں میں بٹ جائیگی اس وقت کچھ لوگ دین
مارقۃ تلی قتلہا اولاہما فی	سے خارج ہو جائیں گے دونوں مسلمان گروہوں
دراتہ تقتلہم اولی الطائفتین بالحق	میں جو بہتر اور اقرب الی الحق ہو گا وہ انہیں قتل کریگا۔

یہ پیشگوئی حضرت علی رض کے ہاتھ جنگ نہروان کی صورت میں پوری ہوئی اور حضرت علی رض نے ان خارجیوں کو تہ تیغ کیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے دونوں گروہوں یعنی حضرت علی رض اور امیر معاویہ رض فریقین میں سے حضرت علی رض کی جماعت حق کے زیادہ قریب تھی لیکن دوسروں پر بھی کسی قسم کا کفر یا فسق لازم نہیں آتا۔ قرآن کی آیت کی طرح حدیث مصطفےٰ بھی دونوں کو مسلمان مومن ہی شمار کرتی ہے اور حقیقت بھی یہ ہی تھی کہ اگر ایک طرف حضرت عائشہ صدیقہ ہیں تو دوسری طرف ان کا بھائی محمد بن ابوبکر ہے اسی طرح ایک طرف حضرت علی رض ہیں تو دوسری طرف ان کا بھائی عقیل رض بن ابو طالب امیر معاویہ رض کے لشکر میں ہے یعنی دونوں لشکروں میں اولو العزم صحابہ کبار موجود تھے۔ اسی لیے علامہ ابن کثیر نے اس مذکورہ حدیث سے استنباط فرماتے ہوئے لکھا ہے۔

لہ البدایہ والنہایہ ص ۲۷۹ ج ۷

Marfat.com

فهذا الحديث من دلائل النبوة اذ وقع الامر طبق ما اخبر به علیه الصلوٰة والسلام وفيه الحكم باسلام الطائفتين اهل الشام واهل العراق لا كما يزعمه فرقة الرافضة والجهلة الطغام من تكفيرهم اهل الشام وفيه ان اصحاب علی ادنی الطائفتين الی الحق وهذا هو مذهب اهل السنة والجماعة ان عليا المصيب وان كان معاوية مجتهدا وهو ماجور ان شاء الله تعالیٰ و لكن عليا هو الامام فله اجران كما ثبت فی صحيح البخاری الخ

یہ حدیث دلائل نبوت میں سے ہے کہ جب مسلمانوں کا آپس میں نزاع واقع ہوا تو حضور کے ارشاد سے اس کی تطبیق کر دی اس میں دونوں گروہوں اہل شام اور اہل عراق کے مسلمان ہونے کا فیصلہ فرمایا ہے نہ کہ جس طرح فرقہ رافضہ اور جاہل احمق لوگوں نے اہل شام پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے اس میں یہ بھی فرمایا ہے کہ حضرت علی کا گروہ زیادہ حق کے قریب تھا۔ اہل سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ حضرت علی صحیح رائے پر تھے اگرچہ امیر معاویہ بھی اجتہاد کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے اجر پائیں گے ان شاء اللہ لیکن حضرت علیؓ امام ہیں اور دوہرے اجر کے مستحق ہیں جیسا کہ بخاری میں مجتہد کے ثواب کی حدیث ثابت ہے۔

ان عبارتوں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جو فوت ہو چکے ہیں ان کے متعلق ہمیں زبان درازی نہیں کرنی چاہئے اور خصوصاً صحابہ کرام کے متعلق جن کے متعلق رسول اللہ نے عدول ہونے کی مہر ثبت فرما دی ہے ان کی کسی بھی غلطی کی وجہ سے ہمیں کچھ بھی کہنے کا حق نہیں ہے رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

جامع القرآن و مصحف عثمانی

سیرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعات قریبا مکمل ہو چکے ہیں بعض غیر مسلم قرآن پر اعتراض کرتے ہیں کہ آج جو قرآن تمہارے ہاتھوں میں ہے اس کے متعلق تمہارے پاس کیا دلیل ہے کہ یہ وہی قرآن ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا جبکہ اس قرآن کو کہتے ہیں کہ "یہ مصحف عثمانی" ہے۔ یہ تو پتوں وغیرہ پر لکھا جاتا تھا جس کا اکثر حصہ بکریاں کھا گئی تھیں اور عثمان رضی اللہ عنہ نے جوڑ میل کر کے لوگوں کے سامنے پیش کر دیا وغیر ذلک من الخرافات۔

کاش کہ یہ لوگ قرآن پر اعتراض کرنے سے پہلے کچھ عقل و فہم سے کام لیتے تو تاریخی حقائق کو کبھی نظر انداز نہ کرتے۔ یہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا کرتا تھا جو کہ آہستہ آہستہ تئیس سال میں پورا ہوا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی مقرر تھے آپ فرماتے کہ ان آیات کو فلاں سورت کی فلاں جگہ پر لکھ لو چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مما تنزل علیہ الآیات فیدعو ابعض من یکتب لہ ویقول لہ ضع ھذہ الآیۃ فی السورۃ التی یذکر فیھا کذا وکذا[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب کوئی آیتیں نازل ہوتیں آپ اپنے کاتبوں میں سے کسی کو بلاتے۔ اور فرماتے کہ اس آیت کو فلاں مقام پر لکھ دو۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کاتب وحی ایک نہیں بلکہ کتنے ہی تھے نیز یہ بھی معلوم ہوا آپ کم از کم ایک یا ہر ایک کاتب وحی کے پاس ایک

[1] ابو داؤد

Marfat.com

ایک قرآن کا نسخہ ایسا تھا جو آپ کے حکم کے مطابق اسی ترتیب سے لکھا جاتا جس طرح اللہ کا اذن و منشا ہوتا۔ البتہ مخصوص کاتبانِ وحی کے علاوہ دوسرے صحابہ کے پاس جزوی طور پر کچھ حصے قرآن کے لکھے ہوئے ہوتے تھے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے تو لوگ اسی نہج پر رہے یعنی جو قرآن کا مکمل نسخہ تھا وہ تو اسی طرح ہی تھا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھایا ہوا تھا۔ اور اس کے بہت سے صحابہ حافظ تھے لیکن اکثر جو سارے قرآن کے حافظ نہ تھے جزوی طور پر انہوں نے بھی کافی سورتیں یاد کر رکھی تھیں جب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے وقت جنگ یمامہ ہوئی تو اس میں بہت سے حافظ و قاری صحابہ شہید ہوئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے خلیفہ رسول آپ قرآن کی کاپیاں نقل کرا لیں۔ ایسا نہ ہو کہ جنگوں میں صحابہ کی شہادت سے قرآن کو ہی خدشہ لاحق ہو جائے۔ چنانچہ کچھ پس و پیش کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھوائے ہوئے مصحف کی نقلیں تیار کرائیں۔

بعد میں خلافت فاروقی میں قرآن کی کتابت کا اتنا رواج ہو چکا تھا کہ لوگوں کو کتابت قرآن کی اجرت کا مسئلہ پوچھنے کی ضرورت پیش آئی بلکہ مصحف کی خرید و فروخت کے متعلق بھی پوچھا گیا۔

سئل ابن عباس عن اجرۃ کتابۃ المصاحف فقال لاباس (مشکوۃ ص۲۳۴)	عبداللہ بن عباس صحابی سے پوچھا گیا کہ قرآن کی کتابت کی اجرت لینی چاہیے یا نہیں فرمایا کوئی حرج نہیں۔

Marfat.com

سئل ابن عباس عن بیع المصاحف — ابن عباس سے قرآن کی خرید و فروخت
قال لا باس (منتخب کنز منہ ۳۶۴) — کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کوئی حرج نہیں

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ میں قرآن لکھنے کا بہت رواج ہو چکا تھا اسی لیے علامہ ابن حزم اپنی کتاب الفصل منہ۸ میں فرماتے ہیں۔

مات عمر و مایۃ الف مصحف من مصر الی العراق والشام والیمن فما بین ذلک۔ — جب حضرت عمر فوت ہوئے اس وقت مصر سے لے کر عراق تک اور شام سے لے کر یمن تک ایک لاکھ قرآن کے نسخے موجود تھے

علامہ عینی فرماتے ہیں۔

ان الذین جمعوا القران علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یحصیہم عدد لا یضبطہم لعدا (عمدۃ القاری شرح بخاری منہ ۳۱۵) — جن صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن جمع کیا تھا وہ اتنے بیشمار ہیں کہ ان کی گنتی نہیں ہو سکتی

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت بیشمار قرآن کے نسخے لکھے ہوئے موجود تھے۔ البتہ قرآن کو پڑھنے کے لیے یعنی ان الفاظ کی ادائیگی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے سات مشہور لہجوں سے اجازت دی تھی جس کو سبع قراءت کہا جاتا ہے۔ ان سات قراءت سے معنی میں کوئی فرق نہ آتا تھا البتہ تلفظ کی ادائیگی اور لب و لہجہ کی فرق آتا تھا چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اختلاف قراءت کچھ سنگین صورت اختیار کر گیا جس

Marfat.com

کی وجہ سے حضرت عثمانؓ نے مصحف نبوی جو کہ قراءت قریش یعنی قریش کے لب ولہجہ میں لکھا ہوا تھا اس کی نقلیں کروا کر تمام ممالک میں بھجوا دیں۔ اور اس کے علاوہ تمام قرآن کے نسخوں کو تلف کروا دیا۔ چنانچہ اس واقعہ کی تفصیل علامہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں اس طرح دی ہے۔

ومن مناقبه الكبار وحسناته العظيمة انه جمع الناس على قراءة واحدة كتب على العرضة الاخيرة التي درسها جبرئيل على رسول الله صلى الله عليه وسلم في آخر سني حياته وكان سبب ذالك ان حذيفة ابن اليمان كان في بعض الغزوات وقد جمع فيها خلق من اهل الشام ممن يقرأ على قراءة المقداد بن الاسود وابي الدرداء وجماعة من اهل العراق ممن يقرأ على قراءة عبد الله بن مسعود وابي موسى وجعل من لا يعلم بسوغان القراء على سبعة احرف يفضل

حضرت عثمانؓ کے بہت بڑے فضائل اور عظیم نیکیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہوں نے لوگوں کو ایک قراءت پر اکٹھا کیا اور جو دور جبرئیل ہر سال رسول اللہ کو کرایا کرتا تھا۔ آپ کی زندگی کے آخری دور کے مطابق لکھوایا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ حذیفہ بن یمان صحابی کسی جنگ میں گئے ہوئے تھے کہ اس لشکر میں مقداد بن اسود اور ابو درداء کی قراءت پر پڑھنے والے شامی لوگ بھی تھے اور عبداللہ بن مسعود و ابو موسیٰ کی قراءت پڑھنے والے عراقیوں کی جماعت بھی تھی۔ ان میں سے جن کو سات لغوں سے پڑھنے کی وسعت کا پتہ نہ تھا وہ اپنی قراءت کو دوسرے کی قراءت پر فضیلت دینے لگا بسا اوقات دوسرے

Marfat.com

قراءته على قراءة غيره وربما
خطأ الآخر او كفره فادى ذلك
الى اختلاف شديد وانتشار فى
الكلام السيئ بين الناس فركب
حذيفة الى عثمانؓ فقال يا امير
المؤمنين ادرك هذه الامة
قبل ان تختلف فى كتابها كاختلاف
اليهود والنصارى فى كتبهم
وذكر له ما شاهد
من اختلاف الناس فى
القراءة فعند ذلك جمع
عثمان الصحابة وشاورهم
فى ذلك ورأى ان يكتب
المصحف على حرف واحد
وان يجمع الناس فى سائر
الاقاليم على القراءة
به دون ما سواه لما رأى
فى ذلك من مصلحة كف المنازعة
ودفع الاختلاف فاستدعى

کو غلطی پر کہتے بلکہ کفر تک پہنچا دیتے
حتیٰ کہ لوگوں میں اس واقعہ کی صورت
شدید اختلاف اور تیز کلامی تک پہنچ
گئی۔ پس حضرت حذیفہ سوار ہو کر حضرت
عثمان کے پاس پہنچے۔ اور کہا اے
امیر المومنین کتاب اللہ میں امت
کا اختلاف پیدا ہونے سے پہلے
پہلے تدارک کریں ایسا نہ ہو کہ یہود و
نصاریٰ کی طرح مسلمان بھی کتاب
اللہ میں اختلاف کرنے لگیں۔ اور جو
کچھ دیکھا تھا سب بیان کر دیا۔ تب
حضرت عثمان نے سب صحابہ کو جمع
کر کے مشورہ کیا اور قرآن کو ایک قراءت
(قریش) پر لکھنے کا فیصلہ کیا تاکہ تمام
ملکوں کے لوگوں کو ایک قراءت پر
اکٹھا کر دیا جائے۔ اور اس قسم کے
اختلافات کا خاتمہ ہو جائے پس وہ
قرآن جسے زیدؓ بن ثابت نے ابوبکرؓ
صدیق کے حکم سے لکھا تھا اور خلافت

بالمصحف الذی کان الصدیق
امر زید بن ثابت بجمعها فکانت
عند الصدیق ایام حیاته۔ ثم
کانت عند عمر۔ فلما توفی صارت
الی حفصة ام المومنین فاستدعی
بها عثمان وامر زید بن ثابت
الانصاری ان یکتب وان یملی
علیه سعید بن العاص الاموی
بحضرة عبد الله بن الزبیر
الاسدی وعبد الرحمن بن الحارث
المخزومی وامرهم اذا اختلفوا فی
شئ ان یکتبوه بلغة قریش۔
فکتب لاهل الشام مصحفا
ولاهل مصر اخر وبعث الی
البصرة مصحفا والی الکوفة
باخر وارسل الی مکة
مصحفا والی الیمن مثله واقر
بالمدینة مصحفا ویقال لهذه
المصاحف الائمة ولیست

صدیق میں حضرت ابوبکر صدیق رض کے
پاس ہی رہا پھر وہ حضرت عمر رض کے
پاس رہا جب وہ بھی فوت ہو گئے تو
وہ قرآن ام المومنین حضرت حفصہ
کے پاس چلا گیا وہ حضرت عثمان رض
نے منگوا کر زید بن ثابت کو حکم کیا کہ
نقل کریں اور سعید بن عاص کو بھی لکھنے
پر لگائیں اور یہ کام عبداللہ بن زبیر اور
عبدالرحمن بن حارث کی نگرانی میں
کرانے کا حکم دیا۔ نیز فرمایا کہ اگر تمہارا
آپس میں کسی جگہ اختلاف ہو (کہ رسول
اللہ نے کس طرح پڑھا ہے) تو لغت
قریش کے مطابق لکھ دینا پس اہل شام
کے لیے ایک قرآن لکھا گیا اور اہل
مصر کے لیے بھی ایک اور بصرہ میں ایک
قرآن بھجوایا اور ایک کوفہ میں اور ایک
مکہ میں بھجوایا اور ایک یمن میں اور ایک
مدینہ میں رکھ لیا۔ ان مصحف ان کو لکھنے
والے ائمہ کی طرف ہی منسوب کیا

Marfat.com

كلها بخط عثمان. بل
ولا واحد منها وانما
هي بخط زيد بن ثابت وانما
يقال لها المصاحف العثمانية
نسبة الى امره وزمانه و
امارته كما يقال دينار
هرقلي اي ضرب في زمانه
ودولته قال الواقدي
حدثنا ابن ابي سبرة عن
سهيل ابن ابي صالح
عن ابيه عن ابي هريرة
ورواه غيره من وجه
آخر عن ابي هريرة قال
لما نسخ عثمان المصاحف
دخل عليه ابوهريرة
فقال اصبت ووفقت
اشهد لسمعت رسول
الله صلى الله عليه
وسلم يقول ان اشد

جاتا ہے۔ یہ سارے عثمانی رسم الخط
پر نہ تھے۔ بلکہ ایک بھی نہیں تھا۔ کیونکہ
وہ زید بن ثابت نے لکھے تھے۔
اور مصاحف عثمانی صرف اس لیے
کہا جاتا ہے کہ ان کے حکم سے ان
کے زمانہ اور خلافت میں لکھے گئے۔
جس طرح دینار ہرقلی ٹکسال شاہی
سکہ کہا جاتا ہے۔ یعنی ان پر اس
کے زمانہ اور حکومت میں مہر (ٹکسال)
لگائی گئی۔ واقدی نے ابن ابی سبرہ
سے بیان کیا ہے انہوں نے سہیل
سے انہوں نے اپنے باپ سے۔
انہوں نے ابوہریرہ سے بیان کیا
ہے نیز دیگر سندوں سے بھی ابوہریرہ
سے مروی ہے کہ جب حضرت عثمان
نے قرآن لکھوایا تو ابوہریرہ مبارک
بادی کے لیے آئے اور کہا کہ آپ نے
ٹھیک اور درست کیا ہے میں اللہ
کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے رسول

Marfat.com

امتی حبا الیّ قوم	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے
یاتون من بعدی	آپ فرماتے تھے میری امت میں
یومنون بی و لم	سے مجھ بہت پیار کرنے والے وہ
یرونی و یعملون	لوگ ہیں جو میرے بعد آئیں گے مجھ
بما فی الورق المعلق	پر ایمان لائیں گے لیکن مجھے دیکھا
فقلت ای ورق؟	نہیں ہو قرآن کے ورقوں پر لکھا ہوگا
حتی رایت المصاحف	اس پر عمل کریں گے میں تعجب کرتا تھا
قال فاعجب ذالک	کہ ورق کیسے؟ حتی کہ میں نے مصحف
عثمان وامر لابی	لکھے ہوئے قرآن کو دیکھ لیا ہے
هریرۃ بعشرۃ	حضرت عثمان کو یہ بات بہت پسند
الاف وقال و	آئی اور دس ہزار بطور انعام کے دیا
الله ما علمت	اور کہا اللہ کی قسم مجھے یہ امید نہ تھی
لتحبس علینا حدیث	کہ تو ہمیں ہمارے پیغمبر کی بیان کردہ
نبینا صلی الله علیه وسلم ثم	(پیشگوئی) سنائے گا۔ اس کے بعد
عمد الی بقیۃ المصاحف التی	باقی لوگوں کے لکھے ہوئے مصاحف
بایدی الناس مما یخالف ما	کو جو مخالفت کا باعث ہو رہے
کتب فحرقۃ لئلا یقع بسببه اختلاف الخ	تھے منگوا کر تلف کر دیا۔ الخ

اس ساری عبارت سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ اس قرآن کو مصحف عثمانی صرف اس لیے کہتے ہیں کہ حضرت عثمان کے زمانہ کی اشاعت ہے

Marfat.com

اور قرآن وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ باقی رہا کہ لکھنے کس پر تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں باریک چمڑا یا کپڑا پر لکھا جاتا تھا۔ ویسے اس کے علاوہ پتھر کی پلیٹوں اور چوڑی ہڈیوں پر بھی لکھنے کا رواج تھا اور کاغذ کی ایجاد ایک صدی بعد خلیفہ ہارون کے زمانہ میں ہوئی۔ یہاں یہ سوال نہیں کہ کس چیز پر لکھا جاتا تھا۔ بلکہ سوال یہ ہے کہ آپ کے زمانہ میں قرآن لکھا جاتا تھا یا نہیں۔ سو لکھا جانا تو اتنا مسلم ہے کہ اس کے لیے دلائل کی احتیاج ہی نہیں۔

باقی رہا یہ اعتراض کہ واقعی یہ وہی قرآن ہے جو آج سے پونے چودہ سو سال پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر گئے تھے اگرچہ مذکورہ بالا عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرآن وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا۔ لیکن اس پر مزید شہادتیں موجود ہیں۔

دراصل صرف ایک اسلام ہی ایسا دین ہے جو اتنی مدت مدید سے من وعن آرہا ہے۔ اور دنیا اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس کی محض یہ وجہ ہے کہ اللہ تعالے نے اس دین اور وحی الٰہی کی حفاظت کا ذمہ خود لیا تھا۔ چنانچہ آج ڈاکٹر حمید اللہ صاحب (حال فرانس) نے فرنچ زبان میں ایک کتاب مرتب فرمائی ہے جس میں یورپ کی مختلف لائبریریوں سے رسول اللہ کی زبان سے لکھے

لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ خطوط جو آپ نے بادشاہوں کی طرف لکھے تھے وہ باریک چمڑہ پر ہی تھے آج بھی یورپ کی لائبریریوں میں بعض آپ کے خط محفوظ پڑے ہیں۔

Marfat.com

ہوئے ایک سو خطوط جمع کیے ہیں اور ان کے فوٹو بھی ساتھ دئے ہیں وہ بالکل حرف بحرف ان خطوط کے مطابق ہیں جو خطوط کتب احادیث میں موجود ہیں۔ اسی طرح وہب بن منبہ کی کتاب کا ساڑھے تیرہ سو سالہ پرانا نسخہ (اس کا تذکرہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی اپنی کتاب میں کیا ہے) جو آج بھی اس کا قدیم نسخہ فرانس کی لائبریری میں موجود ہے اس کی احادیث بھی حرف بحرف ان احادیث سے ملتی ہیں جو آج صحاح میں موجود ہیں اور کئی کئی صفحات پڑھ جانے سے بھی نقطہ و شوشہ کا فرق نہیں آتا۔ یہ انکشافات اس چیز پر دلائل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اور سنت کا ایک ایک ورق بھی اسی طرح موجود ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے پونے چودہ سو برس پہلے فرمایا تھا۔ جب احادیث آج تک محفوظ ہیں تو قرآن کیسے غیر محفوظ ہو سکتا ہے۔

اور پھر کیا یورپ اور کیا ہندوستان آپ کو ہر جگہ کی قدیم لائبریریوں میں قرآن مجید کے قلمی نسخے پانچ پانچ سات سات دس دس سو سال کے پرانے ملیں گے۔ اگر ہزار سالہ نسخہ میں تو ایک نقطہ و شوشہ کا فرق نہیں تو اس سے دو تین سو سال قبل میں کیسے فرق آ گیا۔ بلکہ مجھے تو ایک شخص نے بحوالہ "تہذیب و تمدن اسلامی مصنفہ سعید اختر ندوی مطبوعہ

---

۱ وہب بن منبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے ان کی کتاب میں حضرت ابوہریرہ کی احادیث ہیں، وہ مصر میں طبع ہو چکی ہے ۱۲ (حاشیہ ۲۵ بر صفحہ ۲۳)

Marfat.com

ثقافت اسلامیہ" بتایا تھا کہ وہ قرآن جس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ جسے خود آپ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا جب آپ شہید ہوئے تو وہ آپ کے سامنے تھا۔ اور پہلے پارہ کی تلاوت فرما رہے تھے کہ آپ کو شہید کر دیا گیا اور فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ کے قرآنی الفاظ پر آپ کا خون گرا تھا جب قاصد امیر معاویہؓ کو شہادت عثمان رضؓ کی خبر دینے گیا تھا تو وہ حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں، حضرت عثمان رضؓ کے خون آلود کپڑے اور آپ کے خون سے داغدار قرآن بھی ساتھ لے گیا تھا حتیٰ کہ خلافت اموی میں وہ قرآن مجید شاہی خزانہ میں رکھا ہوا تھا۔ جب اموی خلافت کو زوال آیا اور عبداللہ سفاح عباسی نے شام پر چڑھائی کی تو تمام نوادرات اور شاہی خزانہ لوٹ کر بغداد میں لے گیا اور وہ قرآن مجید بغداد کے شاہی خزانہ میں ہی محفوظ رہا۔ حتیٰ کہ تاتاریوں کے ہاتھوں جب سقوط بغداد ہوا۔ تو وہ تمام نوادرات اور شاہی خزانہ لوٹ کر اپنے ملک واپس چلے گئے جن میں وہ قرآن مجید بھی تھا۔ جو آج بھی ماسکو (روس) کی لائبریری میں محفوظ ہے اس قرآن مجید میں اور آج کے قرآن مجید میں بھی ایک نقطہ و شوشہ کا فرق نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی دلیل ہے جس کو تجربۃً نہیں جھٹلایا جا سکتا

(حاشیہ صفحہ ۲۳۰) ؎ چونکہ مجھے وہ کتاب نہ مل سکی اس لیے میں نہ اس حوالہ کی تصدیق اور نہ ہی اس کے نقل شدہ حوالہ کو دیکھ سکا۔ اگر کسی دوست کو معلوم ہو تو لکھ بھیجیں انشاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں تصحیح کر دی جائے گی۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ میں نے تاشقند کے شاہی نوادرات میں دیکھا ہے ابن بطوطہ آٹھویں صدی کے ہیں اور ان کا سفرنامہ مصر سے [illegible] میں طبع ہو چکا ہے (مؤلف)

Marfat.com

اب بھی اگر کوئی شپرہ چشم اس قرآن پر اعتراض کرے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ والا نہیں تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

امام بخاری نے نقل مصحف عثمانی کے متعلق بیان کیا ہے۔

عن انس قال امر عثمان زید بن ثابت ان ینسخو ھانی للمصاحف (پ۱ باب نزول القرآن) — حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان نے زید بن ثابت کو حکم دیا۔ کہ قرآن کی نقلیں کرے

فارسل عثمانؓ الی حفصة ان ارسلی الینا بالمصحف ننسخہا فی المصاحف ننسخوھا فی المصاحف حتی نسخو المصحف فی المصاحف ارسل الی کل افق بمصحف مما نسخوا (پ۲۰ باب جمع القرآن) — حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کو بھیجا کہ وہ قرآن مجید بھیجدیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن سے نقل شدہ ہے جس کو حضرت ابوبکرؓ نے نقل کروایا تھا، تاکہ اس کو لکھ کر اس کی نقلیں بنوالی جائیں جب اس صحیفہ سے کئی نقلیں بنوالیں تو پھر اپنی قلمرو کے تمام اطراف وجوانب میں وہ پھیلادیں۔

اس روایت سے آفتاب نیمروز کی طرح واضح ہوگیا کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن صدیقی کے نقل کا حکم دیا تھا نہ کہ جمع قرآن کا۔ یعنی صحیفہ عثمانی نقل تھا صحیفہ ابی بکر کی اور صحیفہ ابی بکر نقل تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن بین الدفتین کی جس کو آپ چھوڑ کر گئے تھے۔ اور قرآن نبوی کی ترتیب من

جانب اللہ تھی جو آپ کو بر زبان یاد تھا۔ اور جس کی آپ ساتٹ منزلیں فرمایا کرتے تھے۔ نتیجہ صاف ہے کہ جو قرآن اس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہے وہ بعینہ وہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمایا۔ اور اسی ترتیب پر ہے جس پر آپ نے خود تلاوت فرمائی اور صحابہ کو یاد کروایا۔ اور لکھوایا وہو المراد فللہ الحمد

خاتمہ

اسلامی طرز حکومت

سیرت عثمان رضؓ میں ایک شدید کمی ہوگی اگر ان کی اسلامی حکومت کی تشکیل یعنی طرز حکومت بیان نہ ہو۔ عام طور پر حکومت دو طرح کی ہوتی ہے۔ آمرانہ (ڈکٹیٹر شپ) اور شورائی (جمہوریت) آمرانہ وہ حکومت ہوتی ہے جس کا حاکم کسی شوریٰ کا پابند نہ ہو بلکہ جو چاہے اور جس طرح چاہے کرے دوسرے لفظوں میں آمر وہ ہوتا ہے جس کی رائے کوئی نہ ہو جو اس کو کسی کام سے روک سکے۔ خواہ وہ صدر مملکت کی شکل میں ہو یا خود مختار بادشاہت کی شکل میں ہو۔ اور شورائی حکومت وہ ہوتی ہے جو عام حالات میں بغیر مشورہ کے کسی حکم کو نافذ کرنے کی مجاز نہ ہو خواہ وہ صدر مملکت کی شکل میں ہو جیسے امریکہ وغیرہ میں یا بادشاہت کی شکل میں ہو جیسے انگلینڈ میں۔

اسلامی نظام پر اگرچہ حکومت کا لفظ بولا جاتا ہے لیکن درحقیقت حکومت کا لفظ اس پر چاید نہیں ہو سکتا۔ اسلامی نظام میں حاکمیت کا حق نہ کسی صدر مملکت کو ہے اور نہ ہی عوام کو ہے۔ بلکہ حاکم صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ

لہ ابوداؤد ص۱۹۶ مسند احمد ص۱۶۳ج۳

Marfat.com

تعالیٰ کی زمین پر اس کے سوا کسی کو حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے
اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ البتہ جو ناظم مملکت ہو گا وہ اس مملکت کا سربراہ (امیر)
خدا تعالیٰ کے فرمان کے مطابق نیابتاً ارجایا پر نافذ کرے گا۔ اور اس سربراہ کو
خلیفۃ المسلمین یا امیر المؤمنین کہا جائے گا۔

یعنی وہ شخص جو سربراہ مملکت ہے اس کی حیثیت ایک طرف تو خدائی
احکام نافذ کرنے میں خدا کا نائب یعنی خلیفۃ اللہ فی الارض کی ہو گی۔ اور دوسری
طرف قوم کا خدمتگار ہو گا۔ سید القوم خادمھم یعنی مملکت میں جتنا
اونچا عہدہ ہو گا۔ اتنا ہی اسے خادمیت کا حق زیادہ ادا کرنا ہو گا۔

امیر مملکت کے اختیارات

امیر مملکت کو اپنی طرف سے شریعت میں دخل دینے کا کوئی اختیار
حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ قوانین اسلامی اور شریعت محمدی ایک مقررشدہ چیز ہے
جسے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی نازل فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر
عمل کر کے دکھا دیا۔ اس اسلامی نظام میں نہ کسی آمر کو کمی بیشی کا حق حاصل ہے

ؔ اسلامی جمہوریت اور موجودہ جمہوریت میں یہ بھی فرق ہے کہ موجودہ جمہوریت اگر کسی بد معاشی
کو کثرت رائے سے پاس کر دیں تو وہ بد معاشی ان کے نزدیک جائز ہو جائے گی برخلاف
اسلامی جمہوریت کے کہ اس میں کسی حلال کو حرام اور کسی حرام کو حلال کرنے کا حق نہ امیر مملکت
کو ہے اور نہ ہی جمہور کو ہے بلکہ امیر اور جمہور دونوں کو صرف اسلامی دستور کے نفاذ
کے لیے طریق کار سوچنے کا اور اس کے متعلق مشورہ کا حق ہے۔ جو طریقہ بہتر ہو وہ استعمال
کریں تاکہ اسلامی حدود کا قیام ہو سکے ۱۲۔

اور نہ کسی مامور کو۔ البتہ اس شریعت اسلامی کے نفاذ کے لیے ایک امیر مقرر ہوتا ہے جس کی ایک مجلس شوریٰ ہوتی ہے۔ امیر اپنی مجلس سے مشورہ کے بعد اکثریت کے فیصلہ کے مطابق اسلامی احکام کو نافذ کرے گا۔ اس کے بعد جو شخص بھی امیر کی مخالفت کرے گا وہ سخت وعید کا مستحق ہو گا۔ بلکہ پھر امیر سے بغاوت کو اسلام سے بغاوت کے مترادف سمجھنا چاہیئے۔ اللہ تعالے نے اس سارے مسئلہ کو ایک آیت میں حل فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ۔

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس صاحب امر کی بھی اطاعت کرو جو تم میں سے ہو (یعنے مسلمان) پھر اگر کسی بات میں تنازع ہو جائے تو مسئلہ کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ و یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔

اس آیت سے مندرجہ ذیل چیزیں سمجھ میں آتی ہیں۔

۱۔ اصل مطاع اللہ تعالے ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی (۱) پھر اس کا رسول ہے۔

۲۔ صاحب امر کی اطاعت بھی فرض ہے بشرطیکہ وہ شریعت

Marfat.com

اسلامی کے مطابق حکم کرے۔

۳۔ صاحب امر اگر کوئی حکم خلاف شریعت کرے تو اس کا ماننا فرض نہیں بلکہ منع ہے۔

۴۔ صاحب امر سے تنازع ہو سکتا ہے۔

۵۔ آمر و مامور دونوں کے ایمان کی نشانی یہ ہے کہ متنازع فیہ مسئلہ میں کتاب و سنت کو اپنا فیصل تسلیم کریں۔

معلوم ہوا کہ آمر و مامور دونوں کو کتاب و سنت میں کسی قسم کی تبدیلی کی اجازت نہیں اور نہ ہی کتاب و سنت میں کسی کو اختلاف کرنے کی اجازت ہے۔ البتہ اس کے نفاذ وغیرہ کے طریقوں میں سوچ و بچار کرنے کے لیے ایک مجلس شوریٰ مقرر ہوتی ہے۔ جس میں بعض اوقات تنازع کی صورت بھی نمودار ہو سکتی ہے۔

دوسرے لفظوں میں اختلاف صرف طریق کار میں رہ جاتا ہے کہ بہتر کونسا ہے بحث صرف اولیٰ و غیر اولیٰ کی رہ جاتی ہے۔

انتخاب

طریق کار متعین کرنے کے لیے اسلام نے شورائی انتظام مقرر فرمایا ہے اور انتخاب کو بھی چند ضوابط کے ساتھ شوریٰ کے ساتھ ہی مختص کیا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلا انتخاب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے حضرت صدیق کے متعلق ہی تھی اور آپ انہیں حکماً بھی خلیفہ نامزد کر سکتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپ

Marfat.com

نے یہ اہم مسئلہ اور پہلا انتخاب بھی عوام کی رائے پر ہی رہنے دیا۔ اگرچہ آپ نے ایک بہت بڑی شرط لگا دی تھی کہ خلافت قریش سے باہر نہ ہو بلکہ قریش سے ہی خلیفہ کا انتخاب کرنا۔

دوسرے خلیفہ کا انتخاب خود خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی ہی فرما گئے تھے۔ اور قریباً تمام صحابہ اس بات پر متفق تھے کہ خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہی ہونا چاہیئے۔ صرف چند ایک صحابہ نے حضرت عمرؓ کی سختی طبیعت کا اعتراض کیا جس کا جواب حضرت صدیق نے یہ دیا کہ خلافت کا بوجھ خود بخود انہیں نرم کر دے گا۔

تیسرے انتخاب میں خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اہل قریش کے سرکردہ آدمیوں کی ایک مجلس مقرر کر کے انتخاب کا کام ان کے سپرد کر دیا۔

اسلامی انتخاب میں قرن اولیٰ میں جن ضابطوں کو ملحوظ رکھا گیا۔ وہ سرسری نگاہ میں جو نظر آ رہے ہیں یہ ہیں۔

۱۔ امت میں سب سے زیادہ نیک آدمی ہو اور امت کے عوام اس کے کافی شاہد ہوں کہ واقعی ایک نیک اور دیانتدار آدمی ہے۔

۲۔ سب سے زیادہ قربانی کا جذبہ رکھتا ہو۔ جان، مال، اولاد کسی چیز کی بھی دین کے مقابلہ میں اسے پرواہ نہ ہو اگر مال کی ضرورت ہو تو سارا مال تک دینے سے گریز نہ کرے۔

۳۔ عزم کا پکا ہو اگرچہ ایک اور سو کا مقابلہ ہو تو بھی اس کے عزم میں

Marfat.com

فرق نہ آئے۔ جیسا کہ خلیفہ اول نے جیش اسامہ میں کیا۔

۴۔ اور اہل قبائل میں سے کسی اونچے خاندان سے تعلق رکھتا ہو۔ جس خاندان کا رعب و دبدبہ لوگوں پر پہلے ہی ہو۔ یہ ضابطہ کچھ تشریح طلب ہے۔

خاندانی خلافت

مملکت کی سربراہی ایک ہی خاندان میں رہے تو بھی ازروئے اسلام اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ کیونکہ اسلام کو تو کام سے غرض ہے کہ کیا یہ شخص واقعی اسلامی احکام کے نفاذ میں کوشاں ہے؟ اگر اسلامی احکام کا نفاذ ہو رہا ہو تو کوئی حرج نہیں کہ باپ کے بعد اگرچہ اس کا بیٹا[1] ہی منتخب کیوں نہ ہوا ہو۔ بلکہ تمام معتدد صحابہ میں بھی یہ چیز معیوب نہ تھی۔ کہ خلیفہ کا بیٹا منتخب ہو۔ چنانچہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے چھ صحابہ میں ایک مجلس انتخابیہ مقرر فرما دی۔ تو اکثر صحابہ نے مطالبہ کیا کہ اس مجلس انتخاب میں آپ اپنے بیٹے کا نام بھی رکھ دیں۔

---

[1] بلکہ اگر کوئی حکمران بغیر انتخاب کے بلکہ ظلم سے ہی صاحب مملکت کیوں نہ بن گیا ہو اگر وہ صاحب حکومت ہونے کے بعد بھی سمجھ جائے اور دینی احکام کا اجرا کر دے۔ لوگوں میں انصاف قائم کرے اور حدود شرعی کا نفاذ کرے تو اس کی بھی فرمانبرداری کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اگر کوئی ڈکٹیٹر شرعی نظام کر دے تو اس کی فرمانبرداری لازم ہو جاتی ہے۔ اس مسئلہ میں اہل سنت کے فرقوں اور اہل شیعہ کے فرقوں سب کا قریباً اتفاق ہے ۱۲

Marfat.com

کیونکہ صحابہ کرام کے نزدیک حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی لائق شخصیت اور بہت صوفی منش آدمی تھے۔ اگر صحابہ کے نزدیک خلیفہ کا بیٹا منتخب ہونا کوئی عیب ہوتا تو وہ کبھی عبداللہ بن عمرؓ کا نام نہ لیتے۔ لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمادیا کہ اس سے مشورہ تو آپ لے سکتے ہیں۔ لیکن انہیں انتخاب میں نہیں لا سکتے۔ کیا میرے لیے ہی یہ ذمہ داری کافی نہ تھی کہ اب میں اپنے خاندان کے دوسرے افراد پر بھی یہ بوجھ ڈال کر بہت سی دنیا کی نعمتوں سے محروم کردوں۔

اسی طرح جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو عراقی حکومت کے لیے کوئی شخص ان کی ساری کابینہ میں لائق نہ تھا جسے منتخب کرتے چنانچہ بلا مقابلہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ کو منتخب کر لیا گیا۔ اگر بیٹے کا منتخب ہونا کوئی عیب ہوتا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ ضرور پرہیز کرتے۔ البتہ مجلس انتخاب میں رائے دہندگان کے لیے کچھ خاص صفات ملحوظ رکھی جاتی ہیں۔ خلفائے راشدین کے زمانہ میں حق رائے دہندگی صرف مدینہ کے مہاجرین وانصار کو تھا۔ بلکہ ان میں سے بھی سرکردہ آدمیوں، قبائل کے سردار اور سابقون الاولون کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے۔ خصوصاً سب سے زیادہ مقام ان لوگوں کو تھا جو فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے تھے۔ اگر وہ متفق ہو جاتے تو کسی دوسرے کی رائے لینے کی ضرورت محسوس نہ کی جاتی تھی۔ اس کے بعد جنگ بدر میں شامل ہونے والوں کا زیادہ لحاظ رکھا جاتا۔ اس کے بعد بیعت رضوان میں شامل

Marfat.com

ہونے والوں کو زیادہ وقعت دی جاتی تھی۔ اس کے بعد باقی تمام صحابہ کا مقام تھا۔ اگر کسی بات پر تمام صحابہ اکٹھے ہو جاتے تو اس کو بہت زیادہ وقعت دی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ متاخرین نے دین کے ادلہ میں اسے رکھا۔ اور "اجماع امت" کے نام سے اس کو موسوم کیا۔

قرن اول میں صرف صحابہ کو ہی حق رائے دہندگی کا منصب دیا جاتا تھا۔ اور خلیفہ اول سے لے کر اوائل خلفائے اموی تک یہ ہی دستور رہا۔ اموی خلفاء میں سے صحابہ کو سب سے زیادہ وقعت دینے والے حضرت امیر معاویہؓ تھے۔ دوسرے مقام پر حضرت عمر بن عبدالعزیز تھے وہ بھی صحابہ کا اور ان کے بعد صحابہ سے ملنے والے اہل علم کا بہت پاس کرتے تھے۔

دوسرے لفظوں میں یہ کہ اسلام نے انسانوں کی گنتی کے ساتھ ساتھ ان کے تقویٰ اور مقام کا بھی لحاظ رکھا ہے۔

اس نکتہ کو اک مرد فرنگی نے کیا فاش
ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے
جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

خالد گھرجاکھی

Marfat.com

حصہ دوم

سیرتِ شیرِ خدا

علیؑ ابن ابی طالبؑ

خالد گھرجاکھی

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس سے قبل سیرت عثمانؓ کا مطالعہ آپ کر چکے ہیں۔ یہ تو اسے پڑھنے والے ہی بتا سکتے ہیں کہ حق ادا ہوا ہے یا نہیں۔ البتہ اپنی طرف سے کوشش یہ تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سیرت بھی لوگوں میں اسی طرح عام ہو جائے، جس طرح ان سے پہلے دو خلیفوں کی سیرت کی کتابیں عام ہیں۔

شیخین یعنی پہلے دو خلیفوں کی سیرت کی کتابیں زیادہ لکھی جانے کی وجہ میرے خیال میں یہ ہے کہ ان کی زندگیاں خصوصاً زمانہ خلافت اتنا صاف اور پاکیزہ ہیں کہ کسی کو ان پر کوئی اعتراض کرنے کی گنجائش ہی نہیں۔ بعض لوگ جو شیخین کی خلافت پر ہرزہ سرائی کرتے ہیں وہ محض بہتان تراشی ہوتی ہے۔ حقیقتاً اعتراض کوئی نہیں ہوتا۔ اور آج اس حقیقت کو ہر دوست و دشمن تسلیم کر چکا ہے۔ یورپ کے مستشرقین تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ اگر ایک عمر فاروقؓ اور ہوتا، تو آج دنیا میں اسلام کے سوا کوئی دوسرا مذہب نہ ہوتا۔ اور جو مقام حضرت ابو بکرؓ کا ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔ جبکہ امت میں سے ایک آدمی بھی منکرینِ زکوٰۃ سے جنگ کرنے کو تیار نہ تھا، اس وقت علی الاعلان

Marfat.com

فرمایا واللہ لاقاتلنھم کہ اللہ کی قسم میں ضرور ان سے لڑوں گا۔ اگرچہ میرے ساتھ کوئی بھی نہ نکلے۔ اور میرے گوشت کے پرزے کیوں نہ نوچ لئے جائیں۔ ان حقائق کا شیعہ بھی انکار نہیں کر سکتے۔ کیونکہ دنیائے اسلام میں اسلامی حکومتوں کا نمود انہیں کی فتوحات کا نتیجہ ہے۔ اور اسی لئے حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر۔ کہ میرے بعد ابو بکرؓ اور پھر عمرؓ کی بھی اقتداء کرنا۔

چونکہ شیخین کا مقام اتنا اونچا تھا کہ ان کی بدخوئی کرنا چاند پر تھوکنے کے مترادف تھا۔ اس لئے ہر دوست و دشمن نے انکی سوانح حیات لکھی۔ آج بھی بے انداز سیرت کی کتابیں ہیں جو صرف شیخین کے نام ہی سے معنون ہیں۔ اس لئے میں نے ان بزرگوں کی سیرت پر قلم اٹھانے کی جرأت نہیں کی۔ البتہ آیندہ ان کے فضائل میں کتاب بنام "فضائل الشیخین باحادیث رسول الثقلین" لکھنے کا ارادہ ہے۔ بتوفیق اللہ تعالیٰ۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی سیرت میں بہت ہی کم لوگوں نے قلم اٹھائی۔ اسی لئے ان حضرات کی سوانح مرتب کرنے کی طرف میرا رجحان ہوا۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی سیرت لکھنا کوئی اتنا آسان کام نہ تھا جتنا میں پہلے سمجھتا تھا۔ کیونکہ پہلے دو خلیفوں کی خلافت

Marfat.com

تو بے داغ ہے۔ لیلھا لکنھا رھا۔ لیکن پچھلے دونوں کی زندگی میں چونکہ شیرازہ منتشر ہوگیا۔ اس لئے اس کی وجوہات بیان کرنے میں خلفاء پر بھی حرف آتا ہے۔ مثلاً خلیفہ ثالث حضرت عثمان رض کی حد سے زیادہ نرمی آڑے آئی۔ اگر وہ فتنہ کو شروع سے ہی سختی سے دبا دیتے۔ تو معاملہ سنگین صورت اختیار نہ کرتا۔ اسی طرح خلیفہ رابع حضرت علی رض نے کچھ سختی سے کام لیا۔ اگر وہ عمال حکومت کو برقرار رکھتے۔ اور انہی کی معرفت لوگوں سے بیعت کی تکمیل کراتے تو بہتر ہوتا۔ اس سے ایک تو قاتلانِ عثمان رض کا معاملہ طے کرانے میں سہولت رہتی، دوسری کسی قسم کی مخالفت نہ ہوتی۔ ہاں بعد میں اگر کسی عامل میں کوئی نقص دیکھے تو اسے معزول کر دیتے۔ تو کسی قسم کا اعتراض نہ ہوتا۔ اور ہوسکتا ہے آج ایک لاکھ خون کا داغ خلافتِ علوی پر نہ ہوتا۔ بلکہ اپنے عمال کے ذریعہ سے قاتلانِ عثمان رض پر غلبہ بھی حاصل کر لیتے۔ جس کی کہ خواہش حضرت علی رض کو تمام عرصۂ خلافت رہی۔

اس میں بھی حقیقت اگرچہ یہ ہی ہے کہ حضرت علی رض کے قریب چونکہ بلوائی ہی تھے۔ اس لئے وہ مجبور تھے کہ انہیں سے کام لیں۔ لیکن بلوائیوں نے اپنی طرف سے کمی نہ کی۔ مثلاً بیعت کرتے ہی سب سے پہلے حضرت علی رض کو اس بات کی طرف آمادہ کیا، معاویہ رض کو معزول[1] کردیں۔ حالانکہ سب سے بہترین منتظم عامل وہی تھے۔

---

[1] البدایہ والنہایہ لابنِ کثیر صہ ۲۱

Marfat.com

اس کے بعد مدینہ کو چھڑانے میں بھی انہی کا ہاتھ تھا۔ جمل و صفین کی جنگیں بھی انہیں کی وجہ سے ہوئیں۔ اور اگر صلح کا معاملہ طے پا گیا۔ تو خوارج کی صورت میں انہوں نے الگ محاذ کھڑا کر دیا۔ خوارج کیا تھے؟ دراصل وہ ناتربیت یافتہ نومسلم جنگجو بہادروں کا گروہ تھا۔ جسے چند سازشیوں نے ہتھے چڑھایا ہوا تھا۔ اور جہاں چاہتے اور جس طرح چاہتے انہیں اسلام کا نام لے کر لڑا دیتے۔ لیکن ان کے لیڈر تمام عجمی تھے۔ جو اسلامی حکومت کے خلاف سازشوں کا جال پھیلانے میں مصروف رہتے۔

بہرحال ان حالات میں جبکہ حضرت علیؓ کی پونے پانچ سالہ خلافت ہی ہنگاموں میں گذری ہو۔ اور اس کے باوجود نہ پوری طرح تسلط ہوا ہو۔ اور نہ ہی اُمت ان کی خلافت پر متفق ہوئی ہو۔ تو حضرت علیؓ کی خلافت کی تاریخ لکھنا آسان نہیں۔ جبکہ لکھنے والے کی کوشش بھی ہو کہ ہر افراط و تفریط سے بالا ہو کر لکھی جائے۔ تاکہ بزرگانِ دین پر کسی قسم کا حرف نہ آئے۔

اس کا اندازہ تو قارئینِ کرام ہی لگا سکیں گے کہ میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں۔ اگر میری اس کوشش کو کامیاب سمجھیں تو یہ اللہ کا خاص فضل ہے۔

دُعا ہے اللہ تعالیٰ میری اس پیشکش کو عوام کیلئے راہنمائی کا ذریعہ بنائے۔ اور میرے لئے نجات کا۔ آمین

خالد گھرجاکھی

Marfat.com

باب اوّل

سیرت

نام ونسب اور خاندان

نام علیؓ کنیت ابوالحسن اور ابوتراب اور لقب حیدر (شیر) تھا۔ والد کا نام ابو طالب اور والدہ کا نام فاطمہؓ تھا۔ پورا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ علیؓ بن ابو طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر۔ بنو عدنان میں سے حضرت اسماعیلؑ بن ابراہیم علیہم السلام کی نسل میں تھے۔

چونکہ ابو طالب کی شادی اپنے چچا کی لڑکی سے ہوئی تھی اس لئے حضرت علیؓ نجیب الطرفین ہاشمی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچازاد بھائی تھے۔

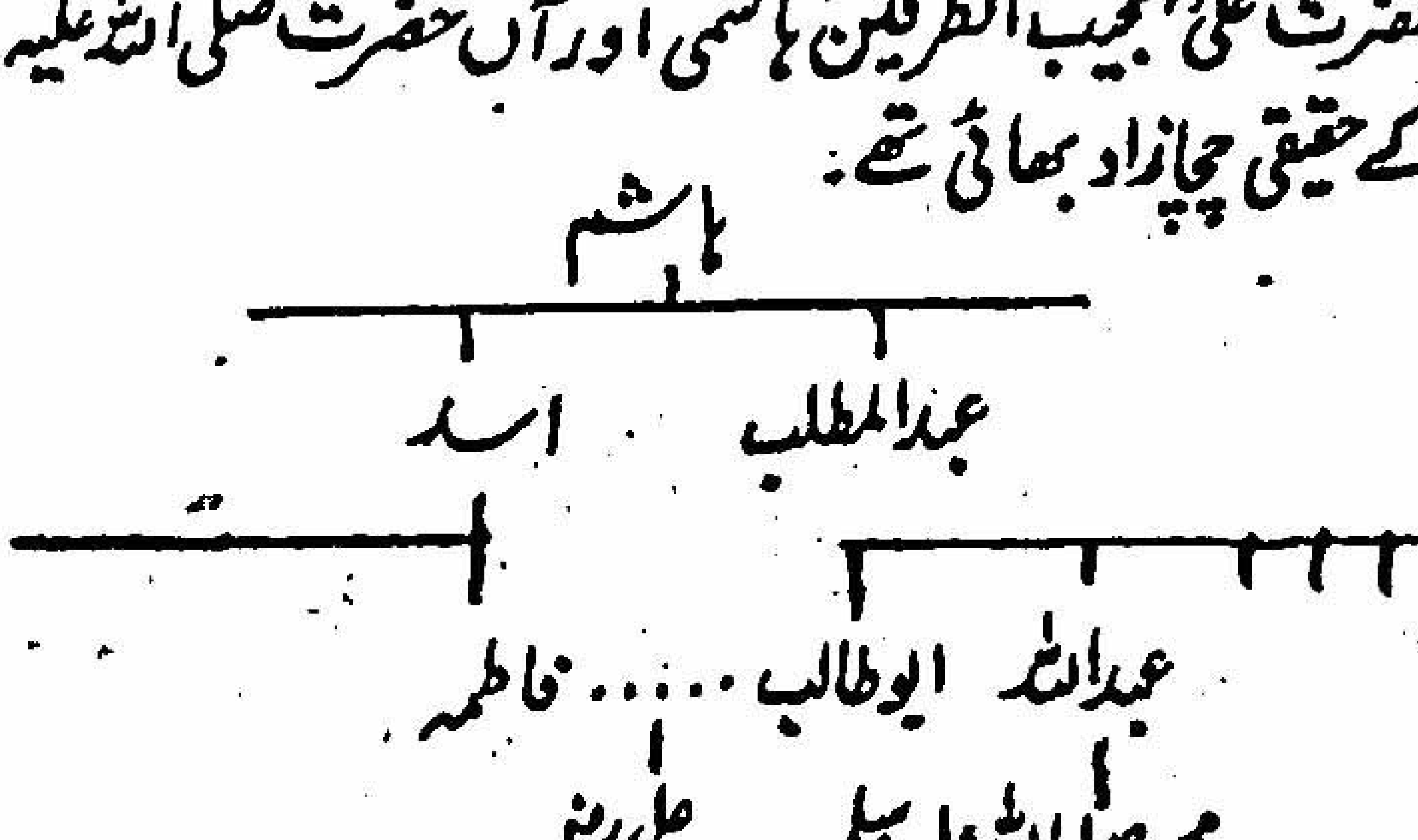

Marfat.com

آپ کو زیادہ پسندیدہ کنیت ابو تراب تھی۔ اگرچہ آپ کی دوسری کنیت ابوالحسن بھی تھی۔ اور جو شخص بھی آپ کو اس کنیت سے پکارتا اس پر بہت خوش ہوتے تھے۔ اس کنیت کی وجہ یہ تھی کہ ایک دفعہ حضرت علیؓ کسی گھریلو رنجش کی وجہ سے مسجد میں زمین پر ہی آکر لیٹ گئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب پتہ لگا تو آپ حضرت علیؓ کو جا کر اُٹھانے لگے اور ان کے بدن سے مٹی جھاڑ رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ ابو تراب اُٹھو۔ ابو تراب اُٹھو، گھر چلو۔

اس کنیت کا آپ کو پسندیدہ ہونا دو وجہ سے ہو سکتا ہے۔ یا تو اس لئے کہ رسول اللہ کی زبان مبارک سے چونکہ یہ لفظ نکلا تھا۔ یا اس وجہ سے کہ اس لفظ میں کسر نفسی پائی جاتی ہے۔ بہر حال دونوں وجہیں اپنی اپنی جگہ پر درست ہو سکتی ہیں۔

حضرت علیؓ سے بڑے تین بھائی تھے۔ جن کا نام طالب۔ عقیلؓ اور جعفرؓ تھا۔ اور دو بہنیں تھیں ام ہانی اور جمانہ۔ یہ تمام اولاد یعنی چھ بھائی بہنیں ایک ہی والدہ فاطمہؓ بنت اسد سے تھیں۔

حلیہ مبارک

حضرت علیؓ میانہ قد مائل بہ پستی تھے۔ دوہرا بدن، سر کے بال کسی قدر اُڑے ہوئے تھے اور باقی تمام جسم پر بال تھے۔ خصوصاً سینہ اور کندھوں پر کافی بال تھے۔ رنگ گندمی مائل بہ سیاہی تھا۔ آنکھیں گہری اور موٹی تھیں۔ پیٹ بڑا اور چھاتی چوڑی تھی۔ داڑھی گھنی اور

Marfat.com

اور لمبی ہونے کے ساتھ چوڑی بھی تھی۔ جو کہ چھاتی اور کندھوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ چہرہ خوبصورت اور ہنس مکھ تھا۔ اور چلنے میں نہایت نرم رفتار تھے۔

اسلام

حضرت علیؓ قدیم الاسلام ہیں۔ سب سے پہلے بچوں میں سے حضرت علیؓ ہی ایمان لائے۔ حالانکہ اس وقت آپ کی عمر بمشکل پانچ سال کی تھی۔ اس صغر سنی میں اسلام قبول کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ابو طالب کثیر العیال ہونے کے ساتھ تنگدست بھی تھے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چچا کی عُسرت سے متاثر ہو کر حضرت عباس سے فرمایا کہ اس مصیبت میں ہمیں چچا کا ہاتھ بٹانا چاہئے۔ چنانچہ حضرت عباس نے جعفر کی کفالت اپنے ذمے لے لی۔ اور ان کی معاونت کے طور پر حضرت علیؓ کو اپنی کفالت میں لے لیا۔ چنانچہ حضرت علیؓ کا رہنا سہنا اور کھانا پینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی ہوتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اللہ تعالیٰ نے نبوّت سے سرفراز فرمایا تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور دوسرے گھر کے افراد بھی ایمان لائے۔

لہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ آج جتنا کوئی شخص حضرت علیؓ کا زیادہ پیروکار اور ماننے والا کہلاتا ہے اتنا ہی داڑھی کا زیادہ دشمن ہوتا ہے۔ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرح داڑھی کو جڑوں سے ہی نکال پھینکے۔

Marfat.com

جن میں حضرت علیؓ بھی تھے۔ اور رسول اللہ کے غلام حضرت زید بھی تھے۔

ابنِ کثیر نے البدایہ والنہایہ (جلد۳ صفحہ ۲۴) میں ابنِ اسحاق سے نقل کیا ہے کہ بعثت کے بعد ایک دن جب حضرت علیؓ گھر آئے تو رسول اللہ اور ان کی بیوی حضرت خدیجۃ الکبریٰ دونوں نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت علیؓ نے کہا حضرت یہ کیا کر رہے ہو۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔ جس کے ساتھ اللہ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے۔ میں تجھے اس کی طرف بلاتا ہوں۔ کہ اللہ کے دین کو قبول کرو۔ اور صرف اسی ایک کی بندگی کرو۔ اور لات و عزیٰ کی بندگی چھوڑ دو۔

جب حضرت علیؓ نے یہ سنا تو کہنے لگے کہ یہ بات ایک ایسی نئی بات ہے جو آج تک میں نے اس سے پہلے نہ سنی۔ اس لئے میں اپنے باپ کے پوچھے بغیر نہیں قبول کر سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس راز کا افشا نامناسب سمجھتے ہوئے فرمانے لگے۔ کہ اچھا پھر یہ بات کسی کے سامنے نہ کرنا۔ لیکن جب دوسرا دن آیا۔ تو پھر حضرت علیؓ نے دین اسلام کو قبول فرمایا اور شرک سے بیزاری کا اظہار کیا۔ اور اپنے باپ کے ڈر کی وجہ سے اسلام کا اظہار نہ فرمایا۔ بالآخر ایک دن ابو طالب نے اپنے بیٹے سے پوچھا کہ تو نے اپنے بھائی کے مذہب کو قبول کر لیا ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ ہاں۔ تو کہا اب پھر اس کی پوری طرح معاونت اور امداد کرنا۔

Marfat.com

سب سے پہلے مسلمان کون ہُوا؟

اس سوال کے متعلق کہ سب سے پہلے اسلام کون لایا ہے کیا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے مسلمان ہوئے ہیں یا حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے پہلے اسلام کو قبول کیا۔ حضرت علیؓ نے سب سے پہلے اسلام اختیار کیا یا حضرت زیدؓ بن حارثہ پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔

اس بات پر محدثین علمائے سنت متفق ہیں کہ آزاد مردوں میں سے سب سے پہلے ابو بکرؓ صدیق ایمان لائے۔ اور عورتوں سے سب سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ ایمان لائیں۔ بچوں میں سب سے پہلے حضرت علیؓ مسلمان ہوئے۔ اور غلاموں میں سب سے پہلے زید بن حارثہ ایمان لائے۔ اور چاروں میں سے پہلے کس نے اسلام قبول کیا۔ اگرچہ اس کی نشان دہی کرنا مشکل ہے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کہ جس کے ایمان نے اسلام کو سب سے فائدہ پہنچایا وہ حضرت ابو بکرؓ صدیق تھے۔ کیونکہ حضرت علیؓ اس وقت ابھی بچے تھے۔ اور حضرت ابو بکرؓ معمر کاروباری صاحب اثر و رسوخ شخص تھے۔ جنہوں نے پہلے دن اسلام قبول کرتے ہی تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ اور عشرہ مبشرہ میں سے اکثر حضرت صدیقؓ کی تبلیغ سے ہی مسلمان ہوئے۔ مثلاً حضرت عثمانؓ بن عفان۔ عبدالرحمٰن بن عوف۔ طلحہؓ۔ زبیرؓ بن عوام۔ عثمانؓ بن مظعون وغیرہ حضرت صدیق رضؓ کی کوشش سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔

علامہ ابنِ کثیر البدایہ والنہایہ ص۲۳ ج۳ میں فرماتے ہیں :-

Marfat.com

وکان الایمان النافع المتعدی نفعہ الی الناس ایمان الصدیق رضی اللہ عنہ۔ کہ سب سے زیادہ نفع دینے والا ایمان حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تھا جس نے بہت لوگوں تک اسلام پھیلایا۔

ویسے بھی حضرت ابو بکرؓ کو پہلے ہی دن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا علم ہو چکا تھا۔ چنانچہ غارِ حرا میں جو واقعہ پیش آیا اور اس کے بعد آپ کو آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ ساتھ لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں، تاکہ تمام صورتِ حال بتا کر پوچھے کہ یہ کیا چیز نظر آئی ہے۔ تو اس وقت حضرت ابو بکرؓ بھی ساتھ تھے۔ (بیہقی و ابو نعیم بحوالہ البدایہ والنہایہ ص۹ ج۳)

بلکہ جب معراج ہوا۔ تو کفار نے بہت ٹھٹھا اور مذاق کیا کہ دیکھو اب یہ رات ہی رات میں مسجدِ اقصیٰ سے بھی ہو آیا ہے۔ ابو جہل بھاگا بھاگا گیا اور حضرت ابو بکرؓ کو کہا کہ تمہارا دوست اب یہ باتیں کہہ رہا ہے۔ اب بھی اس کی تصدیق کریگا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں تو اس سے پہلے اس سے بھی بڑی بڑی باتوں کی تصدیق کر چکا ہوں۔ یہ بات کوئی اس سے بڑی تو نہیں ہے۔ یعنی میں تو اس کی رسالت کا اقرار کر چکا ہوں۔ میں تو جانتا ہوں کہ انکے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام آتے ہیں۔ تو اس بات کو کیوں نہ مانوں۔

لہ علامہ طبرسی شیعی اپنی تفسیر مجمع البیان میں آیت والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار کے تحت فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت خدیجہ ایمان لائیں۔ اور اس کے بعد ابو بکرؓ ایمان لائے۔

یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ کو صدیق اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ جب بھی ان کے سامنے مسئلہ رسالت کی کوئی بات پیش ہوئی تو انہوں نے اس کی تصدیق کی۔ اور حضرت علیؓ بعثت کے وقت ابھی پانچ سات برس کے بچے نابالغ اور بالکل نو عمر تھے۔ جن کی سمجھ سے ہی ابھی یہ باتیں بالا تھیں۔ چنانچہ اسد الغابہ میں ان کے اسلام کا واقعہ اس طرح درج ہے۔ کہ حضرت علیؓ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو نماز پڑھتے دیکھتے تو حیران ہوتے، کہ یہ کیا کر رہے ہیں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دین کے بنیادی اصول بتائے۔ اور فرمایا کہ اسے قبول کر لو تو حضرت علیؓ نے کہا کہ میں اپنے باپ سے پوچھ لوں الخ یعنی حضرت علیؓ کی عمر ہی ابھی ان چیزوں کے سمجھنے سے قاصر تھی۔ اس لئے دلائل کا ظاہری رجحان اسی طرف ہے کہ حضرت علیؓ سے پہلے حضرت ابوبکرؓ ایمان لائے۔

اور اگر حضرت علیؓ کا ایمان پہلے بھی ثابت ہو جائے۔ تو بھی ان سے کوئی مفید خدمات سرانجام نہ ہو سکیں۔

مکی زندگی

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت علیؓ کی زندگی کے تیرہ سال مکہ معظمہ میں بسر ہوئے۔ اگرچہ مکی زندگی کے حالات کی تفصیل تاریخ کے صفحات میں نہیں ہے۔ لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ گھر کا ایک فرد ہونے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں پوری پوری ہمدردی تھی۔ اس لئے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ میں حتی الوسعت

Marfat.com

معاونت کرتے ہونگے۔ کیونکہ آخر بچے ہی تو تھے اور معاونت کے علاوہ رسول اللہ کی صحبت سے جو فوائد حاصل ہوتے ہونگے وہ بہت زیادہ ہوں گے۔

چنانچہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حضرت علی رضؓ کو ابو طالب نے وادیٔ نخلہ میں نماز پڑھتے دیکھا۔ تو پوچھا کیا کرتے ہو تو فرمایا کہ ہم اللہ احکم الحاکمین کی بندگی کرتے ہیں۔ اور جو لوگ بتوں کی بندگی کرتے ہیں ہم ان سے بری الذمہ ہیں۔ اور ابو طالب کو بھی کلمۂ حق کی دعوت دی۔ اس نے کہا کہ تم جو کرتے ہو کرو۔ اس میں کوئی حرج نہیں لیکن مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔ (مسند احمد ص ۹۹/۱)

یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ مکہ معظمہ میں اعلانیہ یادِ حق نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ اسلام کی اعلانیہ تبلیغ حضرت عمرؓ فاروق کے اسلام لانے کے بعد شروع ہوئی تھی۔ اس سے پہلے نماز بھی چھپ کر پڑھتے تھے۔

ایام حج میں جبکہ باہر کے لوگ آئے ہوئے ہوتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکرؓ صدیق کو ہمراہ لے کر عام مجمعوں میں تشریف لے جاتے اور تبلیغ اسلام کا فرض ادا کرتے۔ اگرچہ حضرت علیؓ اپنی طفولیت کے باعث کوئی اہم خدمت انجام دینے کے قابل نہ تھے تاہم کبھی کبھی لگے ساتھ چلے جاتے۔ (کنز العمال ص ۳۱۹/۶)

ہجرت

بعثت کے بعد تقریباً تیرہ برس تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

مکّہ کی گھاٹیوں میں اسلام کی صدا بلند کرتے رہے۔ لیکن مشرکین قریش نے اس کا جواب محض بغض و عناد سے دیا۔ اور آپ کے فدائیوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثاروں کو اسیر پنجۂ ظلم دیکھ کر آہستہ آہستہ ان سب کو مدینہ چلے جانے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ چند نفوس قدسیہ کے علاوہ مکّہ مسلمانوں سے خالی ہو گیا۔
اس ہجرت سے مشرکین کو اندیشہ ہوا کہ اب مسلمان ہمارے قبضۂ اقتدار سے باہر ہو گئے ہیں۔ اس لئے بہت ممکن ہے کہ وہ اپنی قوت مضبوط کر کے ہم سے انتقام لیں۔ اس خطرہ نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کا دشمن بنا دیا۔ چنانچہ ایک روز مشورہ کر کے وہ رات کو کاشانۂ نبوّت کی طرف چلے کہ مکّہ چھوڑنے سے پہلے ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم کو دنیا سے رخصت کر دیں۔ لیکن مشیّتِ الٰہی تو یہ تھی کہ ایکدفعہ عالمِ انسانیت کے کونوں تک توحید کی روشنی پہنچ جائے۔ اس مقصد کی تکمیل سے پہلے آفتابِ رسالت کس طرح غروب ہو سکتا تھا؟ اس لئے وحیِ الٰہی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کے ارادوں کی اطلاع دیدی۔ اور ہجرتِ مدینہ کا حکم ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ مشرکین کو شبہ نہ ہو اپنے فرشِ اطہر پر حضرت علیؓ کو استراحت کا حکم دیا۔ اور خود حضرت ابو بکرؓ کو ساتھ لے کر مدینہ منوّرہ روانہ ہو گئے۔

تمام رات مشرکین نے آپ کے گھر کا محاصرہ رکھا۔ حالانکہ رسول اللہ

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم نکل چکے تھے۔ تمام رات مشرکین اسی دھوکہ میں رہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استراحت فرما ہیں۔ اور صبح ہوتے ہی اپنے ناپاک ارادوں کی تکمیل کے لئے اندر آئے۔ یہاں یہ دیکھ کر متحیر رہ گئے۔ کہ شہنشاہ دوعالم کی بجائے آپ کا ایک جاں نثار اپنے آقا پر قربان ہونے کے لئے سربکف سو رہا ہے۔ مشرکین اپنی غفلت پر سخت برہم ہوئے اور حضرت علیؓ کو چھوڑ کر اصل مقصود کی تلاش وجستجو میں روانہ ہو گئے۔

حضرت علیؓ ہجرت نبوی کے بعد دو یا تین دن صرف مکہ میں رہے۔ اور آپکی ہدایت کے مطابق جن لوگوں کی امانتیں وغیرہ تھیں ادا کر کے عازم مدینہ ہوئے۔

یہ کیا مقام تھا کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درپے قتل بھی ہیں۔ اور پھر ان کو امین بھی سمجھتے تھے۔ دین میں مخالفت بھی پوری کرتے ہیں۔ سبحان وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی امانتیں ادا کر سکتے ہیں۔ لیکن صرف اس لئے اپنے ہاتھ سے ادا نہ کیں تاکہ مکہ کے لوگ یہ نہ سمجھیں کہ آپ جا رہے ہیں اور آپکی ہجرت میں مزاحم نہ ہوں۔

مواخات

مدینہ منورہ جانے کے بعد رسول اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا یہ کام کیا۔ کہ تمام مہاجرین و انصار کو ایک کرنے کے لئے ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصار کا رشتہ مواخات قائم کر دیا تھا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کے درمیان آپ نے رشتہ مواخات یعنی بھائی چارہ قائم کر دیا۔ (طبقات ابن سعد ص۲۲ ج۳)

بعض نے محمد بن اسحاق کی روایت سے یہ لکھا ہے کہ حضرت علیؓ سے خود رسول اللہ نے رشتۂ مواخات قائم کیا تھا۔ لیکن یہ روایت بلحاظ سند مقام استناد[1] کو نہیں پہنچتی۔ نیز عقلاً بھی یہ بات جچتی نہیں۔ کہ حضرت علیؓ تو پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم یعنی چچازاد بھائی تھے اور خود رسول اللہ کے گھر ہی پرورش پائی۔ اور آپ کے گھر کے ایک فرد سمجھے جاتے تھے۔ اس لئے ان کو رشتۂ مواخات کی ضرورت ہی کیا تھی۔ رشتۂ مواخات تو صرف مہاجرین و انصار کو ایک کرنے کے لئے تھا۔ کیونکہ ہو سکتا تھا کہ کبھی کوئی وقت آجاتا کہ مہاجر و انصار کا سوال اٹھ کھڑا ہوتا اور مسلمان متفرق ہو جاتے۔ تو اس تفرقہ بازی کے سدّباب کے لئے آنحضرت نے مہاجرین و انصار میں رشتۂ مواخات قائم کیا۔ اور جس کا پہلے ہی اتنا قریب کا تعلق ہو جیسے باپ بیٹا یا بھائی بھائی۔ تو سگے بھائیوں میں یا باپ بیٹوں میں بھائی چارہ کا عہد قائم کرنے کا سوال ہی نہیں آسکتا۔ کیونکہ ان کا پہلا تعلق عہد و پیمان کے تعلق سے زیادہ گہرا ہوتا ہے۔ چنانچہ جن روایات میں یہ واقعہ آتا ہے وہ بھی اسی طرح ہے کہ جب دوسرے صحابہ میں سلسلہ مواخاۃ قائم کیا تو حضرت علیؓ کچھ کبیدہ خاطر ہوئے۔ تو آپ نے فرمایا انت اخی فی الدنیا و الآخرۃ۔ کہ تو تو میرا ویسے ہی بھائی ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ یعنی سلسلہ نسب سے ہی تو میرا بھائی ہے۔ سلسلہ مواخات کی ضرورت تو اسے ہوتی ہے جہاں سلسلہ نسب نہ ہو۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ص۲۲۳ ج۳ و ص۳۳۵ ج۳

Marfat.com

جنگِ بدر میں مبارزت

جنگِ بدر میں کفار کا سب سے پہلا مقتول اسود بن عبدالاسد مخزومی تھا جس نے کفار کے لشکر سے نکل کر دعوتِ مبارزت[1] پیش کی۔ جس کے مقابلہ میں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نکلے۔ اور پہلے وار میں اس کو ایسا کاری زخم لگایا کہ وہ بھاگ نکلا۔ چنانچہ اس کو بھاگتے ہوئے قتل کر دیا۔

اس کے بعد میدان میں کفار کی طرف سے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ اور اس کا بیٹا ولید میدان میں مقابلہ کے لئے نکلے۔ ان کے لئے انصار میں سے حارث کے دونوں بیٹے عوف رضی اللہ عنہ اور معاذ رضی اللہ عنہ اور تیسرے عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ نکلے۔ کفار نے پوچھا تم کون ہو۔ انہوں نے کہا۔ ہم انصار میں سے ہیں۔

انہوں نے کہا۔ ہمیں تمہاری کوئی ضرورت نہیں تم سے لڑنا ہماری توہین ہے۔ ہمارے مقابلہ میں قریش کے سردار ہماری قوم کے آدمی بھیجو۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عبیدا للہ رضی اللہ عنہ بن حارث، امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ اٹھو۔ ان کے مقابلہ کے لئے نکلو۔ کفار نے کہا یہ ٹھیک ہیں۔ یہ ہمارے مقابلے میں ہمارے ہمسر ہیں اور ہماری قوم کے ہیں عبیدہ رضی اللہ عنہ نے عتبہ کو مقابلہ کے لئے بلایا۔ امیر حمزہ رضی اللہ عنہ شیبہ کے مقابلہ میں نکلے

---

[1] عرب میں جنگوں کے موقع پر فریقین میں سے لڑائی شروع ہونے سے پہلے دونوں طرف سے نامور پہلوان ایک دوسرے کو مقابلہ میں آنے کی دعوت دیتے۔ تاکہ دونوں لڑیں اور اپنی اپنی بہادری کے جوہر دکھائیں۔ اس کو دعوتِ مبارزت کہتے ہیں۔

Marfat.com

اور حضرت علیؓ ولید کے سامنے آئے۔ امیر حمزہؓ نے تو شیبہ کو مہلت ہی نہ دی۔ اور ایک ہی جست میں اس کو ڈھیر کر دیا۔ اور حضرت علیؓ نے بھی ولید کو ٹھیرنے نہ دیا۔ اور اس کا کام تمام کر دیا۔ اور عبیدہ رضی اللہ عنہ عتبہ کے مقابلے میں نکلے تھے۔ دونوں کے وار بھرپور تھے۔ اور دونوں زخمی ہو گئے۔ اتنے میں امیر حمزہؓ اور حضرت علیؓ فارغ ہو چکے تھے۔ دونوں عتبہ پر کود پڑے اور اس کو قتل کر دیا۔ اور عبیدہؓ کو اٹھا کر اپنے لشکر میں لے گئے۔

جنگِ بدر بڑی گھمسان کی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو زبردست فتح دی۔ مالِ غنیمت کے علاوہ قریباً ستر قیدی لائے گئے۔ حضرت علیؓ کو مالِ غنیمت سے ایک ذرہ۔ ایک تلوار اور ایک اونٹ حصہ میں ملا۔

حضرت فاطمہؓ سے نکاح

اسی سال ۲ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دامادی کا شرف بخشا۔ اور اپنی چوتھی بیٹی جو عمر میں سب سے چھوٹی تھیں حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے نکاح کر دیا۔

حضرت علیؓ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی خواہش کا علم کرایا۔ تو آپؐ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لئے کچھ ہے۔ چنانچہ آپؐ کے کہنے پر حضرت علیؓ نے زرہ فروخت کی۔ جو چار سو اسّی درہم میں فروخت ہوئی۔ اس سے کچھ کپڑے و خوشبو خریدی۔ اور کچھ مہر ادا کیا۔ اور باقی رقم سے ولیمہ کی دعوت کی۔ نکاح سے قریباً دس گیارہ ماہ بعد باقاعدہ رخصتی ہوئی۔ اس وقت تک حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

پاس ہی رہتے تھے۔ اس لئے جب رخصتی کا وقت آیا تو آپؐ نے فرمایا۔ علیؓ! کوئی مکان کرایہ پر لے لو۔ چنانچہ حارث بن نعمان کا مکان ملا اور حضرت علیؓ ملکۂ جنت کو رخصت کرا کر اس میں لے گئے۔

حضرت فاطمہؓ کو جو گھر سے جہیز ملا، اس کی کل کائنات یہ تھی۔ ایک پلنگ۔ ایک بستر۔ ایک چادر۔ دو چکیاں اور ایک مشکیزہ۔ عجیب اتفاق ہے کہ یہی چیزیں حضرت فاطمہؓ کی زندگی تک ان کی رفیق رہیں۔ اور حضرت علیؓ اس میں کوئی اضافہ نہ کر سکے۔

حضرت علیؓ کی زندگی نہایت فقیرانہ تھی۔ ذاتی ملکیت میں صرف ایک اونٹ تھا جو جنگِ بدر میں غنیمت کے حصہ میں ملا تھا۔ خیال تھا کہ اس پر اذخر (گھاس)، وغیرہ کی تجارت کر کے کچھ رقم بنا لیں۔ اور دعوت ولیمہ کریں۔ لیکن حضرت امیر حمزہ نے حالتِ نشہ میں اس اونٹ کو ذبح کر کے کباب سیخ بنا دیا۔ (کیونکہ اس وقت ابھی شراب حرام نہیں ہوئی تھی) چنانچہ حضرت علیؓ کے پاس اس رقم کے سوا جو زرہ کی قیمت سے مہر ادا کرنے کے بعد بچ رہی تھی اور کچھ نہ تھا۔ چنانچہ اسی سے دعوتِ ولیمہ کا سامان کیا۔ جس میں کھجور۔ جَو کی روٹی۔ پنیر اور ایک خاص قسم کا شوربا تھا۔ لیکن اس زمانے کے لحاظ سے یہ پُر تکلف ولیمہ تھا۔ حضرت اسماء کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں اس سے بہتر کوئی ولیمہ نہیں ہوا۔

جنگوں میں آں حضرت کی رفاقت

حضرت علیؓ تلوار کے دھنی اور عزم کے پکّے تھے۔ دشمن کا خوف تو

Marfat.com

کبھی ان کے پاس بھی نہ پھٹکا تھا۔ اور جنگ بدر میں نامی گرامی پہلوانوں کے ساتھ آپ کا مقابلہ ہوا۔ حالانکہ اس وقت آپ کی عمر صرف بیس برس کے لگ بھگ تھی۔ (بخاری) اس کے علاوہ سوائے جنگ تبوک کے تمام جنگوں میں آپ نے حصہ لیا۔ جنگِ تبوک کو جاتے وقت رسول اللہ آپ کو مدینہ پر عامل یعنی قائم مقام مقرر فرما گئے تھے۔

جنگِ اُحد میں بھی بہترین مقابلہ کیا۔ اور بہت کافر قتل کئے۔ حضرت علیؓ کے جسم پر جنگِ اُحد میں سولہ زخم آئے تھے۔ جنگِ اُحد میں مسلمانوں کو بہت تکلیف آئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک میں پتھر لگا تھا۔ جو ہڈی توڑ کر ہڈی کے اندر دھنس گیا تھا۔ اور آپ کے چار سامنے دانت بھی پتھر لگنے سے شہید ہو گئے۔ حضرت فاطمہؓ زخم کو دھو رہی تھیں اور حضرت علیؓ پانی لا رہے تھے۔ لیکن بنسبت پانی کے خون زیادہ تھا۔ بالآخر حضرت فاطمۃ الزہرؓا نے چٹائی جلا کر اس کی راکھ زخم پر باندھی تب خون بند ہوا۔ ستّر مسلمان شہید ہو گئے تھے۔ جس میں سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ بھی تھے۔

جنگِ خندق میں بھی بہادری کے بہت جوہر دکھائے اور کافروں کے بڑے بڑے شاہسوار عمرو بن عبدود عامری جیسے مشہور و معروف آدمیوں کو قتل کیا۔

معرکۂ حدیبیہ میں بھی حصہ لیا۔ اور بیعت الرضوان میں شامل تھے جو کہ حضرت عثمانؓ کی وجہ سے ہوئی تھی جس پر اللہ تعالٰی نے تمام حاضرین

Marfat.com

بیعت کو بخشش کی خوشخبری سے نوازا۔ بعد میں جب وہاں صلح نامہ لکھا گیا تو وہ بھی حضرت علیؓ نے ہی لکھا تھا۔

جنگِ خیبر

اور خیبر کا تو ایک قلعہ آپ ہی کے ہاتھ سے سر ہوا۔ چنانچہ احادیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں صبح ایسے شخص کی سپرداری میں جھنڈا دونگا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں اور اس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ خیبر کو فتح کرے گا۔ چنانچہ صحابہ رات کو تذکرہ کرتے رہے کہ صبح کو کسے جھنڈا ملے گا۔ صبح کو رسول اللہ نے حضرت علیؓ کو بلایا کہ علیؓ کہاں ہے۔ صحابہ نے کہا کہ حضرت ان کی آنکھیں دُکھنی آئی ہیں اور وہ اپنے خیمہ میں ہی ہیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے انہیں بُلایا۔ اور آنکھوں پر لب مبارک لگایا۔ اور آنکھوں کا سب درد جاتا رہا۔ اور انہیں جھنڈا دیا۔ اور ان کے لئے دُعا فرمائی۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت علیؓ جنگِ خیبر میں آنے سے معذور تھے۔ کیونکہ ان کو رمدِ چشم یعنی آنکھیں دُکھنے آئی تھیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جنگِ خیبر کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ اور حضرت علیؓ پیچھے رہ گئے۔ لیکن دوسرے ہی دن پیچھے رہنا برداشت نہ کر سکے۔ اور والہانہ طور پر نکل کر لشکر سے جا ملے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی والہانہ عقیدت و محبت دیکھی تو ان کے لئے دُعا بھی فرمائی اور علم دے کر یعنی سالار

Marfat.com

لشکر بنا کر حوصلہ افزائی بھی فرمائی۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے ان کے ہاتھ پر خیبر کا ایک بہت بڑا قلعہ سر کروایا۔ یہ دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا اور اُن ہی دُعا کی برکت تھی۔ ویسے خیبر کے علاقہ میں یہودیوں کے کافی قلعے تھے جو دوسروں کے ہاتھ پر بھی فتح ہوئے۔ لیکن سب سے بڑا قلعہ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر ہی فتح ہوا۔ اس قلعہ کا نام قلعہ قموص تھا۔ جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہ کو بھیجا تھا اور محمد بن مسلمہ ہی نے قلعہ قموص کے یہودی پہلوان مرحب کو قتل کیا تھا (طبری ص۹۳) مگر قلعہ فتح نہ کر سکے۔ قلعہ قموص جس سلسلہ قلعہ جات میں واقع تھا اسمیں تین قلعے تھے۔ ایک حضرت ابوبکرؓ کے زیرکمان فتح ہوا۔ دوسرا حضرت عمرؓ کے ہاتھ فتح ہوا۔ قموص حضرت محمد بن مسلمہؓ کے بعد حضرت علیؓ نے فتح کیا۔

اس کے علاوہ فتح مکہ۔ جنگِ حنین اور طائف کے معرکہ میں بھی حصّہ لیا۔ صرف جنگِ تبوک میں حضرت علیؓ شامل نہیں ہوئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مدینہ پر اپنا نائب مقرر فرمایا تھا۔ حضرت علیؓ کبیدہ خاطر ہو کر فرمانے لگے۔ کہ حضرت کیا میں اسی لائق ہوں، کہ عورتوں اور بچّوں کے ساتھ رہ جاؤں اور جوانمردوں کے ساتھ جنگ میں نہ جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ علیؓ تجھے یہ پسند نہیں کہ جس طرح حضرت موسیٰؑ توراۃ لینے گئے تھے۔ اور حضرت ہارونؑ کو اپنا نائب مقرر کر گئے تھے۔ اسی طرح میں جنگِ تبوک میں جاتے ہوئے تجھے اپنا نائب بنا رہا ہوں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حضرت ہارونؑ نبی تھے اور میرے بعد نبوت

Marfat.com

کا دروازہ بند ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام کی چند روزہ وقتی خلافت ہارون علیہ السلام کو ملی۔ اور وہ نبی تھے۔ لیکن میں وقتی خلافت بوجہ غزوہ تبوک کے تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ حالانکہ تم نبی نہیں ہو۔

زندگی نبوّت کی بعض مشہور مہمیں

جنگوں کے علاوہ بسا اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کو دیگر مہموں پر بھی روانہ فرماتے رہے۔ مثلاً:

۱۔ جنگِ بدر سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو دشمن کے لشکر کی جاسوسی کے لئے مقرر فرمایا۔ جسے آپ نے باحسن سرانجام دیا۔

۲۔ فتح مکہ کی تیاری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص رازدارانہ مہم شروع کی تھی۔ تاکہ مکہ کے لوگوں کو اطلاع نہ ہو۔ لیکن معلوم ہؤا کہ ایک عورت جنگی نقل و حرکت کی اطلاع دینے کے لئے مکہ روانہ ہو گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ کو اس کی گرفتاری پر مامور فرمایا تینوں نے تیز گھوڑوں پر تعاقب کیا۔ اور خاخ کے باغ کے پاس سے گرفتار کر کے اس سے خط مانگا۔ اس نے لاعلمی ظاہر کی۔ لیکن جب حضرت علیؓ نے جامہ تلاشی کے لئے کہا۔ تو اس نے خط دیدیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب یہ خط پڑھا گیا۔ تو معلوم ہؤا کہ مشہور صحابی حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ نے مشرکینِ مکہ کو لکھا تھا۔ اس میں بعض مخفی حالات کی اطلاع

Marfat.com

تھی جب حاطب رضؓ سے پوچھا گیا۔ تو اس نے کہا۔ حضرت اصل واقعہ یہ ہے کہ مجھ کو قریش سے کوئی نسبی تعلق نہیں ہے۔ صرف حلیف ہوں اور مکہ میں دوسرے مہاجرین کی قرابتیں ہیں۔ جو فتح مکہ کے وقت ان کا خیال رکھیں گے۔ میں نے اس خیال سے کہ اگر کوئی نازک وقت آئے تو میرے بچے بے یار ومددگار نہ رہ جائیں یہ خط لکھا تھا۔ حاشا وکلا اس سے مخبری یا اسلام کے ساتھ دشمنی مقصود نہیں۔ چنانچہ آں حضرت نے اس کے عذر کو قبول فرمایا۔

(۳) ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو روانہ فرمایا کہ جتنی اونچی قبریں ہیں ان کو ملیامیٹ کر دو۔

لاتدع تمثالاً الا طمستہ ولا — کوئی تصویر نہ چھوڑنا مگر اسے مٹا دینا اور قبر مشرفا الا سویتہ۔ (مسلم) کوئی بلند قبر نہ دیکھنا مگر اسے برابر کر دینا۔

اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ جب بھی کسی قوم میں شرک آیا ہے۔ تو بزرگوں کے مزار اور قبرستان ہی اس کا زیادہ سبب بنے ہیں۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پختہ چونے گچ اور اونچی قبریں بنانے سے منع فرمادیا اور ان پر مجاوری کرنے والے اور چراغ روشن کرنے والے اور پختہ قبر بنانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

عن جابر قال نھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبور وان یبنی علیہ وان یقعد — جابر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ قبروں کو پختہ چونے گچ کی جائے یا اس پر کوئی تعمیر

Marfat.com

(مسلم) کی جلائے اور اسپر (مجاور بنکر) بیٹھا جائے۔

اسی طرح جب فتح مکہ ہوا تو خانہ کعبہ میں بھی حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی تصویریں تھیں جن کو رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضرت علیؓ نے مٹایا۔ (بخاری)

۴۔ غزوہ تبوک کی واپسی کے بعد اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کو امیر حج بنا کر مکہ روانہ فرمایا ان کی روانگی کے بعد سورہ برأت نازل ہوئی جس کا اعلان حج کے موقع پر ہونا لازمی تھا۔ چنانچہ یہ پیغام پہنچانے کے لئے ان کے پیچھے حضرت علیؓ کو بھیج دیا۔ اور فرمایا کہ تم یہ اعلان عام کر دینا کہ کوئی کافر جنت میں داخل نہ ہوگا۔ اور اس کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے۔ اور کوئی شخص برہنہ خانہ کعبہ کا طواف نہ کرے۔ اور جس کا کوئی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے وہ مدت معینہ تک باقی رہے گا۔"

۵۔ سب سے آخری مہم جس پر حضرت علیؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا۔ وہ یمن کی مہم تھی جس پر حضرت خالد بن ولید مقرر ہوئے تھے۔ چونکہ انہیں کمک کی بھی ضرورت تھی اس لئے ان کی امداد کے لئے حضرت علیؓ کو بھیجا۔ اور ان کے لئے ان کے سینہ پر دست مبارک رکھ کر دعا فرمائی۔ اے خدا اس کی زبان کو راست گو بنا۔ اور اس کے دل کو ہدایت سے منوّر فرما۔ اور خود اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر عمامہ باندھا اور سیاہ علم دے کر یمن کی طرف روانہ فرمایا۔ حضرت علیؓ کی کوشش سے ان کے

Marfat.com

ہاتھ پر قبیلہ ہمدان مسلمان ہوا۔ اور بہت مال غنیمت ملا۔

وہاں ایک ایسا واقعہ پیش آیا۔ جس کی وجہ سے بعض صحابی حضرت علیؓ کو اچھی نگاہ سے نہ دیکھتے تھے۔ وہ یہ کہ یمن کے مالِ غنیمت میں سے خمس جو مدینہ کو بھیجنا تھا اس میں سے حضرت علیؓ نے ایک لونڈی لے لی۔ جب باہر نکلے تو ان کے سر سے پانی کے قطرات گر رہے تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ حضرت علیؓ غسل سے فارغ ہو کر آئے ہیں۔ چنانچہ بعض کو بدظنی ہوئی۔ دریافت پر معاملہ درست نکلا۔ چنانچہ خمس کا مال مدینہ میں لانے والے نے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کر دی۔ آپ نے فرمایا کہ دل سے غصہ نکال دو۔ کیونکہ علیؓ کا خمس میں اس سے زیادہ حصہ ہے۔ (البدایہ والنہایہ ص۳۴۴)

چار چھ ماہ بعد جب حضرت علیؓ حج الوداع میں شمولیت کے لئے مکہ معظمہ پہنچے تو اس وقت بھی یمن کی فوج کے مجاہدین سے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی۔ چنانچہ آپ واپسی میں جب غدیر خم مقام پر پہنچے۔ تو آپ نے خطبہ دیا۔ فرمایا کہ اے مسلمانوں! کیا میں تمہارے نزدیک تمہاری جانوں سے بہتر نہیں ہوں؟ لوگوں نے کہا کیوں نہیں حضرت آپ بہتر ہیں۔ فرمایا پھر اگر مجھ سے پیار کرتے ہو تو علیؓ سے بھی پیار کرو۔ کیونکہ جس کا میں دوست ہوں۔ اس کا علیؓ بھی دوست ہے۔ اور دعا فرمائی کہ اے اللہ! جو علیؓ سے محبت کرتا ہے اس سے تو بھی محبت کر اور جو علیؓ سے دشمنی کرتا ہے اس سے تو بھی دشمنی کر۔

Marfat.com

بلکہ مدینہ شریف پہنچ کر پھر دوبارہ خطبہ دیا۔ تاکہ لوگ پرانے سابقون مہاجرین سے بغض و عناد اور دشمنی کا سلسلہ شروع نہ کر دیں۔ چنانچہ فرمایا۔

لما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة من حجة الوداع صعد المنبر فحمد الله واثنى عليه ثم قال ايها الناس ان ابا بكر لم يسؤني قط فاعرفوا ذلك له. ايها الناس اني عن ابي بكر و عمر و عثمان و علي و طلحة و زبير و عبد الرحمن بن عوف والمهاجرين الاولين راض فاعرفوا ذلك لهم. ايها الناس احفظوني في اصحابي واصهاري واحبائي لا يطلبكم الله بمظلمة احد منهم. ايها الناس ارفعوا السنتكم عن المسلمين واذا مات احد منهم فقولوا فيه خيرا۔
(طبرانی بحوالہ البدایہ والنہایہ ص۲۱۶ ج۵)

حج الوداع سے فراغت کے بعد مدینہ پہنچ کر آپ نے منبر پر خطبہ دیا اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔ لوگو! ابوبکر سے مجھے کبھی دکھ نہیں پہنچا۔ اس لئے ان کے مقام کو ضرور پہچاننا۔ لوگو! میں ابوبکر سے عمر سے عثمان و علی سے طلحہ اور زبیر سے عبدالرحمٰن بن عوف اور تمام مہاجرین اوّلین سے خوش ہوں ان کا مقام ضرور پہچاننا۔ اے لوگو! میرے اصحاب میرے سسرال اور میرے دوستوں کے معاملہ میں میرے حقوق کی نگہداشت رکھو ایسا نہ ہو کہ ان میں سے کسی پر زیادتی کی وجہ سے تم کو اللہ پکڑے۔ اے لوگو! مسلمانوں کے معاملہ میں زبانیں بند رکھو اور فوت شدہ مسلمانوں کے معاملہ میں جب بات کرو تو اچھی کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو تین مرتبہ اس کے متعلق خطبے دئے۔ تاکہ لوگ میرے بعد صحابہ کرام سے دشمنی اور بغض و عناد نہ کرنے لگیں۔

Marfat.com

اسی سال ۱۰ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج کیا۔ اور حضرت علیؓ بھی یمن سے آکر اس یادگار حج میں شریک ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات

حج سے واپسی کے بعد ابتدائے ماہ ربیع الاوّل ۱۱ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے۔ حضرت علیؓ نہایت تندہی اور جانفشانی کے ساتھ تیمارداری اور خدمت گذاری میں مصروف رہے۔ حضرت علیؓ ایک روز جب باہر نکلے۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ اب حضور انور کا مزاج کیسا ہے۔ حضرت علیؓ نے اطمینان ظاہر کیا۔ حضرت عباسؓ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ خدا کی قسم میں موت کے وقت خاندان عبدالمطلب کے چہرے پہچانتا ہوں۔ آؤ چلیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کریں کہ ہمارے لئے خلافت کی وصیت کر جائیں۔ حضرت علیؓ نے کہا میں نہیں عرض کرونگا۔ اگر خدا کی قسم آنحضرت نے انکار کر دیا۔ تو پھر آیندہ کوئی اُمید باقی نہیں رہیگی[۱]۔ (بخاری)

دس روز کی مختصر علالت کے بعد ۱۲ ربیع الاوّل دوشنبہ کے دن دوپہر کے وقت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جان نثاروں کو داغِ مفارقت دے گئے۔ حضرت علیؓ چونکہ آنحضرت کے قریب ترین عزیز اور خاندان کے رکنِ رکین تھے۔ اس لئے غسل و تجہیز و تکفین کے تمام مراسم انہیں کے ہاتھ

---

[۱] اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے لئے خلافت کے معاملہ میں کسی قسم کی کوئی وصیت نہیں کی تھی چنانچہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ بھی دونوں سمجھتے تھے کہ کوئی وصیت نامہ صادر نہیں فرمایا۔ تبھی تو حضرت عباسؓ نے لکھوانے کے لئے کہا تھا۔

سے انجام پائے۔ انصار و مہاجرین دروازے کے باہر کھڑے رہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک انصاری کو بھی اس میں شرکت کا شرف ہوا۔

خلیفۂ اول کا دورِ خلافت

سقیفہ بنو ساعدہ کی مجلس نے حضرت ابوبکرؓ صدیق کی خلافت پر اتفاق کیا۔ اور تقریباً تمام اہلِ مدینہ نے بیعت کی۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے بھی دوسرے دن بیعت کی لیکن چونکہ چونکہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا بیحد صدمہ تھا۔ اور قریباً اسی صدمہ سے صاحب فراش رہیں۔ اور بمشکل چھ ماہ بعد زندہ رہیں۔ اس لئے حضرت علیؓ ان کی تیمارداری میں لگے رہے۔ اور انتظاماتِ خلافت کے ساتھ کسی قسم کا تعاون نہ کر سکے۔ لوگوں کو ان کے متعلق کچھ شبہ ہوا۔ کہ وہ انتظاماتِ خلافت میں حصہ کیوں نہیں لیتے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے وفات حضرت فاطمہؓ کے بعد حضرت ابوبکرؓ سے دوبارہ بیعت کی۔ اور انتظاماتِ خلافت میں حصہ لینے کا اقرار کیا۔ اسی لئے دوسری بیعت کو بیعت الرضاء کہتے ہیں۔

لوگوں نے اس قطع تعلق کے عجیب غریب وجوہ اختراع کر لئے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی سوگوار زندگی نے انہیں بالکل خانہ نشین بنا دیا تھا۔ اور تمام معاملات سے قطع تعلق کر کے صرف ان کی تسلی اور دلدہی میں مصروف رہے یا پھر تھوڑا سا وقت قرآن جمع کرنے[1] میں صرف کرتے۔ چنانچہ جب حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت انہوں نے خود حضرت ابوبکرؓ

---

[1] ایک روایت میں ہے کہ ذی القصہ کی جنگ مرتدین میں حضرت علیؓ بھی حضرت صدیقؓ کے ساتھ گئے۔ (البدایہ والنہایہ ص ۲۹۵)

Marfat.com

سے ان کے فضل کا اعتراف کیا۔ اور دوبارہ بیعت کی۔ اور انتظاماتِ خلافت میں حصّہ نہ لینے کا عذر بیان کیا چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے ان کے عذر کو قبول فرمایا۔ (البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۲۵)

خلیفہ دوم کا دَورِ خلافت

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت قریباً سوا دو برس رہی۔ اس کے بعد انہوں نے وفات پائی۔ حضرت علیؓ سے کوئی نمایاں کام خلافتِ صدیقی میں ظہور پذیر نہیں ہوا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ پے بہ پے موت کے صدموں نے انہیں کچھ نہ کرنے دیا۔ اور جب کام کرنے کا وقت آیا، تو خلیفہ اوّل ہی چل بسے۔

ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ مسند آرائے خلافت ہوئے۔ حضرت عمرؓ بڑی بڑی مہمات میں حضرت علیؓ کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہ کرتے۔ گویا حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کے مشیرِ خاص اور وزیرِ مملکت کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ حضرت علیؓ بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورے دیتے تھے۔

حضرت عمرؓ جب بیت المقدس گئے۔ تو کاروبارِ خلافت حضرت علیؓ کے ہاتھ میں دے کر گئے۔ اتحاد و یگانگت کی انتہا یہ تھی کہ باہم رشتہ مصاہرت قائم ہو گیا یعنی حضرت علیؓ نے اپنی صاحبزادی اُمِ کلثوم جو حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے بطنِ اطہر سے سب سے چھوٹی تھیں حضرت عمرؓ کے نکاح میں دیدیں۔

حضرت عمرؓ فاروق بھی پوری ہمدردی اور دلجوئی کرتے رہے۔ چنانچہ یزدجرد شہنشاہ فارس کی بیٹی شہر بانو جب مالِ غنیمت میں آئی۔ تو اس کا نکاح حضرت عمرؓ نے امام حسینؓ سے کر دیا۔ حالانکہ اپنے بیٹے بھی موجود تھے۔

اسی طرح اپنے دورِ خلافت میں تمام اموال فدک و خیبر حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کی سپرداری میں دے دئیے۔ اس مال کی پوزیشن وقف کی سی ہو گئی تھی۔ جو تقسیم تو نہ ہو سکتا ہو لیکن تمام اہلِ بیت اس سے فائدہ اُٹھاتے رہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لانرث ولانورث ما ترکناہ فہو صدقۃ فرما کر اس کی تقسیم سے روک دیا تھا۔ اگر نہ روکا ہوتا تو تمام جائداد ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی۔ حضرت عباسؓ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ کے قبضہ میں رہی۔ اس کے بعد حسنؓ بن علیؓ پھر حسینؓ بن علیؓ اور پھر علی بن حسینؓ اور حسن بن حسنؓ کے پاس رہی۔ اور اس پر متصرف رہے۔ اس کے بعد زید بن حسن بن علی جو حسن بن حسنؓ کے بھائی تھے کے پاس رہی۔ پھر اس کے بعد مروان امیر ہوا تو تمام چیزیں اس کے ہاتھ آئیں۔ اور یہ دستور مروانیوں میں منتقل ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز امیر ہوئے۔ چونکہ وہ انتہائی انصاف پسند تھے انہوں نے کہہ دیا کہ اس چیز کے لینے کو میں تیار نہیں ہوں چنانچہ انہوں نے پھر وہ تمام قطعات اولادِ فاطمہؓ کی طرف لوٹا دئیے۔

خلیفہ سوم کا دورِ خلافت

جب حضرت عثمانؓ خلیفہ منتخب ہوئے۔ تو ان کے ساتھ بھی پوری ہمدردی سے کام کرتے رہے۔ اور بہترین معاون بنے رہے۔ سب سے پہلے حضرت عثمانؓ سے بیعت کرنے والے حضرت علیؓ ہی تھے۔ جب انتخاب خلیفہ کے وقت حضرت علیؓ سے پوچھا گیا کہ اگر آپ کے علاوہ کسی کو خلیفہ بنایا جائے۔ تو وہ کون شخص ہے جو اس کا اہل ہو۔ تو فرمایا عثمانؓ!

Marfat.com

حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت کے پہلے چھ سات برس بہت اطمینان سے گذرے۔ اس کے بعد فتنہ پردازوں نے سازشیں شروع کر دیں۔ تاکہ صحابہ کرام کی آپس میں منافرت پیدا ہو جائے۔ اور صحابہ کرام کے نام سے جعلی چھٹیاں لکھنی شروع کر دیں۔ جن سے محسوس ہو کہ اب ظلم و تعدی کا دور دورہ شروع ہو گیا ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کے مشورہ سے کچھ لوگ تحقیقاتی کمیشن کے طور پر بھیجے گئے۔ جنہوں نے آکر کہا کہ ولایات میں بالکل امن ہے۔ کوئی بات نہیں۔ صرف اس وقت کوفہ میں چند شرارت پسند آدمی ہیں۔ وہ قسم قسم کی بیہودہ باتیں کرتے ہیں۔ بہرحال قریباً ایک دو برس کے لئے فتنہ رُک گیا۔ اس کے بعد پھر وہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ اس شورش و ہنگامہ کی حقیقی وجہ اور اس کے رفع کرنے کی کیا صورت ہے؟ انہوں نے نہایت خلوص سے فرمایا کہ آپکے عمال کی بے اعتدالیوں کا نتیجہ ہے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں نے عمال کے انتخاب میں انہیں صفات کو ملحوظ رکھا ہے۔ جو فاروق اعظم کے پیش نظر تھیں۔ پھر اس عام شورش کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ ہاں یہ صحیح ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے سب کی نکیل اپنے ہاتھ میں رکھی تھی۔ اور گرفت ایسی تھی کہ عرب کا سرکش سے سرکش اونٹ بھی بلبلا اٹھتا۔ برخلاف اس کے کہ آپ ضرورت سے زیادہ نرم دل ہیں۔

اور حقیقت بھی یہ ہی تھی کہ اگر حضرت عثمانؓ زیادہ نرمی سے کام نہ لیتے تو مفسدین کو اتنا بڑھنے کا حوصلہ نہ ہوتا۔ اور معاملہ خلیفہ کی شہادت تک پہنچنے سے پہلے ہی مفسدین سیدھے ہو چکے ہوتے۔

ہوسکتا ہے کہ خلافت عثمانؓ کے آخری دور میں بعض صحابہ کے دل میں کچھ غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہوں۔ اور ہمیں یہ تسلیم کرتے ہیں کوئی باک نہ ہوتا اگر حضرت علیؓ کا کردار اس کی موافقت کرتا۔ لیکن حضرت علیؓ آخر وقت تک حضرت عثمانؓ سے دفاع کرتے رہے۔ جب مفسدین نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کرلیا تو حضرت علیؓ باغیوں کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ تم لوگوں نے جس قسم کا محاصرہ کیا ہے نہ صرف اسلام بلکہ انسانیت کے بھی خلاف ہے۔ کفار بھی مسلمانوں کو قید کر لیتے ہیں لیکن آب و دانہ سے محروم نہیں کرتے۔ آخر اس شخص نے تمہارا کیا نقصان کیا ہے جو ایسی سختی روا رکھتے ہو؟

محاصرین پر حضرت علیؓ کی سفارش کا بھی کچھ اثر نہ ہوا۔ بلکہ اُلٹا حضرت علیؓ کو بھی محاصرین نے بُرا بھلا کہا۔ اور مدینہ کے باہر احجار زیت میں نکال دیا۔

حضرت علیؓ کو اس قسم کا وہم بھی نہ تھا کہ محاصرہ کی انتہا شہادت تک جا پہنچے گی۔ پھر بھی احتیاطاً اپنے دونوں صاحبزادوں کو حفاظت کے لئے بھیج دیا جنہوں نے نہایت تندہی اور جانفشانی کے ساتھ مدافعت کی۔ یہاں تک کہ اسی کشمکش میں زخمی ہوئے۔ بالآخر مفسدین دوسری طرف سے دیوار پھاند کر اندر گھس آئے۔ اور خلیفہ وقت کو شہید کر ڈالا۔ جب حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو اس سانحہ جانکاہ پر حد درجہ متاسف ہوئے۔ اور جو لوگ حفاظت پر مامور تھے ان پر سخت ناراضگی ظاہر کی۔ حضرت امام حسنؓ اور حسینؓ کو مارا۔ محمد بن طلحہؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کو بُرا بھلا کہا۔ کہ تم لوگوں کی موجودگی میں یہ واقعہ کیوں پیش آیا۔ اس طرح حضرت علیؓ نے اپنی بیعت کا پوری طرح حق ادا کیا۔

لہ یہ تمام واقعات پہلے حصہ میں بالتفصیل گزر چکے ہیں۔

Marfat.com

باب دوم

خلافت

۲۱ ذی الحج ۳۵ھ میں حضرت علیؓ سے بیعت خلافت ہوئی۔ ۱۸ ذی الحج بروز جمعہ پچھلے پہر حضرت عثمانؓ کی شہادت ہوئی۔ حضرت علیؓ کو کسی نے بتایا۔ کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا۔ حضرت علیؓ نے آسمان کی طرف منہ کیا۔ اور ہاتھ اٹھا کر فرمایا۔ خدایا میں خون عثمانؓ سے بری الذمہ ہوں۔ نہ میں نے قتل کیا۔ نہ ہی قتل کے لئے کوئی اشارہ کیا۔ بلکہ میں لوگوں کو حتیٰ الوسعت روکتا رہا۔ لیکن مفسدین مجھ پر بھی غالب آ گئے۔

شام کو لوگ اکٹھے ہو کر حضرت علیؓ کے پاس آئے۔ کہ ہم سے بیعت لے لو۔ فرمایا کہ مجھ کو شرم آتی ہے کہ ایسا شخص جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہوں اس کی لاش بے گور و کفن پڑی ہو اور میں تم سے بیعت لوں۔ چنانچہ بیعت قبول نہ کی۔ لوگ حضرت طلحہؓ کے پاس گئے کہ تم بیعت لے لو۔ انہوں نے بھی انکار کیا۔ پھر حضرت زبیرؓ کے پاس گئے۔ انہوں نے بھی بیعت قبول نہ کی۔ حضرت سعدؓ کے پاس گئے۔ لیکن وہ بھی نہ مانے۔

دوسرے دن مفسدین نے اعلان کر دیا۔ کہ تین دن کے اندر اندر ہم سے بیعت لے لو۔ ورنہ علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ تینوں کو ہم قتل کر دیں گے۔

Marfat.com

بعض صحابہ نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ حضرت علیؓ ان کی بیعت قبول کرلیں۔ ورنہ زیادہ فساد کا خطرہ ہے۔ چنانچہ بعض احباب کے مجبور کرنے پر حضرت علیؓ نے شہادت عثمانؓ کے تیسرے دن بیعت قبول کرلی۔ چنانچہ سب سے اشتر نخعی نے بیعت کی۔ بعض روایات میں ہے کہ ۲۴ رذی الحجہ جمعرات کو بیعت عام ہوئی۔ اور پانچ دن مدینہ میں امیر غافقی بن حرب رہا۔ اشتر اور غافقی مفسدین کے سرغنوں میں سے تھے۔ اور ۲۵ رذی الحجہ کو بیعت عام ہوئی۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ طلحہؓ اور زبیرؓ جو کہ سابقون میں سے ہیں ان کی کیا رائے ہے چنانچہ ان کو بھی لایا گیا۔ اور جمعہ کے دن سب سے پہلے حضرت طلحہؓ کو بیعت کے لئے مجبور کیا گیا حضرت طلحہؓ کا دایاں ہاتھ جنگ احد کے دن کٹ چکا تھا چنانچہ انہوں نے اس سے بیعت کی جس کو بعض نے برا شگون سمجھا۔ اس کے بعد حضرت زبیرؓ کو لایا گیا۔ اور ان سے بیعت لی گئی۔ حضرت زبیرؓ نے کہا۔ کہ یہ تو بیعت تلوار کے زور سے ہے۔

اصل بات یہ تھی کہ صحابہ میں سے ایسے بہت لوگ تھے جو ان حالات کو دیکھ کر اس فتنہ کے دور سے الگ رہنا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ کسی بھی پارٹی میں حصہ نہ لیا جائے چنانچہ حسانؓ بن ثابت۔ کعبؓ بن مالک مسلمہؓ بن مخلد۔ ابوسعیدؓ۔ محمد بن مسلمہ۔ نعمان بن بشیر۔ زید بن ثابت۔ رافع بن خدیج۔ فضالہ بن عبیدہ۔ کعب بن عجرہ قدامہؓ بن مظعون۔ عبداللہ بن سلام مغیرہ بن شعبہ۔ مروان بن حکم۔ ولیدؓ بن عقبہ۔ عبداللہ بن عمر۔ سعد بن ابی وقاص۔ خالد بن سلامہؓ اور سلامہ بن زید وغیرہ انہیں لوگوں میں سے تھے

Marfat.com

جنہوں نے بیعت نہ کی تھی۔ اور بعد کی تمام خانہ جنگیوں سے کنارہ کش رہے تھے۔ حضرت طلحہؓ۔ زبیرؓ۔ سعدؓ اور عبداللہ بن عمرؓ چونکہ معززین اور نامور صحابہ میں سے تھے۔ اس لئے انہیں مجبور کیا گیا کہ ضرور بیعت کریں۔ چنانچہ طلحہؓ اور زبیرؓ کو اشتر اور حکیم بن جبلہ لے کر آئے۔ اور کہا کہ ہم اس شرط پر بیعت کریں گے کہ اللہ تعالےٰ کے احکام اور حدیں نافذ کی جائیں (یعنی قاتلین سے قصاص لیا جائے) چنانچہ دونوں نے اس شرط پر بیعت کر لی۔ حضرت سعدؓ کی طرف آئے تو انہوں نے دروازہ بند کر لیا۔ اور کہا کہ جب سب لوگ بیعت کر لیں گے۔ تب کروں گا۔ اور اس بات کا وعدہ کیا کہ میری طرف سے اندیشہ نہ کرو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو لایا گیا۔ تو انہوں نے بھی حضرت سعد کی طرح تامل کیا۔ اشتر نے تلوار نکال کر قتل کرنا چاہا۔ حضرت علیؓ نے روکا۔ اور کہا کہ عبداللہ بن عمرؓ کا میں ضامن ہوں۔ اسکے بعد عبداللہ بن عمرؓ عمرہ کے ارادہ سے مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔ حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے ان کی گرفتاری کے لئے بھیجنا چاہا۔ اتنے میں حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثوم جو حضرت عمرؓ کی زوجہ تھیں آئیں اور انہوں نے حضرت علیؓ کو یقین دلایا کہ عبداللہ بن عمرؓ آپ کے خلاف کوئی حرکت نہ کریں گے۔ وہ صرف عمرہ ادا کرنے کے لئے روانہ ہوئے ہیں۔

بہت سے اشخاص بالخصوص بنی امیہ جو بیعت میں شامل نہیں ہوئے تھے مدینہ سے شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ بعض اسی غرض سے مکہ معظمہ

Marfat.com

چلے گئے۔ جو اصحاب مدینہ منورّہ میں موجود تھے اور پھر بھی انہوں نے بیعت نہ کی۔ ان کو حضرت علیؓ نے طلب کیا۔ اور وجہ دریافت کی۔ تو انہوں نے صاف جواب دیا کہ ابھی مسلمانوں میں خونریزی کے اسباب موجود ہیں۔ اور فتنہ کا بالکل انسداد نہیں ہوا۔ اس لئے ہم رُکے ہوئے ہیں۔ اور بالکل غیر جانبدار رہنا چاہتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت علیؓ نے مروان بن حکم کو طلب کیا۔ مگر اس کا کہیں پتہ نہ چلا۔ حضرت نائلہ زوجہ حضرت عثمانؓ سے قاتلوں کا پتہ دریافت کیا تو انہوں نے دو شخصوں کا صرف حلیہ بتایا۔ اور نام نہ بتا سکیں۔ محمد بن ابوبکرؓ کے متعلق ان سے پوچھا کہ یہ بھی قاتلوں میں ہیں۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت عثمانؓ کے قتل ہونے سے پہلے وہ دروازہ سے باہر جا چکے تھے۔ بنی اُمیہ کے بعض افراد حضرت نائلہ زوجہ حضرت عثمانؓ کی کٹی ہوئی اُنگلیاں، خون آلود کرتہ اور قرآن مجید جس پر خونِ عثمانؓ کے چھینٹے گرے تھے لے کر ملک شام کی طرف حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کے پاس چلے گئے۔

پہلا خطبہ

حضرت علیؓ نے ۲۶ ذی الحج ۳۵ھ بروز جمعہ پہلا خطبہ دیا۔ اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو بُرائی اور بھلائی کے درمیان فیصل و راہنما بھیجا ہے۔ تمہیں چاہیئے کہ بھلائیوں کو قبول کرو اور بُرائیوں کو چھوڑ دو۔ اللہ نے مکہ معظمہ کو حرم قرار دیا ہے۔ لیکن مسلمان

Marfat.com

کی حرمت کو اپنے حرمِ مکہ پر فضیلت دی ہے اور سختی سے توحید و اخلاص کے ساتھ مسلمانوں کے حقوق بھی بیان کئے ہیں۔ کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔ کسی مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کو دُکھ دینا حلال نہیں۔ مگر واجبی حقوق کی بناء پر۔ تمام عوام و خواص ان حقوق کو قبول کرنے میں موت آنے سے پہلے پہلے جلدی کرو۔ کیونکہ تم سے پہلے بہت لوگ جا چکے ہیں۔ اور تمہارے پیچھے قیامت بہت جلد آ رہی ہے۔ اللہ کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ کیونکہ انسان تو انسان تمہیں زمین کے ٹکڑوں اور چوپائیوں کے متعلق بھی حساب دینا ہوگا۔ پھر کہتا ہوں کہ اللہ کی فرمانبرداری کرو۔ اور نافرمانی سے بچو۔ اور بھلائی کو قبول کرو۔ اور برائی سے بچو۔ اور اس نعمت کو یاد کرو۔ کہ جب تم ٹکڑے ٹکڑے تھے تو تمہیں اللہ نے ایک کر دیا ہے۔

دوسرے دن حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور کہا کہ ہم نے تو بیعت اس شرط پر کی تھی کہ آپ قاتلینِ عثمانؓ سے قصاص لیں۔ اگر آپ نے قصاص لینے میں تامل فرمایا تو ہماری بیعت ختم ہو جائے گی۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ قاتلینِ عثمانؓ سے ضرور قصاص لوں گا اور حضرت عثمانؓ کے معاملہ میں پورا انصاف کروں گا۔ لیکن ابھی تک بلوائیوں کا زور ہے۔ اور امرِ خلافت پوری طرح مستحکم نہیں ہوا ہے۔ میں اطمینان و سہولت ہونے کے بعد اس طرف توجہ کروں گا۔

حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ تو گھروں کو واپس آ گئے لیکن یہ گفتگو سن کر بلوائیوں کو یہ فکر ہوئی کہ اگر قصاص لیا گیا تو پھر ہماری خیر نہیں۔

بلوائیوں کی سرتابی

بیعت خلافت کے تیسرے دن حضرت علیؓ نے حکم دیا کہ کوفہ و بصرہ اور مصر سے تمام آئے ہوئے لوگ واپس چلے جائیں۔ اس حکم کو سن کر عبداللہ بن سبا اور اس کی جماعت کے لوگوں نے واپس جانے اور مدینہ خالی کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اکثر بلوائیوں نے اس انکار میں سبائیوں کا ساتھ دیا۔ حضرت علیؓ کی خلافت کی در حقیقت یہ سب سے پہلی بد فالی تھی کہ ان کے حکم کو انہیں لوگوں نے ماننے سے انکار کر دیا جو بظاہر اپنے آپ کو ان کا بڑا فدائی اور شیدائی ظاہر کرتے تھے۔

حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے جب یہ دیکھا کہ مفسدین بڑے فاتحانہ انداز میں چلتے پھرتے ہیں۔ اور حضرت علیؓ کا کہا بھی نہیں مان رہے تو حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ان مفسدین سے مسلمانوں کو نجات مل جائے تو پھر ایسا کریں کہ ہم دونوں کو بصرہ اور کوفہ کی ولایات پر امیر مقرر کر دیں[۱]۔ چونکہ کوفہ اور بصرہ کے لوگ بھی ان میں ہیں ان کو بھی سیدھا کیا جا سکے گا نیز ہمارا وہاں اثر و رسوخ بھی ہے۔ وہاں سے ہم لشکر مہیا کر کے آپ کے پاس بھیج دیں گے۔ آپ بخوبی باغیوں سے مسلمانوں کو نجات دلا سکیں گے۔

حضرت علیؓ نے کہا ابھی کچھ توقف کرو۔

[۱] البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۲۸

Marfat.com

خلافت کے تیسرے یا چوتھے دن حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے تمام عاملوں اور والیوں کی معزولی کا فرمان لکھوایا۔ اور ان کی جگہ اور لوگوں کا تقرر فرمایا۔ یہ سن کر حضرت مغیرہؓ بن شعبہ جو بڑے مدبر، دور اندیش اور حضرت علیؓ کے قریبی رشتہ دار تھے حضرت علیؓ کے پاس آئے۔ اور کہا کہ آپ نے عمال کو معزول کرنے میں عجلت سے کام لیا ہے مناسب یہ ہے کہ ابھی یہ حکم جاری نہ کریں۔ بلکہ سابقہ عمال سے بیعت واطاعت کا مطالبہ کریں۔ حضرت علیؓ نے صاف انکار کر دیا۔ دوسرے دن حضرت مغیرہؓ اور عبداللہؓ بن عباس حضرت علیؓ کو ملے مغیرہؓ نے کہا کہ آپ کا خیال درست ہے۔ ابھی سابقہ عمال کو معزول کر کے نئے عمال کا تقرر کر دیں۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ آپ کے مطیع فرمان کتنے ہیں۔ لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا۔ نہیں کل والی رائے درست تھی اور عمال کو معزول کرنے میں جلدی نہیں کرنی چاہیئے۔ حضرت مغیرہ کے چلے جانے کے بعد ابن عباسؓ نے کہا کہ کل آپ کی مغیرہؓ نے خیر خواہی کی تھی۔ لیکن آپ نے اس خیر خواہانہ نصیحت کو نہ مانا۔ آج اُنہوں نے آپ کو دھوکہ میں رکھا ہے۔ بہتر وہی رائے تھی جو کل تھی۔ عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ بہتر تو تھا کہ آپ شہادت عثمانؓ کے وقت مکہ معظمہ چلے جاتے۔ لیکن اب مناسب یہی ہے کہ عمالِ عثمانؓ کو بحال رکھو یہاں تک کہ آپ کی خلافت کو استقلال واستحکام حاصل ہو جائے۔ اگر آپ نے عمالِ عثمانؓ کو تبدیل کرنے میں جلدی کی۔ تو بنو امیہ سمجھیں گے

قاتلین عثمانؓ سے قصاص لینے میں پس و پیش کر رہے ہیں۔ اور آپ سے قاتلینِ عثمانؓ کا مطالبہ کرینگے۔ جیسا کہ اہلِ مدینہ کر رہے ہیں۔ اس طرح لوگ ان کے ساتھ شریک ہو جائیں گے۔ اور آپ کی خلافت کا شیرازہ منتشر اور کمزور ہو جائے گا۔ اب بھی آپ کے لئے مناسب ہے کہ آپ اپنا مال و اسباب لے کر ینبوع چلے جائیں۔ جب لوگوں کو کوئی کام کرنے والا امارت کے لائق آدمی نہ ملے گا۔ تو خود بخود لوگ آپ کی طرف رجوع کرینگے۔ اور اگر آپ ان قاتلینِ عثمانؓ کے ساتھ اٹھوگے۔ تو لوگ آپ پر خونِ عثمانؓ کا الزام لگائیں گے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں تمہاری بات پر عمل کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ بلکہ تم کو میری بات پر عمل کرنا چاہیئے۔ انہوں نے کہا کہ بجا ہے میرا حق یہ ہی ہے کہ میں آپ کی اطاعت کروں۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ میں تمہیں معاویہؓ کی جگہ شام کا والی بنا کر بھیجنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ معاویہؓ حضرت عثمانؓ کا جدی بھائی ہے۔ اور میری آپ سے قرابت ہے۔ اس لئے خدشہ ہے کہ کہیں وہ مجھے قتل نہ کردے۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ یہ کام خط و کتابت سے سرانجام دو۔ اور کسی طرح سے بیعت لے لو۔ لیکن حضرت علیؓ نے یہ ماننے سے انکار کر دیا۔

حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے جب دیکھا کہ نہ میرا مخلصانہ مشورہ قبول کیا گیا ہے نہ ابنِ عباسؓ کا، تو ناراض و بددل ہو کر مدینہ سے مکہ معظمہ چلے گئے۔

عمال کی تقرری

حضرت علیؓ نے بصرہ پر عثمانؓ بن حنیف کو۔ کوفہ پر عمارہ بن شہاب کو۔ یمن پر عبیداللہ بن عباسؓ کو۔ مصر پر قیس بن سعد کو اور شام پر سہیل بن حنیف کو عامل مقرر کر کے روانہ کیا۔

عثمان بن حنیف جب بصرہ پہنچے۔ تو بعض لوگوں نے ان کو اپنا حاکم تسلیم کر کے ان کی اطاعت قبول کر لی۔ مگر بعض نے کہا کہ ہم فی الحال سکوت اختیار کرتے ہیں۔ آیندہ جو طرزِ عمل اہلِ مدینہ کا ہوگا ہم اسی کی اتباع کرینگے۔ کوفہ کی طرف عمارہ بن شہاب روانہ کئے گئے۔ وہ ابھی راستہ ہی میں تھے کہ طلحہؓ بن خویلد سے ملاقات ہوئی۔ طلحہؓ نے عمارہؓ سے کہا کہ مناسب یہ ہی ہے کہ تم واپس چلے جاؤ۔ اہلِ کوفہ ابوموسیٰ کو کسی دوسرے عامل سے تبدیل کرنا نہیں چاہتے۔ اور اگر تم میرا کہا نہیں مانتے ہو تو میں تمہاری گردن ابھی اڑائے دیتا ہوں۔ یہ سن کر عمارہ خاموشی کے ساتھ مدینہ کو واپس لوٹ آئے۔ عبیداللہ بن عباسؓ کے یمن میں داخل ہونے سے قبل ہی وہاں کے سابق عامل یعلیٰ بن منبہ مکہ کو روانہ ہو چکے تھے۔ عبیداللہ بن عباسؓ نے باطمینان یمن کی حکومت سنبھال لی۔ قیس بن سعد مصر پہنچے۔ تو وہاں کے بعض لوگوں نے ان کی اطاعت قبول کر لی۔ بعض نے سکوت اختیار کیا۔ قیسؓ نے ان سے بھی درگذر کیا۔ اور حکمت عملی سے مصر کی حکومت کا نظم و نسق قائم رکھا۔ سہل بن حنیف جو شام پر امیر ہو کر جا رہے تھے تبوک پہنچ کر

چند سواروں سے ملے۔ اُنہوں نے دریافت کیا کہ تم کون ہو۔ سہل ؓ نے جواب دیا کہ امیر شام مقرر ہو کر جا رہا ہوں۔ سواروں نے کہا کہ اگر تمہیں عثمان ؓ کے سوا کسی اور نے امیر مقرر کیا ہے تو تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ واپس چلے جاؤ۔ یہ سن کر مدینہ کو واپس آگئے۔

جب کوفہ و شام کے عامل واپس آگئے۔ تو حضرت علی ؓ نے ابو موسیٰ ؓ کو خط لکھا۔ جس کے جواب میں ابو موسیٰ ؓ نے لکھا کہ اکثر اہل کوفہ نے میرے ہاتھ پر آپ کی خلافت کی بیعت کر لی ہے۔ اس خط کے آنے سے حضرت علی ؓ اہل کوفہ کی طرف سے ایک گونہ مطمئن ہو گئے۔ اسی طرح ایک خط جریر بن عبداللہ کو دے کر شام میں امیر معاویہ ؓ کے پاس بھیجا۔ وہاں سے تین ماہ تک کوئی جواب نہ آیا۔ امیر معاویہ ؓ نے قاصد کو ٹھہرائے رکھا۔ اور ایک خط سربمہر اپنے قاصد قبیصہ عبسی کو دے کر جریر کے ساتھ مدینہ بھیجا۔ اس خط پر حضرت علی ؓ کا پتہ صاف لکھا ہوا تھا۔ من معاویۃ الی علی۔ یہ خط لے کر دونوں قاصد ربیع الاول ۳۶ھ کے آخر ایام میں پہنچے۔ قاصد نے حضرت علی ؓ کی خدمت میں خط پیش کیا۔ حضرت علی ؓ نے لفافہ کھولا۔ تو اندر سے کوئی خط نہ نکلا۔ حضرت علی ؓ نے غصہ سے قاصد کی طرف دیکھا۔ قاصد نے کہا کہ میں تو قاصد ہوں۔ مجھے کیا علم اس بات کا۔ البتہ یہ بات ہے کہ ملک شام میں آپ کی بیعت کوئی شخص نہیں کریگا۔ میں نے دیکھا ہے کہ ساٹھ ہزار شیوخ جامع مسجد دمشق میں حضرت عثمان ؓ کی قمیص کو دیکھ دیکھ کر رو رہے ہیں۔ حضرت علی ؓ نے فرمایا کہ وہ لوگ مجھ سے خون عثمان ؓ کا بدلہ طلب کرتے ہیں۔

Marfat.com

حالانکہ میں خونِ عثمانؓ سے بری ہوں۔ خدا قاتلینِ عثمانؓ سے سمجھے۔ یہ کہہ کر قاصد معاویہؓ کی طرف واپس کر دیا۔ سبائی پارٹی کے بلوائیوں نے قاصد کو قتل کرنا چاہا۔ لیکن اہلِ مدینہ نے اسے بچا کر واپس جانے کا موقع بہم پہنچا دیا۔ جریر بن عبداللہ کی نسبت بھی بلوائیوں نے معاویہؓ سے ساز باز کرنے کا الزام لگایا۔ کیونکہ وہ شام میں دیر تک رہے تھے۔ اور فوراً واپس نہ آسکے تھے۔ جریرؓ اس الزام کو سن کر کشیدہ خاطر ہو کر مدینہ سے قرقیسیا کی طرف چلے گئے۔ حضرت معاویہؓ کو جب خبر لگی تو انہوں نے قرقیسیا میں اپنے قاصد بھیج کر باصرار جریر کو اپنے پاس بلا لیا۔

مدینہ والوں کو امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے قاصدوں کے آنے جانے اور حالات کے منقطع ہونے کا حال معلوم ہوا تو انہیں فکر ہوئی کہ کہیں عظیم کشت و خون نہ شروع ہو جائے۔ چنانچہ اہلِ مدینہ نے زیاد بن حنظلہ کو حضرت علیؓ کی مجلس میں بھیجا کہ جنگ کے متعلق ان کا عندیہ معلوم کر کے ہم کو مطلع کریں۔ حضرت علیؓ نے زیاد کو مخاطب کر کے کہا۔ تیار ہو جاؤ۔ اس نے کہا کس کام کے لئے؟ فرمایا ملک شام پر حملہ آور ہونے کے لئے۔ زیاد نے عرض کیا۔ نرمی اور مہربانی سے کام لینا چاہیے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ نہیں باغیوں کو سزا ہی ناگزیر ہے۔

اہلِ مدینہ کو جب معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ ضرور اہلِ شام پر چڑھائی کرنے والے ہیں۔ تو حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ نے عمرہ کی اجازت طلب کر کے مکہ معظمہ کو روانہ ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے تعمیر عام کر دیا کہ شام پر حملہ کیلئے

Marfat.com

تیار ہو جاؤ۔ اور ساتھ ہی کوفہ اور بصرہ میں بھی قاصد بھیج دیئے کہ وہاں سے بھی لشکر فراہم کیا جائے۔

اہلِ مدینہ میں ایک گروہ بالکل کنارہ کش ہو گیا۔ حضرت علیؓ نے انہیں کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میری امت میں فتنہ و فساد اور کشت و خون شروع ہو اس وقت دوڑنے والوں سے چلنے والے بہتر ہونگے چلنے والوں سے کھڑے بہتر ہوں گے اور کھڑے ہونے والوں سے بیٹھنے والے بہتر ہوں گے۔ یعنی جتنا کوئی فتنہ کے دور میں کنارہ کش ہو گا۔ اتنا ہی بہتر ہو گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو جنگ پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے کہا میں آپ کی جنگ کے سوا ہر طرح کی فرمانبرداری کو تیار ہوں۔ لیکن جنگ نہیں کروں گا۔ لیکن ایک گروہ حضرت علیؓ سے مل کر جنگ پر آمادہ ہو گیا۔ حضرت علیؓ نے مدینہ پر قثم بن عباسؓ کو اپنی جگہ امیر مقرر کیا۔ اور جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ حضرت حسنؓ کو معلوم ہوا تو وہ آئے اور فرمایا اباجان آپ اس امارت کو چھوڑ دیں اس میں مسلمانوں کی خونریزی اور اختلافات کے سوا کچھ نہیں[1] ہے لیکن حضرت علیؓ نے اسے قبول نہ کیا۔ حضرت علیؓ کے اکثر مشیر چونکہ سبائی اور کوفی پارٹی سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے وہ حضرت علیؓ کو تسلط امامت کے نام پر مسلمانوں کے ساتھ خانہ جنگی پر اکساتے رہے اور حضرت حسنؓ وغیرہ روکتے رہے۔

[1] البدایہ والنہایہ ص ۲۲۹ ج ۷

Marfat.com

جنگِ جمل کی ابتداء وانتہا

حضرت علیؓ ابھی اہلِ شام پر حملہ کی تیاریاں ہی کر رہے تھے، کہ ایک دوسرا فتنہ نامرضیہ پیدا ہو گیا۔ حضرت عائشہ مکّہ سے مدینہ واپس آرہی تھیں۔ راستہ میں ان کے ایک عزیز ملے۔ ان سے حالات دریافت کئے تو معلوم ہوا کہ عثمانؓ شہید کر دئے گئے۔ اور علیؓ خلیفہ منتخب ہوئے ہیں۔ لیکن ہنوز فتنہ کی گرم بازاری ہے۔ حضرت علیؓ ابھی تک حالات پر قابو نہیں پاسکے۔ یہ خبر سن کر پھر مکّہ واپس لوٹ گئیں۔ لوگوں نے واپسی کا سبب پوچھا۔ تو فرمایا کہ عثمانؓ مظلوم شہید کر دیئے گئے۔ اور فتنہ دبتا ہوا نظر نہیں آتا۔ اس لئے تم لوگ خلیفہ مظلوم کا خون رائیگاں نہ جانے دو۔ اور قاتلوں سے قصاص لے کر اسلام کی عزت بچاؤ۔[۱]

افسوس کہ اطراف وجوانب کے بدوی لوگوں اور غلاموں نے مل کر بلوہ کیا۔ اور حضرت عثمانؓ کی مخالفت اسلئے کی کہ اس نے نوعمروں کو عامل مقرر کیا ہے۔ حالانکہ اس کے پیشروؤں نے بھی ایسا کیا تھا۔ بلوائی جب اپنے دعویٰ کی دلیل نہ لاسکے۔ تو عثمانؓ کی عداوت اور بدعہدی پر آمادہ ہو گئے۔ اور جس خون کو اللہ نے حرام کیا تھا اس کو بہایا۔ جس شہر کو اللہ تعالےٰ نے نبیؐ کا دار ہجرت ہونے کی وجہ سے حرمت والا قرار دیا وہاں خونریزی کی۔ اور جس مال کو لینا جائز نہ تھا اس کو لوٹ لیا۔ واللہ عثمانؓ کی ایک انگلی بلوائیوں جیسے تمام جہان سے افضل ہے۔ جس وجہ سے لوگ عثمانؓ کے دشمن تھے واللہ عثمانؓ اس سے پاک تھے۔

[۱] طبری ص۳۰۹۸

Marfat.com

مکہ معظمہ کا عامل عبداللہ بن عامر حضرمی جو حضرت عثمانؓ کے وقت عامل تھے اس قدر متاثر ہوئے۔ اور کہا کہ سب سے پہلے میں خونِ عثمان کا بدلہ لینے والا ہوں۔ بنوامیہ بھی سارے حمایت میں آٹھ کھڑے ہوئے۔

حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جو حضرت علیؓ سے اجازت لے کر مکہ معظمہ پہنچ چکے تھے ان سے اُم المومنین نے پوچھا کہ تم یہاں کیسے آئے ہو۔ انہوں نے کہا کہ مدینہ کے نیک اور شریف لوگوں پر اعراب اور بلوائی مستولی ہو گئے ہیں۔ انہیں کے خوف سے بھاگ کر یہاں آئے ہیں۔ چنانچہ انہیں بھی حضرت عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لئے نکلنے پر رضامند کر لیا گیا۔ اہل مکہ سب اُم المومنین کے تابع فرمان تھے۔ عبداللہ بن عامر سابق گورنر بصرہ۔ یعلی بن منبہ سابق گورنر یمن۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ چاروں اُم المومنین کے لشکر کے سردار اور صاحب حل وعقد سمجھے جاتے تھے۔ سب نے مکہ معظمہ کے احترام کے مدِ نظر یہ طے کیا کہ مکہ معظمہ کی بجائے بصرہ میں چلے جانا چاہئے۔ اور ان کی حمایت بھی حاصل کرنی چاہیئے۔ تاکہ خونِ عثمانؓ کے مطالبہ کو تقویت حاصل ہو۔ اور جلد از جلد حضرت علیؓ کو بلوائیوں کے چنگل سے چھڑا کر انہیں تقویت دی جائے۔ تاکہ قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص لیا جائے۔[1]

حقیقت یہ ہے کہ واقعات کی ترتیب اور حضرت علیؓ کے بعض سیاسی تسامح نے عام طور پر ملک میں بدظنی پیدا کر دی تھی۔ (۱) حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ نہ چلنا (۲) ان کے اعداء کو اپنا معاون و انصار بنانا اور (۳) مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے ساتھ ہی تمام حکام و عمال کو برطرف

[1] العواصم من القواصم لابن العربی صفحہ ۱۵۲ اور صفحہ ۱۵۴

Marfat.com

کر دینا لوگوں کو بدظن کر دینے کے لئے نہایت کافی تھا حضرت علیؓ چاہتے نہیں تھے کہ صرف باغیوں اور بلوائیوں کی ہی حمایت حاصل کرتے رہیں۔ اور نہ ہی حضرت علیؓ ان افواج کے سرداروں کو پسند کرتے تھے۔ بلکہ حضرت علیؓ ان کو نہایت ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور اس تاک میں تھے کہ موقع ملے تو ان سے اللہ کا حق وصول کریں۔ یعنی قصاص لیں۔ لیکن حضرت علیؓ مجبور تھے۔ غلبہ انہیں کا تھا۔ اور بڑے بڑے صحابہ کو انہوں نے حضرت علیؓ کے پاس آنے سے روک رکھا تھا۔

چنانچہ ان غلط فہمیوں کی وجہ سے بہت سے اکابر صحابہ کرام بھی بصرہ کو روانہ ہو گئے۔ تاکہ طالبین قصاص کے ہاتھ مضبوط کر کے حضرت علیؓ کو بلوائیوں سے نجات دی جائے۔ اور از سر نو سلسلہ خلافت کو درست کر دیا جائے۔ [1]

حضرت علیؓ کو جب مکہ کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا۔ تو آپ نے اس خیال سے عراق کا قصد کیا کہ آپ مخالفین سے پہلے پہنچ کر بیت المال کی حفاظت کا انتظام کریں۔ اور اہل عراق کو وفاداری کا سبق دیں۔

انصار کرام کو جب حضرت علیؓ کے اس ارادہ کی خبر ہوئی۔ تو وہ بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے۔ اور حضرت عقبہؓ بن عامر جو بڑے پایہ کے صحابی اور غزوۂ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہ چکے تھے، انصار کی جانب سے گذارش کی کہ دار الخلافہ چھوڑ کر جانا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ عمر فاروقؓ کے عہد میں بڑی بڑی جنگیں

[1] البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۲۹ [2] ایضاً صفحہ ۲۳۵، صفحہ ۲۳۶

پیش آئیں۔ لیکن اُنہوں نے کبھی مدینہ سے باہر قدم نہیں نکالا۔ اگر ان کے وقت میں خالدؓ۔ ابو عبیدہؓ۔ سعدؓ وقاص اور ابو موسیٰؓ اشعری نے شام و وایران کو تہ و بالا کر دیا تھا۔ تو اس وقت بھی ایسے جانبازوں کی کمی نہیں۔

حضرت علیؓ نے فرمایا یہ صحیح ہے۔ لیکن عراق پر مخالفین کے تسلط سے نہایت دشواری پیش آئے گی۔ وہ اس وقت مسلمانوں کی بہت بڑی نوآبادی ہے۔ وہاں کے بیت المال بھی مال و زر سے پُر ہیں۔ اس لئے میرا وہاں رہنا نہایت ضروری ہے۔ اور مدینہ میں عام منادی کرادی کہ لوگ سفرِ عراق کے لئے تیار ہو جائیں۔ باوجود اس کے کہ اکثر صحابہ کرام فتنہ سے محفوظ رہنے کے لئے مکہ معظمہ جا چکے تھے اور مدینہ میں کثیر محتاط صحابہ نے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ پھر بھی کافی صحابہ تیار ہوئے۔ ان میں سے بدری صحابہ صرف چھ تھے۔ بعض نے کہا کہ صرف چار کبار صحابہ میں سے تھے۔ اور باقی بلوائی تھے۔ جو حضرت علیؓ کے ساتھ عراق کی طرف روانہ ہوئے۔

جب حضرت علیؓ روانہ ہوئے، تو حضرت عبداللہ بن سلام ربذہ جگہ میں حضرت علیؓ سے ملے۔ اور گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔ اور فرمایا یا امیر المومنین آپ مدینہ چھوڑ کر مت جائیں۔ خدا کی قسم اگر آپ مدینہ چھوڑ کر چلے جائیں گے تو پھر مسلمانوں کا بادشاہ مدینہ میں آکر کبھی نہ رہے گا۔ بلوائیوں نے حضرت عبداللہ بن سلام کو بھی گالی گلوچ کی۔ اور مارنے کو لپکے۔[۲] لیکن حضرت علیؓ نے فرمایا۔ چھوڑ دو انہیں۔ یہ اچھے آدمی ہیں۔ اور

[۱] البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۳۳/۷ [۲] ایضاً صفحہ ۲۳۴/۷

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ہیں۔

اثنائے سفر میں ایک جگہ پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا۔ ابا جان[1] میں آپ کو روکتا ہی رہا۔ لیکن آپ نے میری ایک نہ سنی۔ کل کو لڑائی ہوئی۔ تو پھر ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ اور آپ کی مدد کو بھی کسی نے نہیں آنا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا بیٹا تم مجھے بچوں کی طرح روکتے ہی رہے ہو لیکن میں نے تیرا کہا نہ مانا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا۔ ابا جان میں نے اس سے پہلے آپ کو نہیں کہا کہ آپ مدینہ میں سے چلے جائیں تاکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی ذمہ واری آپ پر عائد نہ ہو۔ پھر آپ کو بعد میں بھی یہ نہیں کہا تھا کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت قبول نہ کریں۔ حتیٰ کہ تمام بڑے بڑے شہروں کے لوگ آپ کی بیعت قبول کرلیں۔ پھر آپ کو جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ نکل گئے تو آپکو نہ کہا تھا کہ یہاں مدینہ میں اپنے گھر میں ہی بیٹھے رہو۔ حتیٰ کہ وہ خود اصلاح پر آمادہ ہو جائیں۔ لیکن آپ نے کوئی بھی نہ مانی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ بیٹا محاصرہ کے وقت تو مدینہ سے میں اس لئے نہ نکل سکا کہ جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پہ پابندی عائد ہو چکی تھی اسی طرح ہم پہ پابندیاں عائد تھیں۔ اور جو میں نے بڑے بڑے شہروں کے نمایندوں کے آنے سے پہلے بیعت لینا قبول کیا۔ تو اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے چاہا کہ خلافت کو برباد ہونے سے بچالوں۔ اور اس کو برا سمجھا کہ خلافت برباد ہو جائے۔ اور اب جو تو کہتا ہے کہ طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ سے بھی مقابلہ کے لئے نہ نکلوں۔ تو کیا تو یہ چاہتا ہے کہ میں جانوروں کی

[1] البدایہ والنہایہ ص ۲۳۳ ج ۷

Marfat.com

طرح بل میں گھسا رہوں۔ بیٹا اب مجھے مت نصیحت کرو۔ (البدایہ والنہایہ ص۲۳۴)

جب حضرت علیؓ زبذہ سے کوچ کرنے لگے۔ تو ابنِ ابی رفاعہ بن رافع نے دریافت کیا یا امیر المؤمنین اب کیا ارادہ ہے؟ اور کہاں جانے کا ارادہ ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ جو ہماری نیّت ہے۔ اور جو ہم چاہتے ہیں۔ وہ تو صرف اصلاح ہی ہے۔ تاکہ اگر انہوں نے ہماری مان لی۔ تو مسلمان ایک ہو جائینگے۔ ابنِ ابی رفاعہ نے کہا کہ اگر انہوں نے ہماری بات قبول نہ کی تو پھر آپ کیا کریں گے؟ تو فرمایا کہ اُن کی نافرمانی کے باوجود ہم انہیں بلائیں گے۔ اور جو ان کا حق ہوگا۔ وہ ہم انہیں دیتے رہیں گے۔ اور اگر وہ زیادتی کرینگے۔ تو ہم برداشت کریں گے۔

ابنِ ابی رفاعہ نے کہا اگر وہ اس بات پر بھی رضامند نہ ہوں تو پھر فرمایا۔ جب تک وہ ہم سے جنگ و جدال سے الگ رہیں گے۔ ہم انہیں اپنی طرف دعوت دیتے رہیں گے۔ انہوں نے کہا کہ اگر وہ ہمیں لڑائی میں دھکیل دیں۔ یعنی حملہ کریں۔ تو پھر آپ کیا کرینگے؟ تو فرمایا پھر ہم اپنے آپکو ان سے بچائیں گے۔ ابنِ ابی رفاعہ نے کہا ٹھیک ہے۔ ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں۔

جب حضرت علیؓ ذی قار مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ سبقت کر کے بصرہ پہنچ چکے ہیں۔ اور بنو سعد کے علاوہ تقریباً تمام بصرہ والوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔

حضرت علیؓ نے ذی قار میں قیام کیا۔ اور حضرت حسنؓ اور عمارؓ بن یاسر

کوکوفہ روانہ کیا۔ تاکہ لوگوں کو مرکزِ خلافت کی اعانت پر آمادہ کریں۔

حضرت حسنؓ جس وقت کوفہ پہنچے۔ حضرت ابوموسیٰؓ والی کوفہ مسجد میں ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے بیان کر رہے تھے۔ کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جس فتنہ کا خوف دلایا تھا وہ اب سر پر ہے۔ اس لئے ہتھیار بیکار کردو۔ اور بالکل عزلت نشین ہو جاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فتنہ کے وقت سونے والا بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا۔

حضرت حسنؓ نے آگے بڑھ کر کہا کہ تم بھی ہماری مسجد سے نکلو اور جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔ اور خود منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں کو حضرت علیؓ کی مساعدت پر آمادہ کیا۔ اور حضرت علیؓ نے اشتر کو بھیجا۔ اس نے اسی رات حضرت ابوموسیٰؓ کو قصرِ امارت سے باہر نکال دیا۔ حضرت حسنؓ کی کوششوں سے اور حجر بن عدی کندی کے تعاون سے لوگ حضرت علیؓ کی اعانت پر آمادہ ہو گئے۔ اور دوسرے دن قریباً ساڑھے نو ہزار جوانوں کی جماعت مسلح ہو کر حضرت حسنؓ کے ساتھ روانہ ہوئی۔ اور مقام ذی قار میں حضرت علیؓ کی فوج سے مل گئی۔ حضرت علیؓ نے اپنی فوج کو نئے سرے سے ترتیب دے کر بصرہ کا رُخ کیا۔ اس وقت بصرہ کا یہ حال تھا کہ تین گروہوں میں منقسم تھا۔ ایک خاموش اور غیر جانبدار۔ دوسرا حضرت علیؓ کا طرفدار۔ تیسرا حضرت عائشہؓ اور طلحہؓ وغیرہ کا حامی۔

خانہ جنگی کی یہ تیاریاں دیکھ کر پہلی جماعت نے مصالحت کی بڑی کوشش کی۔ بلکہ ہر فریق کے نیک نیت لوگ اس کی تائید میں تھے۔ حضرت

Marfat.com

علیؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں چاہتے تھے۔ کہ جنگ کی نوبت نہ آئے۔ اور کسی طرح باہمی اختلافات دور ہو جائیں۔ صلح کی گفتگو ترقی پر تھی۔ اور فریقین جنگ کے تمام احتمالات دلوں سے دور کر چکے تھے۔ اور رات کے سناٹے میں ہر فریق آرام کی نیند سو رہا تھا۔

حضرت علیؓ نے بصرہ سے باہر ڈیرے ڈال دئیے۔ اور صلح کی گفتگو کے لئے قعقاع کو بھیجا۔ اُنہوں نے جا کر حضرت عائشہؓ سے کہا۔ اماں جان! اس شہر میں آپ کے آنے کی کیا وجہ ہے؟ اُنہوں نے فرمایا۔ بیٹا محض لوگوں کی اصلاح مقصود ہے۔ اُنہوں نے کہا۔ پھر طلحہؓ اور زبیرؓ کو بھی بلا بھیجیں۔ تاکہ اصلاح کی کوئی صورت زیر غور لائی جائے۔

چنانچہ جب وہ آئے تو انہیں پوچھا گیا۔ تو اُنہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ لوگوں کی اصلاح کے علاوہ ہمارا کچھ مقصود نہیں ہے۔ قعقاع نے کہا کہ پھر کوئی صورت بتاؤ۔ اُنہوں نے جواب دیا۔ کہ قاتلینِ عثمانؓ سے قصاص لے لو۔ ہماری صلح ہی ہے۔ قعقاعؓ نے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تم نے قاتلین میں سے جو بصرہ پہنچ چکے تھے قتل کر دیا ہے۔ لیکن ایک آدمی حرقوص بن زہیر جو بھاگ کر اپنی قوم میں چلا گیا۔ تم اسے قتل کرنے لگے۔ تو اس کی قوم کے ۶ ہزار افراد اٹھ آئے۔ بالآخر تم نے اس میں تأمل کیا ہے۔ اب اگر تم اسے قتل نہ کرو تو پھر تمہارا بھی وہی قصور ہوا جو حضرت علیؓ کا ہوا۔ اور اگر تم اسے قتل کرو۔ تو پھر جس قتل و خونریزی سے تم بھاگے اسی میں پھنس گئے۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ تم حضرت علیؓ کی بیعت قبول کر کے انہیں تقویت پہنچاؤ۔ تاکہ انہیں

غلبہ حاصل ہو جائے۔ تب قاتلینِ عثمانؓ سے قصاص لینا آسان ہو جائے گا۔
کیونکہ فی الحال جب تم حرقوص سے قصاص لینے کی وجہ سے
معذور ہو تو حضرت علیؓ کے پاس اس سے زیادہ عذر ہے۔ اس لئے اگر تم نے
حضرت علیؓ کی بیعت قبول کر لی۔ تو اس میں امت کی بھلائی ہے۔ اور امن و
سکون ہونے کے بعد قصاص لیا جا سکتا ہے۔

حضرت عائشہؓ، طلحہؓ اور زبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا۔ بات
واقعی درست ہے۔ اگر یہی ارادہ ہے تو ہمیں بیعت قبول کرنے میں کوئی عذر نہیں۔

قعقاعؓ نے جب تمام گفتگو حضرت علیؓ سے بیان کی۔ تو حضرت علیؓ بھی
بہت خوش ہوئے۔ اور فریقین کے مخلص مسلمان بھی بہت ہی خوش ہوئے۔
چنانچہ حضرت علیؓ نے اسی وقت خطبہ دیا۔ اور حمد و صلوٰۃ کے بعد جہالت کے
دور اور اس کی بدبختیوں اور خانہ جنگیوں کا ذکر کیا۔ پھر اسلام کی برکتوں
کی وجہ سے آپس کے پیار و محبت کا تذکرہ کیا۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پھر
ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہمیں پھر اکٹھا کر دیا۔
حضرت ابوبکرؓ صدیق کی خلافت میں بھی، پھر عمرؓ فاروق کی خلافت میں بھی،
اور پھر حضرت عثمانؓ کی خلافت میں بھی[۱]۔ پھر اچانک ایک ایسا حادثہ نمودار
ہوا جو طالب دنیا اور حاسدوں کا پیدا کردہ تھا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے
فضل اور احسان سے نوازا تھا۔ لوگوں نے اس کا حسد کیا۔ لوگوں نے اسلام
کو نقصان پہنچانا چاہا۔ اب ہم صبح کو بصرہ میں داخل ہونے کے لئے کوچ
کرینگے۔ لیکن ہمارے ساتھ کوئی ایک بھی ایسا آدمی نہیں ہونا چاہئے۔

ؔلہ البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۳۷

Marfat.com

جس نے قاتلین عثمان رضؓ کی کسی قسم کی بھی مدد[1] کی ہو۔

چنانچہ اس خطبہ کے بعد باغی جماعت نے جو حضرت علیؓ کے ساتھ ساتھ لگی رہتی تھی ایک علیحدہ مجلس میں اکٹھے ہوئے۔ جن میں اشتر نخعی، شریح بن اوفیٰ۔ عبداللہ بن سبا۔ سالم بن ثعلبہ۔ غلاب بن ہشیم کے علاوہ ڈھائی ہزار افراد اور بھی تھے۔ لیکن ان میں ایک بھی صحابی نہ تھا۔

انہوں نے کہا۔ کہ اب تم نے جان لیا کہ تمام قوم ہی تمہارے خلاف ہے۔ اور جو صلح ہو رہی ہے وہ تو تمہارے خون پر ہو رہی ہے۔ چنانچہ اشتر نے کہا کہ طلحہؓ اور زبیرؓ کی رائے کا تو پہلے ہی ہمیں علم تھا۔ لیکن حضرت علیؓ کی رائے تو ہمیں اب ہی معلوم ہوئی ہے۔ اور اگر ہمارے خون پر ہی صلح ہونا ہے تو ہم علیؓ کو بھی عثمانؓ کے پاس ہی پہنچا دیتے ہیں۔ یعنی قتل کر دیتے ہیں۔ پھر خود بخود ہی معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔ عبداللہ بن سبا نے کہا کہ تم غلط کہہ رہے ہو۔ تم قاتلین عثمانؓ صرف ڈھائی ہزار ہو۔ اور طلحہؓ اور زبیرؓ اور ان کا لشکر (جو حقیقتاً حضرت علیؓ کا معاون ہے) پانچ ہزار ہے وہ تو تم میں سے ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔ غلاب بن ہشیم نے کہا کہ چھوڑ دو ان دونوں کو اور رات ہی رات کہیں نکل جاؤ۔ اور شہروں میں بکھر کر زندگی گذارتے رہو۔

عبداللہ بن سبا نے کہا کہ تم نے اس سے بھی بری بات کہی ہے۔ یہ تو تمہیں ایک ایک کو کھینچ کر اڑا دیں گے۔ بہتر طریقہ یہ ہے کہ تم ان کے ساتھ ہی چمٹے رہو۔ جب بھی موقع ملے خانہ جنگی شروع کر دو اور انہیں

[1] البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۳۵ ج ۷

اکٹھا ہونے کی مہلت ہی نہ دو۔ چنانچہ یہ تجویز پاس کر کے باغی ٹولہ کے تمام افراد حضرت علیؓ کے لشکر میں پھیل گئے۔ اور موقع کی تاک میں رہے۔

حضرت علیؓ نے حسب پروگرام صبح کو کوچ کیا۔ اور بصرہ کے ملحق زاویہ پر قیام فرمایا۔ اور بصرہ کی طرف چلے ادھر سے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی ملاقات کو آئے۔ بہت خوشی خوشی ملاقاتیں ہوئیں۔ اس قسم کی خوشی کی ملاقاتیں تین متواتر دن ہوتی رہیں۔

کسی شخص نے اشارہ کیا کہ موقع اچھا ہے اور قاتلین عثمانؓ کو قتل کر دینا چاہیئے۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے کہا کہ حضرت علیؓ نے فرمایا ہے۔ کہ امن و سکون کا انتظار کرو۔ اس لئے وہ خود ہی اس کو سرانجام دیں گے اور جو قدم اصلاح کا شروع ہوا ہے بہت بہتر ہے۔ [۱]

حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا کہ بصرہ والوں سے کیا سلوک کرنا ہے فرمایا اصلاح کی صورت سامنے ہے۔ بھڑکتی ہوئی آگ اب بجھ رہی ہے۔ لوگ بھلائی پر اکٹھے ہو رہے ہیں۔ اس سے اور کیا صورت بہتر ہے۔ اس شخص نے کہا کہ اگر انہوں نے آپ کا کہا نہ مانا تو پھر کیا ہوگا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا جب تک وہ ہمیں کچھ نہ کہیں گے۔ ہم بھی کچھ نہ کہیں گے۔ پھر اس شخص نے کہا اگر وہ ہم پر حملہ کر دیں۔ تو فرمایا ہم اپنا صرف بچاؤ کریں گے۔ اس نے کہا کہ کیا جس طرح ہمارے لئے اجر ہوگا ان کے لئے بھی عند اللہ اجر ہوگا۔ فرمایا ہاں۔ [۲]

ابو سلام والانی ایک دوسرا شخص سوال کرنے لگا کیا ان کے لئے

[۱]، [۲] البدایہ والنہایہ ابن کثیر ص ۲۳۸ [۳] ایضاً ص ۲۳۹

Marfat.com

ہم سے خون عثمان رض کے مطالبہ کی کوئی عند اللہ دلیل ہے؟ فرمایا، ہاں پھر کہا کیا آپ کے پاس تاخیر کرنے کی بھی دلیل ہے؟ فرمایا، ہاں اس نے کہا کہ اگر کل کو ہم اور ان میں قتال ہوا تو ہمارے اور ان کے مقتولوں کا کیا حال ہوگا۔ فرمایا ہم سے یا ان سے جو بھی قتل ہوا اور وہ محض اللہ کی رضا کے لیے لگا ہو۔ تو اسے اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کریگا۔ اس کے بعد وہاں حضرت علی رض نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ لوگو اس قوم سے اپنے ہاتھوں اور زبانوں کو روک لو۔[۲]

امن کے لیے جوں جوں فضا ساز گار ہو رہی تھی۔ سبائیوں کے لئے اتنی ہی بے چینی کا باعث تھی۔ چنانچہ انہوں نے مشورہ کیا اور رات کی تاریکی میں حضرت طلحہ رض اور زبیر رض کی فوج پر شبخون مارا گھبراہٹ میں فریقین نے یہ سمجھا کہ دوسرے فریق نے دھوکا دیا ہے۔ اہل بصرہ حیران ہوئے کہ ہم سے دھوکا ہوا ہے۔ حضرت علی رض کو معلوم ہوا تو بار بار روکتے رہے۔ فرماتے لوگو! اپنے ہاتھوں کو روک۔ نے ہاتھوں کو روک لو۔ لیکن کوئی بھی ان کی نہ سنتا تھا۔ حضرت علی رض نے اپنے بیٹے حسن رض کو کہا۔ بیٹا کاش میں آج سے بیس برس پہلے مر چکا ہوتا۔ حضرت حسن رض نے کہا ابا جان میں نے آپ کو روکا نہیں تھا۔[۳]

کعب رض بن سوار جو بصرہ کا قاضی تھا آیا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو کہا کہ امی جی ہمارے روکے سے لوگ نہیں رک رہے بلکہ پے در پے ہم پر حملے کر رہے ہیں۔ آپ باہر نکلیں شاید لوگ حملہ

لہ ۲ البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۳۹ ج۷ ۳ ایضاً صفحہ ۲۴۰ ج۷ ۴ ایضاً صفحہ ۲۴۱ ج۷

Marfat.com

کرنے سے باز آجائیں۔ چنانچہ مائی صاحبہ اونٹ پر سوار ہوئیں۔ اور اس کے ہودج کو چاروں طرف سے دانتوں وغیرہ سے محفوظ کر دیا گیا۔ لیکن پھر بھی لوگ جنگ سے باز نہ آئے۔ حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ بھی لوگوں کو روکتے رہے۔ لیکن سبائی اپنی مقصد برآری کے لئے لگاتار حملے کرتے رہے۔ اور بالکل نہ رُکے۔

حضرت زبیرؓ جب اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہوئے۔ تو بالآخر وہاں سے چل دیئے۔ اور وادیٔ سباع میں جا کر نماز پڑھ کر بارگاہِ الٰہی میں اُمت کی اصلاح کے لئے دُعا میں مشغول ہوئے۔ آپ سجدہ میں تھے، کہ ایک شخص جو آپکے پیچھے پیچھے صرف اسی تاک میں جا رہا تھا۔ اس کا نام عمر بن جرموز تھا۔ چنانچہ اس نے حضرت زبیرؓ کو سجدہ میں ہی قتل کر دیا[1]۔ اسی طرح حضرت طلحہؓ بھی لوگوں کو روکتے تھے۔ کسی سبائی نے دیکھا کہ یہ ہمارا کام بگاڑ رہے ہیں۔ چنانچہ ان کو تاک کر تیر مارا۔ اور انہیں بھی شہید کر دیا۔

بعض لوگوں نے اس قسم کی روایات گھڑی ہیں کہ حضرت زبیرؓ کو کسی پرانی بات کی یاد دلائی گئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اے زبیرؓ تو علیؓ سے ظالمانہ لڑے گا۔ تو جب انہیں یاد آگیا۔

---

[1] حضرت علیؓ کو جب بتایا گیا کہ ابن جرموز نے حضرت زبیرؓ کو قتل کر دیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ ان کا قاتل جہنمی ہے (البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۴۹) تفصیل کے لئے دیکھو اسی کتاب کا پہلا حصہ سیرت عثمانؓ

Marfat.com

تو وہ لڑائی سے دست کش ہو گئے۔ دراصل یہ روایت گھڑنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ میدانِ جنگ میں حضرت زبیرؓ کی کوئی جنگی کارروائی ثابت نہ کر سکے۔ تو یہ واقعہ گھڑا۔ حالانکہ حضرت زبیرؓ نے قطعاً کوئی جنگ نہ کی۔ بلکہ جنگ سے روکتے رہے۔

اسی طرح ایک روایت یہ گھڑی کہ طلحہؓ کو جو نامعلوم تیر لگا جس سے وہ شہید ہوئے وہ مروان نے مارا تھا۔ اور اس وقت مارا جبکہ حضرت طلحہؓ کو معلوم ہو گیا کہ ہم حق پر نہیں ہیں۔ اور جنگ سے روکنے لگے۔ حالانکہ وہ تیر مارنے والا بھی کوئی سبائی تھا۔ کیونکہ صلح سبائیوں کے لئے مہلک تھی وہ ایک لمحہ کے لئے بھی صلح نہ چاہتے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ طلحہؓ جنگ سے روک رہے ہیں۔ تو انہیں تیر مار کر شہید کر دیا۔ اور جب یہ دیکھا کہ حضرت زبیرؓ جنگ سے روکتے ہیں۔ تو ایک شخص ان کے پیچھے پڑ گیا۔ اور موقع پا کر انہیں شہید کر دیا۔

دراصل حضرت علیؓ۔ طلحہؓ۔ زبیرؓ اور حضرت[1] عائشہؓ تمام جنگ سے روکتے رہے۔ اور سبائی بے دریغ قتل و غارت میں لگے رہے۔ اور ان کے مقابلہ میں بنو ضبہؓ دفاع کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ سبائیوں کی بہ نسبت بنو ضبہؓ زیادہ شہید ہوئے۔

---

[1] حضرت عائشہؓ کو موردِ لعن ٹھہرانے کے لئے روایت گھڑی گئی کہ اثنائے سفر بصرہ میں حواب کے چشمہ پر کتے بھونکے تو مائی صاحبہ نے پوچھا یہ کونسی جگہ ہے۔ تو مائی صاحبہ کو بتایا گیا حواب۔ تو مائی صاحبہ نے فرمایا مجھے واپس لے چلو۔ کیونکہ آپؐ نے اس سفر میں غلطی پر ہونے کی خبر دی ہے۔ یہ تمام واقعات غلط اور موضوع ہیں (دالعواصم ص۱۴۰، ۱۴۱)

کعب بن سوار بصرہ کے قاضی کو حضرت عائشہؓ نے قرآن مجید دیا کہ اسے بلند کریں۔ اور لوگوں کو اس کی طرف بلائیں تاکہ جنگ بند ہو۔ جب کوفیوں نے دیکھا کہ حضرت کعب لوگوں کو قرآن کا واسطہ دے کر جنگ بند کرانے کی کوشش میں ہیں۔ تو عبداللہ بن سبا اور اس کے ساتھی یکبارگی اس پر ٹوٹ پڑے۔ اور اسے بھی قتل کر دیا۔ بالآخر سبائی مائی صاحبہ کے ہودج کی طرف تیر برساتے ہوئے بڑھے۔ ہودج تیروں سے اس طرح ہو گیا تھا جیسا کہ قنفذ (کانٹوں والا چوہا کنڈیارا) ہے[1]

ہودج کے حفاظتی دستے کی کمان عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاتھ میں تھی۔ اور انہوں نے اونٹ کی نکیل کو پکڑ رکھا تھا۔ وہ زخمی ہوئے۔ تو دوسرے نے پکڑ لی۔ وہ قتل ہوا تو تیسرے نے۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے ۷۰ آدمیوں نے اپنے آپ کو قربان کر دیا۔

اونٹ کے سامنے بنو ضبہ حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ سد سکندری بنے دشمنوں کو روکے کھڑے تھے۔ جب تک ایک بھی زندہ رہا۔ اس نے پشت نہ پھیری۔ محمد بن طلحہؓ آگے بڑھے اور کہا اماں جان مجھے کیا حکم ہے۔ فرمایا۔ آدم کے دونوں بیٹوں میں سے جو بہتر تھا اس کی طرح ہو جا یعنی ہابیل کی طرح صرف دفاع کرنے والا ہو۔ قابیل کی طرح لڑائی کرنے والا نہ ہو۔ حتیٰ کہ وہ بھی اسی مقام میں شہید ہو گئے۔ عبداللہ بن زبیرؓ کو اس دن بہتر زخم لگے تھے۔

حضرت علیؓ نے دیکھا کہ جب تک اونٹ نہ بٹھایا جائے۔ مسلمانوں کی

[1] البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۴۴ ج ۷

Marfat.com

خونریزی نہیں رک سکتی۔ چنانچہ ایک آدمی نے آپ کے اشارے پر جاکر پیچھے سے اونٹ کے پاؤں پر تلوار ماری۔ اونٹ بلبلاکر بیٹھ گیا۔ آپ نے حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابوبکرؓ جو حضرت علیؓ کے ساتھ تھے حکم دیا کہ اپنی ہمشیرہ محترمہ کی خبر گیری کریں۔ اور عام منادی کرادی کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے۔ زخمیوں پر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں۔ مالِ غنیمت نہ لوٹا جائے۔ جو ہتھیار ڈال دیں وہ مامون ہیں۔ پھر خود حضرت عائشہؓ صدیقہ کے پاس حاضر ہوکر مزاج پرسی کی۔ اور بصرہ میں چند دنوں تک آرام و آسائش سے ٹھہرانے کے بعد محمد بن ابوبکرؓ کے ہمراہ عزت و احترام کے ساتھ مدینہ بھیج دیا۔ بصرہ کی چالیس شریف اور معزز خواتین کو پہنچانے کے لئے ساتھ کیا۔ اور رخصت کرنے کے لئے خود چند میل تک ساتھ گئے۔ اور ایک منزل تک ساتھ اپنے صاحبزادوں کو مشایعت کے لئے بھیجا۔ حضرت عائشہؓ نے رخصت ہوتے وقت لوگوں کو فرمایا۔ میرے بچو ہماری باہمی کش مکش محض غلط فہمی کا نتیجہ تھی ورنہ مجھ میں اور علیؓ میں پہلے کوئی جھگڑا نہ تھا۔ حضرت علیؓ نے بھی تصدیق کی اور فرمایا۔ کہ یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم اور ہماری ماں ہیں۔ ان کی تعظیم و توقیر ہم پر لازمی ہے۔ غرض پہلی رجب ۳۶ھ سینچر کے روز حضرت عائشہ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔ (البدایہ والنہایہ ص۲۴۵ ج۷)

حضرت علیؓ نے فریقین کے مقتولوں پر نماز جنازہ پڑھ کر دفنایا۔

Marfat.com

پھر بصرہ میں داخل ہوئے۔ اور اہل بصرہ سے بیعت لی۔ جنگ جمل میں قتل ہونے والے مسلمانوں کی تعداد دس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کتنا افسوس کا مقام ہے۔ کہ باغی عنصر نے ایسا جال پھیلایا۔ اور صحابہ کی آپس میں غلط فہمیاں پھیلا دیں کہ عثمانؓ کو قتل اوروں نے کیا۔ اور اس کی سزا دوسروں نے بھگتی۔ حتیٰ کہ جنگ جمل میں فریقین کے سربراہ جنگ بند کرانے کی کوشش میں مصروف رہے۔ لیکن باغی عنصر کے وارے آئے۔ اور صحابہ کرام کا دل کھول کر قتل کیا۔ اور روکتے روکتے چار پہر کی جنگ میں دس ہزار مسلمان قتل کر ڈالے۔ انا للہ

کوفہ دار الامارت

جنگِ جمل سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے مدینہ کی بجائے کوفہ میں مستقل اقامت اختیار کی۔ اور دارالحکومت حجاز سے عراق منتقل ہو گیا۔ لوگوں نے اس تبدیلی کے مختلف وجوہ بیان کئے ہیں۔ مگر صحیح یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے حرم نبویؐ کی جو توہین ہوئی اس نے حضرت علیؓ کو مجبور کیا کہ وہ آئندہ سلطنت کے سیاسی مرکز کو علمی اور مذہبی مرکز سے علیحدہ کر دیں۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کوفہ میں حضرت علیؓ کے طرفداروں اور حامیوں کی اس وقت سب سے بڑی تعداد تھی۔ گو حضرت علیؓ نے مدینہ کو سیاسی فتنوں سے بچانے کے لئے عراق کو دارالحکومت بنایا۔ لیکن اس کا کوئی مفید نتیجہ مرتب نہ

Marfat.com

ہوا۔ اس سے مدینہ کی سیاسی اہمیت ختم ہوگئی۔ اور خود حضرت علیؓ مرکزِ اسلام سے دُور ہوگئے۔ جو سیاسی حیثیت سے آئندہ ان کے لئے مضر ثابت ہوا۔

بہرحال حضرت علیؓ نے کوفہ میں قیام فرما کر ملک کا از سرِ نو نظم و نسق قائم کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بصرہ کی ولایت سپرد کی۔ مدائن پر یزید بن قیس۔ اصفہان پر محمد بن سلیم۔ کسکر پر قدامہ بن عجلان ازدی۔ سجستان پر ربعی بن کاس اور تمام خراسان پر خلید بن کاس کو مامور کر کے بھیجا۔ خلید خراسان پہنچے۔ تو ان کو خبر ملی۔ کہ خاندانِ کسریٰ کی ایک لڑکی نے نیشاپور پر پہنچ کر بغاوت کرا دی ہے۔ چنانچہ انہوں نے نیشاپور پر فوج کشی کر کے بغاوت فرو کی۔ اور اس کو بارگاہِ خلافت پر بھیج دیا۔

جناب امیر نے اس کے ساتھ نہایت لطف و کرم کا برتاؤ کیا۔ اور فرمایا کہ اگر تو پسند کرے تو تیرا نکاح اپنے لڑکے حسنؓ سے کر دیں۔ اس نے کہا میں ایسے شخص سے شادی نہیں کرنا چاہتی جو ابھی خود مختار نہ ہو۔ اگر خود اپنے عقدِ نکاح سے مشرف فرمائیں۔ تو بطیبِ خاطر حاضر ہوں۔ حضرت علیؓ نے انکار کر دیا۔ اور اسے آزاد کر دیا۔ کہ جہاں چاہے رہے اور جہاں چاہے نکاح کرے۔

جب حضرت علیؓ نے تمام ولایات پر مختلف امیر مقرر کر دیئے۔ تو اشتر ناراض ہو کر چل دیا۔ حضرت علیؓ نے بلا کر وجہ دریافت کی۔ تو اس نے کہا کہ آپ نے بھی وہی کام شروع کر دیئے جو عثمانؓ کرتا تھا۔

Marfat.com

اس نے اپنی ولایات پر امویوں کو مامور کر رکھا تھا۔ اور آپ نے بھی وہی کچھ کیا۔ بصرہ پر عبداللہ بن عباس۔ یمن پر عبیداللہ بن عباس۔ مکہ پر قثم بن عباس۔ مدینہ پر تمام بن عباس اور مصر پر محمد بن ابوبکر جو آپکا ربیب تھا کو مقرر کیا۔ اور کوفہ میں خود حضرت علیؓ مقیم تھے۔ (البدایہ والنہایہ ۲۵۲ج ۷)

چنانچہ حضرت علیؓ نے جزیرہ موصل اور شام کے متصلہ علاقوں پر اشتر نخعی کو مامور کر دیا۔ اشتر نے بڑھ کر شام کے بعض علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ لیکن امیر معاویہؓ کے عامل ضحاک بن قیس نے حران اور رقہ کے درمیان مقابلہ کر کے اشتر کو پھر موصل جانے پر مجبور کر دیا۔ اشتر نے موصل میں قیام کر کے شامی فوج سے مستقل چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ اور اس سیلاب کو آگے بڑھنے سے روکے رکھا۔

مصر کے حالات

پہلے گذر چکا ہے کہ جناب مرتضیٰ نے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے ساتھ ہی عہد عثمانی کے تمام عمال کو معزول کر کے نئے عمال مقرر کئے تھے۔ چنانچہ مصر کی ولایت حضرت قیس بن سعد انصاری کے سپرد ہوئی تھی۔ انہوں نے حکمت عملی سے تمام اہل مصر کو جناب مرتضیٰ کی خلافت پر راضی کر کے ان سے آپ کی بیعت لے لی۔ صرف قصبہ خرتبا کے لوگوں کو تامل ہوا۔ انہوں نے کہا کہ جب تک معاملات یکسو نہ ہو جائیں۔ اس وقت تک ان سے بیعت کے لئے اصرار نہ کیا جائے۔ البتہ والی مصر کی اطاعت و فرمانبرداری میں کوتاہی نہ کریں گے۔ اور نہ ملک کے امن و

Marfat.com

سکون کو صدمہ پہنچائیں گے قیس بن سعدؓ نہایت پختہ کار اور صاحبِ تدبیر تھے۔ اُنہوں نے اس بھڑوں کے چھتے کو چھیڑنا خلاف مصلحت سمجھا اور انہیں امن وسکون کی زندگی گذارنے کی اجازت دیدی۔ اس رَوَاداری کا نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ اہلِ خربتا مطیع وفرمانبردار ہو گئے۔ اور خراج وغیرہ ادا کرنے میں اُنہوں نے کبھی کوئی جھگڑا نہیں کیا۔

اشتر کی شامی سرحدوں پر چھیڑ چھاڑ کی وجہ سے جنگِ صفین کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ تو امیر معاویہؓ کو خوف ہوا کہ اگر دوسری طرف سے قیس بن سعد اہل مصر کو لے کر شام پر چڑھ آئیں۔ تو بڑی دقت کا سامنا ہو گا۔ اس لئے انہوں نے قیسؓ بن سعد کو خط لکھ کر اپنا طرف دار بنانا چاہا۔ قیسؓ بن سعد نے دنیا سازی کے طور پر نہایت گول جواب دیکر ٹال دیا۔ امیر معاویہؓ فوراً اس کو تاڑ گئے۔ اور اس کو لکھا کہ تم مجھے دھوکا دینا چاہتے ہو۔ مجھ جیسا شخص کبھی تمہارے دام فریب میں نہیں آسکتا۔ قیسؓ نے اس تحریر کا جواب نہایت سخت دیا۔ اور لکھا کہ میں تمہاری دھمکی سے نہیں ڈرتا۔

حضرت قیسؓ بن سعد نہایت بلند پایہ صحابی اور ذی اثر بزرگ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اکثر غزوات میں انصار کے علم بردار رہے تھے۔ امیر معاویہؓ نے جب دیکھا کہ اس کے مقابلہ میں پیش نہ جائے گی۔ تو انہوں نے ان کے مصر سے ہٹانے کی یہ تدبیر کی کہ ان کے متعلق مشہور کر دیا کہ قیسؓ بن سعد میرے طرف دار ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ افواہ دربار خلافت میں پہنچی۔ محمد بن ابوبکرؓ وغیرہ نے اس کو اور بھی

Marfat.com

بڑھا چڑھا کر بیان کیا۔ اور اہل خرتبا کو بیعت نہ کرنے کا واقعہ ثبوت میں پیش کیا۔

حضرت علیؓ نے اس افواہ سے متاثر ہو کر قیسؓ بن سعد کو خرتبا والوں سے بیعت کے لئے لڑنے کا حکم دیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ خرتبا قریباً دس ہزار نفوس کی آبادی ہے۔ اس میں بسر بن ارطاۃ، مسلمہ بن مخلد اور معاویہ بن خدیج جیسے جنگ آزما بہادر موجود ہیں۔ ان سے لڑائی خریدنا مصلحت نہیں۔ لیکن جب دربار خلافت سے مکرر اصرار ہوا تو انہوں نے استعفاء دے دیا۔ قیس کی جگہ محمد بن ابوبکر والی مقرر ہوئے یہ کمسن اور ناتجربہ کار تھے۔ ان کے طرز عمل نے مصر میں شورش و بےچینی کی آگ بھڑکا دی۔ انہوں نے خرتبا والوں سے چھیڑ چھاڑ کر کے ان کو آمادہ پرخاش کر دیا۔ ابھی مصر کی شورش کے دنوں میں ہی معرکہ صفین بھی ہوا۔ حضرت علیؓ نے حالات کو بگڑتے دیکھ کر معرکہ صفین کے بعد اشتر نخعی کو مصر روانہ کیا۔ کہ وہ محمد بن ابوبکرؓ کو سبکدوش کر کے ملک کے حالات درست کریں۔ لیکن اشتر راستہ میں ہی بحیرہ قلزم کے قریب مر گیا۔[۱] اور مصر کے حالات دن بدن اور بھی ابتر ہوتے گئے۔ اور حضرت علیؓ کی طرف سے کوئی آدمی بھی وہاں انتظامات کو درست کرنے کے لئے نہ پہنچ سکا۔

امیر معاویہؓ نے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے عمروؓ بن عاص کو فوج دے کر بھیجا۔ انہوں نے اہل خرتبا کے تعاون سے مصر کو فتح کر لیا۔ اور محمد

۱؎ بعض کہتے ہیں کہ اشتر کو معاویہؓ نے زہر دلا کر مروا دیا تھا یہ غلط ہے (ابن کثیر ص۳۱۲/۷)

بن ابوبکرؓ اور اس کی فوج کے دو ہزار افراد میں سے اکثر مارے گئے۔ اور باقی نے بھاگ کر جان بچائی۔ حضرت علیؓ اپنی مجبوریوں کے باعث محمد بن ابوبکرؓ کی کوئی مدد نہ کر سکے۔

جنگِ صفین

۳۵ھ کے آخری دنوں ۲۱ ذی الحج کو حضرت علیؓ نے بیعت خلافت لینا شروع کی۔ اور صفر ۳۶ھ یعنی دو ماہ کے اندر اندر جنگ جمل سے فارغ بھی ہو گئے۔ بصرہ پر قبضہ کرنے کے بعد کوفہ جا کر دوبارہ امیر معاویہؓ کو بیعت کے لئے دعوت دی۔ اور جریر بن عبداللہ کو قاصد بنا کر بھیجا۔ اور خط لکھا کہ تم پر میری بیعت لازم ہے۔ کیونکہ مہاجرین و انصار نے اتفاقِ عام سے منصب خلافت کے لئے منتخب کیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ عمرؓ اور عثمانؓ کو بھی انہیں لوگوں نے منتخب کیا تھا۔ اس لئے جو شخص اس بیعت کے بعد سرکشی اور اعتراض کرے گا۔ وہ جبراً اطاعت پر مجبور کیا جائے گا۔ پس تم مہاجرین و انصار کا اتباع کرو۔ یہی سب سے بہتر طریقہ ہے۔ ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔

امیر معاویہؓ نے خط پڑھا اور تمام مجمع کو سنایا۔ جس کے جواب میں تمام امراء کے مشورہ سے یہ لکھا کہ اگر تم قاتلین عثمانؓ کو ہمارے حوالے کر دو تو ہم کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ ہم تمام اہل شام آپ کی بیعت کر لیں گے۔ اور خط ابومسلم کو دے کر بطور قاصد روانہ کر دیا۔ حضرت علیؓ نے دوسرے روز صبح کو خط کا جواب دینے کا وعدہ فرمایا

Marfat.com

ابو مسلم جب دوسرے روز حاضر ہوئے۔ تو وہاں تقریباً دس ہزار مسلح آدمیوں کا مجمع تھا۔ ابو مسلم کو دیکھ کر سب نے بلند آواز سے کہا کہ ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں۔ ابو مسلم نے متعجب ہو کر بارگاہِ خلافت میں عرض کی معلوم ہوتا ہے کہ سب نے باہم سازش کر لی ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا تم اس سے سمجھ سکتے ہو کہ عثمانؓ کے قاتلوں پر میرا کہاں تک اختیار ہے۔ بہرحال نامہ و پیام جاری رہا۔ لیکن اس سے کچھ مقصود حاصل نہ ہو سکا چنانچہ حضرت حضرت علیؓ نے تمام عمال و حکام کو دور دراز حصص ملک سے جنگ میں شریک ہونے کے لئے بلایا۔ اور تقریباً اسی ہزار کی جمعیت کے ساتھ حدودِ شام کا رخ کیا۔

جب یہ فوجِ گراں فرات کو عبور کر کے سرحدِ شام میں داخل ہوئی۔ تو امیر معاویہؓ کی طرف سے ابوالاعور سلمی نے مقدمۃ الجیش کو آگے بڑھنے سے روکا۔ علوی فوج کے افسر زیاد بن نضر اور شریح بن ھانی نے تمام دن نہایت جانبازی کے ساتھ جنگ کی۔ اسی اثناء میں اشتر نخعی کمک لے کر پہنچ گیا۔ ابوالاعور نے دیکھا۔ کہ اب مقابلہ دشوار ہے۔ اس لئے رات کی تاریکی میں اپنی فوج کو واپس بلا لیا۔ اور امیر معاویہؓ کو حضرت علیؓ کی فوج کی آمد کی اطلاع دی۔ انہوں نے صفین کے میدان کو مدافعت کے لئے منتخب کیا۔ اور مناسب موقعوں پر مورچے جما دئے۔ گھاٹ کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ بلکہ ابوالاعور نے ایک دستہ فوج کا متعین کر دیا کہ علوی فوج کو پانی نہ لینے دیا جائے۔ دوسرے دن حضرت علیؓ کی فوج

Marfat.com

صفین پہنچی۔ تو انہیں پانی کی وجہ سے سخت دقت پیش آئی حضرت علیؓ نے حکم دیا۔ کہ شامی دستے کا مقابلہ کر کے گھاٹ پر قبضہ کر لیا جائے۔ چنانچہ گھاٹ پر پھر چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئیں۔ تمام حالات کی اطلاع امیر معاویہؓ کو پہنچی تو ان کی فوج کے سربراہ عمرؓو بن عاص نے کہا۔ کہ مسلمانوں پر پانی بند نہیں کرنا چاہیئے۔ اور گھاٹ فریقین کے لئے کھلا رہنا چاہئے۔ چنانچہ ابو الاعور نے جو دستہ گھاٹ پر متعین کیا تھا امیر معاویہ کے حکم سے اسے واپس بلا لیا۔ اس کے بعد پانی کی رکاوٹ کی شکایت کا کبھی موقع نہ آنے دیا۔ بلکہ باہم اس قدر اختلاط پیدا ہو گیا۔ کہ دونوں کیمپ کے سپاہیوں میں دوستانہ آمدورفت شروع ہو گئی۔ یہاں تک کہ بعض کو خیال پیدا ہوا۔ کہ اب صلح ہو جائے گی۔

ویسے بھی دونوں طرف علماء۔ فضلاء اور حفاظ قرآن کی ایک جماعت تھی جو دل سے خونریزی کو ناپسند کرتی تھی۔ اس نے مسلسل تین ماہ تک جنگ کو روکے رکھا۔ اور اس درمیان میں برابر مصالحت کی کوشش کرتی رہی۔ اس اثناء میں تقریباً ۸۵ دفعہ دونوں طرف سے حملہ کا ارادہ ہوا۔ لیکن ان بزرگوں نے ہمیشہ درمیان میں پڑ کر بیچ بچاؤ کر دیا۔ غرض ربیع الاولیٰ۔ ربیع الثانی اور جمادی اولیٰ تین مہینے اسی طرح گذر گئے۔ بالآخر جمادی الاخریٰ میں جنگ چھڑ گئی۔ لڑائی کا یہ طریقہ تھا کہ دونوں طرف سے دن میں دو دفعہ یعنی صبح و شام تھوڑی تھوڑی فوج میدانِ جنگ میں اترتی تھی اور کشت و خون کے بعد اپنے

Marfat.com

فرودگاہ پر واپس چلی جاتی۔ یہ سلسلہ جمادی الثانی کی آخری تاریخوں تک جاری رہا۔ لیکن جیسے ہی رجب کا چاند طلوع ہوا شہر حرم کی عظمت کے خیال سے دفعۃً دونوں طرف سے جنگ رک گئی۔ اس التواء سے خیر خواہانِ اُمت کو پھر ایک مرتبہ مصالحت کی کوشش کا موقع مل گیا۔ چنانچہ حضرت ابو درداء حضرت ابو امامہؓ باہلی نے امیر معاویہؓ کے پاس جا کر کہا:۔

حضرت ابو درداؓ۔ تم علیؓ سے کیوں لڑتے ہو کیا وہ امامت کے تم سے زیادہ مستحق نہیں ہیں؟

امیر معاویہؓ۔ میں صرف عثمانؓ کے خونِ ناحق کے لئے لڑتا ہوں۔

حضرت ابو درداؓ۔ کیا عثمانؓ کو علیؓ نے قتل کیا ہے؟

امیر معاویہؓ۔ قتل تو نہیں کیا ہے۔ قاتلوں کو پناہ دی ہے۔ اگر وہ ان کو میرے سپرد کر دیں۔ تو سب سے پہلے بیعت کرنے کو تیار ہوں۔

اس گفتگو کے بعد ابو درداء اور ابو امامہؓ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور امیر معاویہؓ کی شرط سے مطلع کیا۔ اسے سن کر تقریباً ۲۰ ہزار سپاہیوں نے علوی فوج سے نکل کر کہا کہ ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں۔ حضرت ابو درداء اور ابو امامہؓ نے یہ رنگ دیکھا۔ تو لشکر گاہ چھوڑ کر ساحلی علاقہ کی طرف نکل گئے۔ اور پھر اس جنگ میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۷ صفحہ ۲۶۰)

غرض پہلی رجب سے اخیر محرم ۳۷ھ تک طرفین میں سکوت رہا۔ اور کوئی قابلِ ذکر معرکہ پیش نہ آیا[1]۔ آغازِ صفر میں از سرِ نو جنگ شروع ہوئی۔

---

[1] دراصل فریقین میں سے کوئی بھی جنگ کرنا نہ چاہتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ برابر سال بھر آمنے سامنے بیٹھے رہے۔ لیکن یہ صورتِ حال سبائیوں کے لئے غیر مفید تھی یا سبائیوں کی ہر ممکن کوشش یہ تھی کہ کسی طرح لڑائی ٹھن جائے اور خلیفۂ وقت ہمارے سامنے دست نگر رہیں۔

Marfat.com

اور اس قدر لڑائیاں پیش آئیں کہ ہزاروں عورتیں بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم ہو گئے۔ پھر بھی اس خانہ جنگی کا فیصلہ نہ ہوا متواتر ہفتہ بھر دن رات جنگ لگی رہی۔ فریقین سے بڑے بڑے اولوالعزم آدمی مارے گئے۔ اور مقتولین کی تعداد ستر اور نوے ہزار کے درمیان بیان کی جاتی ہے۔ بالآخر فریقین کے فوجیوں نے محسوس کیا۔ کہ اگر اسلامی فوج کی ساری طاقت آپس میں کٹ مری تو کفار سے دفاع کون کریگا۔ چنانچہ اس جنگ کو بند کرنے اور اسلامی قوت کو محفوظ کرنے میں پہل امیر معاویہؓ سے ہوئی۔ بعض لوگ اسے بزدلی اور شکست خوردگی کی حالت کہتے ہیں۔ حالانکہ فریقین کے افراد اس فتنہ و فساد کی آگ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

چنانچہ عمروؓ بن عاص نے دوسرے دن نیزوں پر قرآن باندھ کر بلند کیا۔ کہ تمہارے اور ہمارے درمیان یہ فیصل ہے۔ اور کشت و خون سے باز آجاؤ۔ اشعث بن قیس نے کہا کہ اگر مسلمانوں کی باہمی لڑائی ایسی ہی قائم رہی۔ تو تمام عرب ویران ہو جائے گا۔ رومی شام میں مسلمانوں کے اہل و عیال پر قبضہ کر لیں گے۔ اور ایران کے دہقان اہل کوفہ کی عورتوں اور بچوں پر متصرف ہو جائیں گے۔ زرقا ابن معمر نے بلند آواز سے آگے بڑھ کر کہا اے گروہ عرب" خدارا رومیوں اور ایرانیوں کے ہاتھ سے تمہاری عورتوں اور بچوں کو بچاؤ۔ تم فنا ہو گئے۔ دیکھو یہ کتاب اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان ہے۔ اس طرح ابوالاعور سلمی نے اپنے سر پر کلام مجید رکھے ہوئے لشکر حیدری کے قریب آئے۔ اور بلند آواز سے کہا اے اہل کتاب ـــــ

یہ کتاب اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان حکم ہے۔

اس تدبیر سے فریقین میں جنگ بند ہو گئی۔ لیکن اشتر اور اسکے دیگر سبائی گروہ کے آدمی جنگ بند کرنے کے حق میں نہ تھے۔ کیونکہ ان کا تو مقصد ہی صرف مسلمانوں کا قتلِ عام تھا۔ سو وہ ہو ہی رہا تھا۔ چنانچہ حضرت علی نے بھی جنگ بند کرنے کا پیغام اشتر کو بھیج دیا۔ اس نے کہا کہ حضرت جنگ بند نہ کروائیں۔ کیونکہ ہماری اس میں کامیابی ہے۔ بالآخر ہم فتح یاب ہونگے لیکن حضرت علیؓ کی فوج کی بھی اکثریت جنگ بند کرنے کے حق میں ہی تھی۔

التوائے جنگ کے لئے دونوں فریق کے درمیان خط و کتابت شروع ہوئی۔ اور طرفین کے علماء و فضلاء کا اجتماع ہوا اور بحث و مباحثہ کے بعد طے پایا۔ کہ خلافت کا مسئلہ دو حکموں کے سپرد کر دیا جائے۔ اور وہ جو فیصلہ کریں۔ اس کو قطعی تصوّر کیا جائے۔ شامیوں نے اپنی طرف سے عمروؓ بن عاص کا نام پیش کیا۔ اہلِ عراق کی طرف سے اشعثؓ بن قیس نے ابو موسیٰ اشعری کا نام پیش کیا۔ حضرت علیؓ نے اس سے اختلاف کیا۔ اور ابو موسیٰؓ کی بجائے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو تجویز کیا۔ لوگوں نے کہا کہ عبداللہ بن عباسؓ اور آپ تو ایک ہی ہیں۔ حکم تو غیر جانب دار ہونا چاہیئے۔ اس لئے جناب امیر نے دوسرا نام اشتر نخعی کا لیا۔ اشعثؓ بن قیس نے برافروختہ ہو کر کہا کہ جنگ کی آگ اشتر ہی نے تو بھڑکائی ہے۔ اور اسکی رائے ہے کہ جب تک آخری نتیجہ ظاہر نہ ہو ہر فریق دوسرے سے لڑتا

Marfat.com

رہے۔ اس وقت تک ہم اسی کی رائے پر عمل کرتے رہے۔ ظاہر ہے کہ جس کی رائے یہ ہو اس کا فیصلہ بھی یہی ہو گا۔ حضرت علیؓ نے جب دیکھا۔ کہ لوگ ابوموسیٰؓ کے علاوہ اور کسی پر رضامند نہیں۔ تو تحمل و بردباری سے فرمایا۔ کہ جس کو چاہو حکم بناؤ۔ مجھے بحث نہیں۔

حضرت ابوموسیٰؓ اشعری جو جنگ سے کنارہ کش ہو کر ملک شام کے ایک گاؤں میں گوشہ نشین ہو چکے تھے۔ لوگوں نے قاصد بھیج کر ان کو بلایا۔ پیغام دینے والے نے پیغام دیا کہ فریقین میں صلح ہو گئی ہے۔ تو فرمایا۔ الحمد للہ۔ پھر اس نے کہا۔ کہ آپ کو حکم مقرر کیا گیا ہے تو فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

چنانچہ تیرھویں صفر ۳۷ھ بروز چہار شنبہ یہ معاہدہ لکھا گیا۔ کہ علیؓ اور معاویہؓ کے طرفدار باہمی رضامندی کے ساتھ عہد کرتے ہیں کہ عبداللہ بن قیس (ابوموسیٰؓ اشعری) اور عمرو بن عاص قرآن پاک اور سنت نبویؐ کے مطابق جو فیصلہ کرینگے اس کے تسلیم کرنے میں ان کو پس و پیش نہ ہو گا۔ اس لئے دو حکموں کے لئے ضروری ہے کہ قرآن اور سنت نبویؐ کو نصب العین بنائیں۔ اور کسی حالت میں بھی اس سے انحراف نہ کریں۔ حکم کی جان اور اس کا مال محفوظ رہے گا۔ اور ان کے فیصلہ کی تمام اُمت تائید کرے گی۔ ہاں اگر فیصلہ کتاب اللہ اور سنّت نبویؐ کے خلاف ہو گا۔ تو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ اور فریقین کو اختیار ہو گا کہ بیشک جنگ سے فیصلہ کریں۔

Marfat.com

خارجی فرقہ کی بُنیاد

اس معاہدہ کے ہوتے ہی بہت سے لوگ حضرت علیؓ کے لشکر سے الگ ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ اللہ کے دین میں آدمیوں کو حَکم بنانا اور اس کے فیصلے پر عمل کرنا اسلام کے خلاف ہے۔ اور بہت سے لوگوں نے اس معاہدہ کو ناپسند کیا۔ اور انجام کار اس ناپسندیدگی نے ایک مستقل فرقہ کی بنیاد قائم کر دی جس کا ذکر آگے آئے گا۔

تحکیم کا نتیجہ

حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ دونوں نے بالاتفاق حکمین کے اجلاس کے لئے دومۃ الجندل کا مقام منتخب کیا۔ جو کہ عراق اور شام کے وسط میں تھا۔ ہر ایک کے ساتھ چار چار سو آدمی تھے۔ حضرت ابو موسیٰ کے ساتھ چار سو آدمی تھے۔ ان کے افسر شریح بن ہانی اور مذہبی نگران حضرت عبداللہ بن عباسؓ تھے۔ حکمین کے علاوہ غیر جانبدار جو جنگ میں شریک نہ ہوئے۔ جیسے عبداللہؓ بن عمر، حضرت مغیرہ بن شعبہ وغیرہ۔ وہ بھی صلح کی خبر سن کر آخری فیصلہ سُننے کے لئے دومۃ الجندل آئے۔ چنانچہ فریقین نے بالاتفاق یہ فیصلہ کیا۔ کہ حضرت علیؓ کو بھی خلافت سے معزول کر دیا جائے۔ اور اُمت کو اختیار دیا جائے۔ جسے چاہیں خلیفہ منتخب کر لیں۔ حضرت معاویہؓ کو خلافت کا دعوےٰ ہی نہ تھا۔ اور نہ ہی اپنے کو کبھی خلافت کے لئے پیش کیا۔ بلکہ صرف یہی کہا کہ قاتلین عثمانؓ کو ہمارے حوالے کر دیں۔ تو سب سے پہلے میں آپ کی بیعت کروں گا۔ اس لئے

امیر معاویہؓ کی معزولی کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا۔ کیونکہ جس کے پاس عہدہ نہیں وہ معزول کس چیز سے ہوگا۔ البتہ حکمین اس بات پر متفق ہوئے۔ کہ سر دست حضرت علیؓ کو خلافت سے معزول کر دیا جائے۔ اور عارضی طور پر عبوری دور کے لئے دونوں فریق اپنے اپنے انتظامات[1] درست رکھیں یعنی جو علاقے حضرت علیؓ کے ماتحت اور بطور خلیفہ ان کے زیر انتظام تھے وہی علاقے انہیں کے زیر انتظام رہیں گے۔ لیکن خلیفہ نہیں بلکہ بطور عارضی منتظم۔ اور اسی طرح امیر معاویہؓ جو کہ خلیفہ نہ پہلے تھے نہ اب البتہ عارضی منتظم اپنے ماتحت علاقوں پر ہونگے۔ اس کے بعد اُمت جسے چاہے خلیفہ منتخب کرے۔ جس کی بیعت قبول کرنا دونوں پر لازم ہوگا۔ بعض مؤرخین نے حکمین کے فیصلہ کو اچھا خاصا دھینگا مشتی کا نمونہ پیش کیا ہے۔ لیکن مسعودی نے تصریح کی ہے کہ حکمین میں کسی قسم کی مخالفت نہ ہوئی تھی۔ اور قرین قیاس یہ ہی بات ہے۔ علامہ ابن عربی نے بھی عواصم من القواصم میں اس کی تصدیق کی ہے۔ لیکن حضرت علیؓ نے اس فیصلہ کو ناپسند فرمایا۔ اور ان کی معتدبہ جماعت نے بھی ناپسند کیا۔ جب حضرت ابو موسیٰ کے فیصلہ کو تسلیم نہ کیا گیا۔ تو اسی وجہ سے پھر وہ مکہ معظمہ چلے گئے۔ اور تمام عمر گوشہ نشین رہے۔

خوارج سے جنگ

خوارج دراصل وہ جاہل بدوی تھے جو اسلام کے غلبہ سے متاثر ہو کر مسلمان تو ہو گئے لیکن چونکہ انہیں اسلامی احکام سے بالکل ناواقفی تھی۔

[1] العواصم من القواصم صـ۲۵

اسلام کی تنظیمی اسپرٹ سے ناآشنا تھے۔ اور جس طرح صحابہ کرام کی تربیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی ان کی نہ ہوسکی تھی۔ اس وجہ سے گویا کہ "بے آئین اور بے مقصد کے جنگجو" تھے۔ اور خصوصاً جبکہ انہیں عبداللہ بن سبا جیسے راہنما مل گئے۔ جو ظاہر اسلام کا نام لے کر در پردہ اسلام کی بیخ کنی میں لگے رہے۔ اور اسلام کے نام پر ایسی چیزوں کو رواج دیتا رہا۔ جن کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔

چنانچہ جب حضرت علیؓ جنگِ صفین سے واپس آرہے تھے تو ان میں سے اکثر لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ علیؓ کافر ہوگیا (نعوذ باللہ من ذالک)۔ کیونکہ انہوں نے خدا کے دین میں انسانوں کو حکم تسلیم کیا ہے۔ اور تقریباً بارہ ہزار آدمیوں نے لشکر حیدری سے کنارہ کش ہوکر حرورا میں اقامت اختیار کی۔ حضرت علیؓ نے عبداللہ بن عباسؓ کو سمجھانے کے لئے بھیجا انہیں ناکامی ہوئی۔ تو خود تشریف لے گئے۔ اور مناظرہ اور مبا...ثہ کے بعد راضی کرکے سب کو کوفہ لائے۔ یہاں یہ افواہ پھیل گئی (یا فسا... لوگوں نے پھیلادی) کہ جناب امیر نے ان کی خاطرداری کے لئے تحکیم کو کفر تسلیم کرکے اس سے توبہ کی ہے۔ حضرت علیؓ کے کان میں اس کی بھنک پہنچی۔ تو آپ نے خطبہ دے کر اس کی تکذیب کی۔ اور فرمایا کہ پہلے ان ہی لوگوں نے جنگ ملتوی کرنے پر مجبور کیا۔ پھر تحکیم پر ناپسندیدگی ظاہر کی۔ اب چاہتے ہیں کہ عہد شکنی کرکے قبل از فیصلہ پھر جنگ شروع کردوں۔ خدا کی قسم یہ نہیں ہوسکتا۔

Marfat.com

حاضرین میں اس جماعت کے لوگ موجود تھے۔ چلا اُٹھے لاحکم الا اللہ۔

علیؓ نے فرمایا کلمۃ حق ارید بہ الباطل۔ کہ بات سچی ہے لیکن ان کا مقصد غلط ہے۔

غرض رفتہ رفتہ اس جماعت نے ایک مستقل فرقہ کی شکل اختیار کر لی۔ دومۃ الجندل کی تحکیم کا فیصلہ جب شائع ہوا تو اس فرقہ نے جناب امیر کی بیعت توڑ کر عبداللہ بن وھب راسبی کے ہاتھ پر بیعت کی اور کوفہ۔ بصرہ۔ انبار۔ مدائن وغیرہ میں جس قدر اس فرقہ کے لوگ تھے۔ سب نہروان میں جمع ہو گئے۔ اور عام قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔

خارجیوں کا عقیدہ تھا کہ معاملاتِ دین میں سرے سے حکم مقرر کرنا کفر ہے۔ اس لحاظ سے دونوں حکم اور ان کے انتخاب کرنے والے سب کافر ہیں اور اس عقیدہ سے جس کو اتفاق نہ ہو۔ اس کا خون مباح ہے۔ چنانچہ انہوں نے عبداللہ بن خباب اور ان کی اہلیہ کو نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا۔ اسی طرح ام سنان اور صداویہ کو مشق ستم بنایا۔ اور جو بھی انہیں ملا اس کو یا تو اپنا ہم خیال بنا کے چھوڑا۔ یا قتل کے گھاٹ اتار دیا۔ حضرت علیؓ کو ان جگر خراش حالات کی اطلاع ہوئی۔ تو حارث مرہ کو دریافت حال کے لئے بھیجا۔ خارجیوں نے ان کا بھی کام تمام کر دیا۔

حضرت علیؓ نے بھی چونکہ حکمین کے فیصلہ سے اتفاق نہ کیا۔ چنانچہ نئے سرے سے شام پر فوج کشی کی تیاری شروع کر دی۔ لیکن جب خارجیوں

Marfat.com

کی سرکشی اور قتل و غارت اس حد تک پہنچی۔ تو اس ارادہ کو ملتوی کر کے تنبیہ کے لئے نہروان کا قصد کرنا پڑا۔ نہروان پہنچ کر حضرت ابوایوب انصاری اور قیس بن سعد بن عبادہ کو خارجیوں کے پاس بھیجا۔ کہ وہ بحث و مباحثہ کر کے ان کو ان کی غلطی پر تنبیہ کریں۔ جب دونوں کو ناکامی ہوئی۔ تو خارجیوں کے ایک سردار ابن الکواء کو بلا کر خود ہر طرح سمجھایا۔ لیکن ان کے دل سیاہ ہو چکے تھے۔ اس لئے ارشاد و ہدایت کے تمام مساعی ناکام رہے۔ اور جناب امیر نے مجبور ہو کر فوج کو تیاری کا حکم دیا۔

خارجیوں کی ایک جماعت ایسی تھی جس کو حضرت علیؓ سے جنگ آزما ہونے میں پس و پیش تھا۔ اس لئے جب لڑائی شروع ہوئی۔ تو پانچ سو آدمیوں نے الگ ہو کر بندنجین کی راہ لی۔ اور ایک بڑا گروہ کوفہ چلا گیا۔ اور ایکہزار آدمی نے توبہ کر کے علمِ حیدری کے نیچے پناہ لی۔ اور عبداللہ بن وہب راسبی کے ساتھ صرف چار ہزار خارجی رہ گئے۔ لیکن یہ سب منتخب اور جانباز تھے۔ اس لئے اُنھوں نے میمنہ اور میسرہ پر اس زور کا حملہ کر دیا کہ اگر جانثارانِ علیؓ میں غیر معمولی ثبات و استقلال نہ ہوتا۔ تو اس کا روکنا سخت تھا۔ خارجیوں کی حالت یہ تھی کہ ان کے اعضاء کٹ کر جسم سے علیحدہ تھے۔ لیکن ان کی حملہ آوری میں فرق نہیں آتا تھا۔ شریح بن اوفی کا ایک پاؤں کٹ گیا۔ تو تنہا ایک ہی پاؤں سے کھڑا ہو کر لڑتا رہا۔ اسی طرح خارجی ایک ایک کر کے کٹ کر مر گئے۔

جنگ نہروان سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے شام کی طرف کوچ کا

Marfat.com

حکم دیا۔ لیکن اشعث بن قیس نے کہا۔ امیرالمؤمنین ہمارے ترکش خالی ہوگئے ہیں۔ تلواریں کند ہوگئی ہیں۔ نیزوں کے پھل خراب ہوگئے ہیں۔ اسلئے ہم کو دشمن پر فوج کشی کرنے سے پہلے اسباب و سامان درست کر لینا چاہیئے۔

جناب امیر نے اشعث کی رائے کے مطابق نخیلہ میں پڑاؤ کرکے لوگوں کو تیاری کا حکم دیا۔ لیکن لوگ تیار ہونے کی بجائے آہستہ آہستہ دس دس بیس بیس کرکے کوفہ کھسکنے لگے۔ حتیٰ کہ آخر میں صرف ایک ہزار کی جمعیت رہ گئی۔ حضرت علیؓ نے یہ رنگ دیکھا تو سردست شام پر فوج کشی کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور کوفہ واپس جا کر اقامت اختیار کی۔

جنگِ صفین کے التواء اور مسئلہ تحکیم نے ایک طرف تو حضرت علیؓ کی جماعت میں تفریق و اختلاف ڈال کر خارجیوں کو پیدا کیا۔ اور دوسری طرف اس سے بھی بڑھ کر یہ ہوا۔ کہ آپ کے مخصوص جانثاروں کے عزم و ارادے بھی پست ہوگئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر جنگ سے پہلو تہی کرنے لگے۔ جناب امیر نے بارہا شام پر چڑھائی کا قصد کیا۔ پُرجوش خطبوں سے اپنے ساتھیوں کو حمایتِ حق کی دعوت دی۔ اور طعن آمیز جملوں سے ان کی رگِ غیرت کو جوش میں لانے کی کوشش کی لیکن شیعانِ علیؓ کے دل ایسے پژمردہ ہوگئے تھے۔ ان کی ہمتیں ایسی پست ہو چکی تھیں کہ پھر وہ کسی طرح آمادہ نہ ہوئے۔ اس سلسلے کے جو خطبے حضرت علیؓ کی طرف منسوب اور نہج البلاغة میں موجود ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت علیؓ کو اپنے حامیوں اور طرفداروں کی اس سرد مہری کا کتنا صدمہ تھا۔

Marfat.com

بالآخر ایک وقت ایسا آیا کہ حضرت علیؓ کے محکوم صوبوں میں بھی شورشیں شروع ہوگئیں۔ لیکن حضرت علیؓ کے کوفی لوگوں نے حضرت علیؓ کی معاونت انتظامی امور میں بھی نہ کی۔ حضرت امیر معاویہؓ نے بھی ان حالات سے فائدہ اُٹھایا۔ اور جہاں جہاں شورشیں پیدا ہوتیں۔ اپنے فوجی دستے بھیج کر ان پر قبضہ کر کے ملکی انتظامات درست کر دیتے۔ چنانچہ مصر پر تو عمرو بن عاص کو بھیج کر اس پر قبضہ کر لیا۔ جہاں حضرت علیؓ کی طرف سے محمد بن ابوبکرؓ والی تھے۔ لیکن کوفہ کے فوجیوں نے مصری بھائیوں کی قطعاً کوئی مدد نہ کی جیسا کہ سابقہ صفحات میں گذر چکا ہے۔ ۳۹ھ میں ہی تمام اہم مقامات حضرت علیؓ کے قبضہ سے نکل گئے۔ چنانچہ نعمانؓ بن بشیر نے دو ہزار کی جمعیت سے عین التمر پر، سفیان بن عوف نے چھ ہزار کی فوج سے انبار اور مدائن پر، عبداللہ بن مسعدہ نے ایک ہزار سات سو آدمیوں سے تیماء پر، ضحاک بن قیس نے واقصہ کے نشیبی حصہ پر اور دجلہ کے ساحلی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اور یہ تمام حضرت امیر معاویہؓ کے افسر تھے۔

۴۰ھ میں بسر بن ارطاۃ کو تین ہزار کی جمعیت دے کر حجاز روانہ کیا گیا۔ اس نے بغیر کسی مزاحمت کے مکہ و مدینہ پر حملہ کر کے یہاں کے باشندوں سے امیر معاویہؓ کے لئے بیعت لے لی۔ پھر وہاں سے یمن کی طرف بڑھا۔ یمن کے عامل عبیداللہ بن عباسؓ کو پہلے ہی بسر بن ارطاۃ کے حملہ کی اطلاع ہو چکی تھی۔ چنانچہ عبیداللہ بن عباسؓ نے اپنے کو اس کے مقابلہ میں عاجز دیکھ کر عبداللہ بن عبدالمدان کو اپنا قائم مقام بنایا۔ اور خود دربارِ خلافت سے مدد

Marfat.com

کے لئے کوفہ کی راہ لی۔ بسر بن ارطاۃ نے یمن پر بھی قبضہ کر لیا۔ اگرچہ قتال و جدال کافی ہوا۔

حضرت علیؓ نے جاریہ بن قدامہ اور وہب بن مسعود کو چار ہزار کی جمعیتہ کے ساتھ یمن و حجاز کی مہم پر مامور کیا۔ اور کوفہ کی جامع مسجد میں پُرجوش خطبے دے کر لوگوں کو حدودِ عراق سے شامی فوج نکال دینے پر اُبھارا۔ یہ تقریریں ایسی مؤثر تھیں۔ کہ اہلِ کوفہ کے مُردہ قلوب میں بھی فوری طور پر تازہ روح پیدا ہو گئی۔ اور ہر گوشہ سے صدائے لبیک بلند ہوئی۔ لیکن جب کوچ کا وقت آیا۔ تو صرف تین سو آدمی رہ گئے۔ جناب امیر کو اہلِ کوفہ کی اس بے حسی پر نہایت صدمہ ہوا۔ حجر بن عدی اور سعید بن قیس ہمدانی نے عرض کی۔ امیرالمؤمنین بغیر تشدد کے یہ لوگ راہ پر نہ آئیں گے۔ عام منادی کرا دیجئے۔ کہ بلا استثناء ہر شخص کو میدانِ جنگ کی طرف چلنا پڑیگا۔ جو اس میں تساہل سے کام لے گا۔ اس کو سخت سزا دی جائے گی۔ لیکن اس کے باوجود کوفیوں نے کچھ نہ کیا۔ بالآخر حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ سے ان شرائط پر صلح کر لی۔ کہ شام اور اس کے ملحقات تمہارے پاس رہیں۔ اور عراق اور اس کے ملحقات ہمارے پاس رہیں۔ اور ہم ایک دوسرے سے لڑائی ختم کر دیں۔

حکمین کے فیصلہ کے بعد لوگ امیر معاویہؓ کو امیر الشام کہنے لگے۔ کیونکہ اس سے پہلے کبھی امارت کا نام بھی اپنے لئے نہ لیا تھا۔ اور خاص کر جب حضرت علیؓ سے صلح ہو گئی۔ تو گویا وہ قانوناً شام کے علاقہ کے امیر[1] تسلیم کر لئے

[1] اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی علاقوں میں بیک وقت ایک سے زیادہ امارتیں بنائی جا سکتی ہیں۔ شرح و بسط کے لئے دیکھو منہاج السنہ لابن تیمیہ۔

Marfat.com

گئے۔ امیر معاویہؓ کی ان تمام کامیابیوں کا دار و مدار شامی فوج پر تھا کیونکہ وہ نہایت فرمانبردار اور اطاعت شعار تھی۔ لیکن حضرت علیؓ کی فوج نہایت نافرمان اور باغی ذہن کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ کی حکومت کو اوّل تو شروع سے ہی استحکام نصیب نہ ہوا۔ اور خاص کر تحکیم کے فیصلہ کے بعد کوفی بالکل ہی بزدل ہو گئے۔ اور جب حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی صلح ہو گئی۔ تو یہ امیر معاویہؓ کی حکومت کے اور بھی ترقی کا باعث ہوئی حضرت علیؓ نے یہ صلح بھی اپنے فوجیوں سے تنگ آکر کی۔ چنانچہ زندگی کے آخری دنوں میں کئی مرتبہ آپ نے فرمایا، یا اللہ میں اب اس دنیا سے اکتا چکا ہوں۔ کبھی فرماتے اے کوفی فوجیو واللہ تم ضرور میرا اس کھوپڑی کے خون سے اس میری داڑھی کو رنگو گے۔ کبھی فرماتے تم جیسے فوجیوں سے یہ بھی بعید نہیں کہ اپنے امیر کو قتل کر دو۔ اور کبھی غصہ میں آکر فرماتے یا اللہ ان کوفہ والوں پر کوئی سخت حاکم مسلط کر۔ اور مجھے ان سے اچھے ساتھی نصیب فرما۔ یعنی میرے پیش رو ساتھیوں سے مجھے ملا دے۔

واقعہ شہادت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوفہ (عراق) کی زمین کو فتنوں کی آماجگاہ فرمایا ہے:۔ ھاھنا الزلازل والفتن واشارہ بیدہ نحو المشرق حیث یطلع قرن الشمس وفی روایہ احمد واشارہ بیدہ نحو العراق آپؐ نے منبر پر کھڑے ہو کر سورج کے چڑھنے کی طرف یعنی مشرق کی طرف اشارہ فرمایا۔ کیونکہ مدینہ کے ٹھیک مشرق میں سرزمین عراق ہے۔

Marfat.com

فرمایا کہ یہ فتنوں اور زلزلوں کی جگہ ہے۔ چنانچہ جتنے بھی فتنے کھڑے ہوئے وہ سب کوفی اور عراقی لوگوں میں سے اٹھے۔ حضرت عمرؓ فاروق کا قاتل اسی طرف کا آدمی تھا۔ حضرت عثمانؓ کے قاتل بھی زیادہ تر کوفی لوگ ہی تھے۔ فتنہ خوارج بھی یہاں سے ہی نمودار ہوا۔ حضرت علیؓ کا قاتل بھی یہاں کا خارجی ہی تھا۔ حضرت حسینؓ کی شہادت بھی ان کوفیوں کے ہاتھوں میں ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ کتنے فتنے یہاں سے ابھرے اور ابھرتے رہیں گے۔

چنانچہ جب حضرت علیؓ نے خارجیوں کو نہروان میں قتل کیا۔ تو اس کے بعد حج کے موقع پر یہ تینوں خارجی اکٹھے ہوئے۔ ایک ابن ملجم تھا دوسرا برک بن عبداللہ اور تیسرا عمرو بن بکر اور گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اب ہمارا زندہ رہنا بے سود ہے۔ کیونکہ ہمارے ساتھی تو نہروان میں مارے گئے۔ تو ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے۔ چنانچہ بالاتفاق طے پایا یہ تینوں شخص ہمارے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ حضرت علیؓ کیونکہ انہوں نے نہروان میں ہمارے بھائیوں کو قتل کیا۔ اور معاویہؓ و عمروؓ بن عاص کیونکہ یہ قاتلان عثمانؓ کو طلب کرتے ہیں۔ جب تک یہ تینوں زندہ موجود ہیں۔ ہم لوگوں کو یہ چین سے نہیں بیٹھنے دیں گے۔ چنانچہ ابن ملجم نے کہا میں علیؓ کو قتل کروں گا۔ عمرو بن بکر نے کہا کہ میں عمرو بن عاص کو قتل کروں گا اور برک نے کہا کہ میں معاویہؓ کو کافی ہوں۔ چنانچہ تینوں عہد و معاہدہ کرکے اپنی اپنی مہم پر روانہ ہو گئے۔ کوفہ پہنچ کر ابن ملجم کے ارادہ کو قطا

Marfat.com

نامی ایک خوبصورت خارجی عورت نے اور زیادہ مستحکم کر دیا۔ کیونکہ اس عورت کے بھی بھائی بند نہروان میں قتل ہوئے تھے۔ اس نے ابن ملجم سے اس مہم پر کامیاب ہونے کے بعد اس سے شادی کا وعدہ کیا۔ اور جناب مرتضیٰؓ کے خون کو مہر قرار دیا۔ اور کہا اگر تو قصاص میں مارا گیا۔ تو میں جنت میں تجھ کو ملوں گی۔ ورنہ دنیا میں عیش و عشرت کی زندگی گزاریں گے۔

غرض رمضان المبارک ۴۰ھ میں ان تینوں نے ایک ہی روز صبح کے وقت حسب وعدہ تینوں بزرگوں پر حملہ کر دیا۔ امیر معاویہؓ اور عمرو بن عاص اتفاقی طور پر بچ گئے۔ امیر معاویہؓ پر وار کاری نہ لگا۔ زخمی تو ہوئے لیکن جان سے بچ گئے۔ عمروؓ بن عاص اس دن بیمار ہونے کی وجہ سے مسجد میں امامت کے لئے نہ آئے۔ اور ان کی جگہ جو دوسرا ان کا قائم مقام آیا اور عمرو بن عاص کے دھوکے میں مارا گیا۔ لیکن حضرت علیؓ مرتضیٰ کا پیمانۂ حیات لبریز ہو چکا تھا۔ آپ مسجد میں آئے۔ تو ابنِ ملجم جو مسجد میں آ کر سو رہا تھا جگایا۔ جب آپ نے نماز شروع کی۔ تو اسی حالت میں شقی ابنِ ملجم نے تلوار کا نہایت کاری وار کیا۔ سر پہ زخم آیا۔ اور ابنِ ملجم کو لوگوں نے گرفتار کر لیا۔ حضرت علیؓ اتنے زخمی ہوئے کہ زندگی کی اُمید نہ رہی۔ اس لئے حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو بلا کر نہایت مفید نصائح کئے۔ اور محمد بن حنفیہ کے ساتھ لطف و مدارات کی تاکید کی۔

Marfat.com

جندب بن عبداللہ نے عرض کی۔ آپ کے بعد ہم لوگ امام حسنؓ کے ہاتھ پر بعیت کرلیں۔ فرمایا اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ تم لوگ خود اس کو طے کرو۔ البتہ حضرت حسنؓ کو امیر معاویہؓ کی مخالفت نہ کرنے کی کافی طور پر[1] وصیت کی۔ اس کے بعد مزید مختلف وصیتیں کیں۔ قاتل کو معمولی طور پر قصاص میں قتل کردینے کی ہدایت کی۔

تلوار زہر میں بجھی ہوئی تھی۔ اس لئے نہایت تیزی سے اس کا اثر تمام جسم میں سرایت کر گیا۔ اور اسی روز یعنی ۲۷ رمضان المبارک ۴۰ھ جمعہ کی رات کو یہ فضل و کمال اور رشد و ہدایت کا آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت امام حسنؓ نے خود اپنے ہاتھ سے تجہیز و تکفین کی۔ نماز جنازہ ۹ تکبیروں سے پڑھائی۔ اور غری نامی کوفہ کے قبرستان میں رات کے وقت سپرد خاک کیا۔ اور اوپر سے قبر برابر کردی۔ تاکہ خارجی لوگ لاش کی بے حرمتی نہ کریں[2]۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۱۳۱ ج ۸ بحوالہ ابوداؤد طیالسی۔

[2] حضرت علیؓ کی قبر میں اختلاف ہے۔ دراصل حسنین علیہم الرحمۃ نے قبر مبارک کو خوارج کے شر سے بچنے کے لئے اوپر سے برابر کردیا تھا۔ جب شیعہ اور خارجی دونوں گروہوں سے قبر اوجھل رہی تو بذات خود یہ ایک معمہ بن گئی۔ بعض نے کہا کہ حضرت علیؓ غائب ہوگئے اور قرب قیامت آئیں گے۔ بعض نے کہا کہ ان کی لاش کو صندوق میں رکھ کر مدینہ منورہ لارہے تھے کہ اونٹ بدک گیا اور لاش کہیں گر گئی۔ چنانچہ بعض بدویوں نے ایک لاوارث

حضرت اُم کلثوم بنت علیؓ نے فرمایا۔

مالی ولصلوٰۃ الغداۃ قتل زوجی عمر امیر المؤمنین صلوٰۃ الغداۃ وقتل ابی امیر المؤمنین صلوٰۃ الغداۃ۔ (رضی اللہ عنھما) البدایہ والنہایہ ص ۱۳/۱۸	میرے ساتھ صبح کی نماز کو کیا دشمنی ہے کہ میرا خاوند امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ بھی صبح کی نماز میں ہی شہید ہوئے اور میرے باپ امیر المومنین حضرت علیؓ بھی صبح کی نماز میں شہید ہوئے۔ اللہ ان دونوں پر راضی ہو۔

لوگوں نے کہا۔ حضرت آپ ہم پر کوئی خلیفہ مقرر فرما جائیں۔

حضرت علیؓ نے فرمایا۔ نہیں میں تم کو اسی طرح چھوڑ رہا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا۔ اور کوئی خلیفہ مقرر نہ فرمایا۔ پس اگر اللہ تعالےٰ کو تمہاری بہتری منظور ہوگی۔ تو جو تم میں سے سب سے بہتر ہوگا۔ اس پر تم سب کو خلافت میں متفق اور اکٹھا کر دے گا۔ جس طرح اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد سب سے بہتر پر سب

(بقیہ حاشیہ ص ۳۲۶) لاش سمجھ کر دفنا دیا۔ بعض نے کہا کہ حضرت علیؓ کی قبر نجفِ اشرف میں ہے حالانکہ وہ قبر جس کی تعظیم ایرانی شیعہ کرتے ہیں۔ دراصل مغیرہ بن شعبہ کی ہے۔ چنانچہ البدایہ والنہایہ ص ۷/۳۲۲ میں خطیب بغدادی سے باسند نقل ہے۔ کہ اگر شیعہ کو معلوم ہو جائے کہ کس کی قبر ہے تو اسے پتھروں سے سنگسار کر دیں۔ کیونکہ وہ مغیرہ بن شعبہ کی قبر ہے۔ دراصل حضرت علیؓ کو کوفہ میں ہی رات کو دفنا کر قبر کو برابر کر دیا تھا تاکہ دشمن خارجی لاش کی بے حرمتی نہ کریں اس کے علاوہ باقی تمام باتیں غلط ہیں۔

اُمت کو اکٹھا کر دیا۔ (البدایہ والنہایہ ص ۱۳ ج ۸)

اولاد و ازدواج

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمۃ الزہرا کی زندگی میں دوسری کوئی شادی نہیں کی۔ ایک دفعہ ارادہ کیا تھا کہ دوسری شادی کریں لیکن پھر نہ کی۔ حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد اور نکاح بھی کئے۔ اور ان سے اولاد بھی ہوئی۔ اس کے علاوہ لونڈیوں سے بھی اولاد تھی۔ آپ کی اولاد سے چودہ ۱۴ لڑکے اور انیس ۱۹ لڑکیاں کل تینتیس ۳۳ افراد تھے۔

حسنؓ۔ حسینؓ۔ زینبؓ (کبریٰ)۔ امِ کلثومؓ دو لڑکے اور دو لڑکیاں حضرت فاطمۃ الزہراء بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھیں۔ محمدؓ ابن علی اکبر خولہ بنت جعفر بن قیس بنی حنیفہ سے تھے۔ عبید اللہ (اس کو مختار ثقفی نے شہید کیا تھا) اور ابو بکر بن علیؓ (حضرت حسینؓ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے) یہ دونوں لیلیٰ بنت مسعود تمیمی سے تھے۔ عباسؓ (اکبر)۔

لہ حضرت علیؓ کا یہ ارشاد قریباً تمام تاریخ میں حد تواتر کو پہنچا ہوا ہے اور تمام مورخین نے حضرت علیؓ کی آخری باتوں میں لے درج کیا ہے۔ اور موت کا وقت ایسا ہوتا ہے کہ کوئی عام آدمی بھی وصیت میں غلط بیانی سے کام نہیں لیتا۔ چہ جائیکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ جو صدق و صفا کے درخشاں ستارے تھے۔ اس ارشاد سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک تو حضرت علیؓ تمام امت میں سے بہتر حضرت صدیق اکبرؓ کو سمجھتے تھے دوسرا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی صحابی کیلئے خلافت کی وصیت نہیں کی تھی۔

عثمان[۹]۔ جعفر[۱۰] اور عبداللہ[۱۱] (یہ چاروں حضرت حسینؓ کے ساتھ شہید ہوئے) ام بنین بنت حزام سے تھے۔ محمد[۱۲] (اصغر) یہ بھی کربلا میں شہید ہوئے اُم ولد سے تھے۔ یحییٰ[۱۳] اور عون[۱۴] اسماء بنت عمیس سے تھے۔ (عمر[۱۵] (اکبر) اور رقیہ[۱۶] صہبا سے تھے۔ محمد[۱۷] (اوسط) امامہ بنت ابی عاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی یعنی زینب کی بیٹی سے تھے۔ اُم حسن[۱۸] اور رملہ[۱۹] ام سعید ثقیفہ سے تھیں۔

اس کے علاوہ دوسری لونڈیوں سے اُم ہانی[۲۰]۔ میمونہ[۲۱]۔ زینب[۲۲] (صغریٰ)، رملہ[۲۳] (صغریٰ) ام کلثوم[۲۴] (صغریٰ)۔ فاطمہ[۲۵]۔ امامہ[۲۶]۔ خدیجہ[۲۷]۔ ام کرام[۲۸]۔ اُم سلمہ[۲۹]۔ ام جعفر[۳۰]۔ جمانہ[۳۱] اور نفیسہ[۳۲] تھیں۔ ایک[۳۳] لڑکی (جس کا نام نہیں لیا گیا) محیّاۃ بنت امرالقیس بنو کلاب سے تھی۔ وہ بچی تھی۔ اور مسجد میں آجاتی۔ تو لوگ اسے پیار کرتے۔ اور پوچھتے تمہارے ماموں کون ہیں۔ تو وہ کہتی وَہ، وَہ یعنی کتے۔ کیونکہ وہ بنو کلاب سے تھیں۔

(طبقات ابنِ سعد سے تمام نام لئے گئے ہیں۔

بابِ سوم

فضائل

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اُمتِ محمدیہ کی تعریف فرمائی اُمَّۃً وَّسَطًا کہ یہ امت میانہ رَو افراط و تفریط سے بالا ہے۔ جب کسی شخص کے مرتبہ کو اس کے مرتبہ سے بڑھا کر بیان کیا جائے۔ تو وہ دراصل اس کے اوپر کے مرتبہ کی توہین ہوتی ہے۔ اور اگر اس کا مرتبہ کم بیان کیا جائے تو وہ اس کی توہین ہوتی ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے افراط و تفریط یعنی دین میں کمی و بیشی کو جائز نہیں فرمایا۔ اور اللہ تع نے لاتغلوا فی دینکم اور رسول اللہ نے ایاکم والغلو فرماکر یعنی زیادتی کرنے سے روک دیا ہے۔ مثال کے طور پر بعض لوگوں نے حضرت علیؓ کی اتنی تعریف کی۔ کہ ان کو انبیاء کی طرح معصوم کہا اور ان کی اطاعت بھی انبیاء کی طرح فرض جانی۔ اور کسی قسم کا اختلاف کرنا جائز نہ رکھا۔ حالانکہ حضرت علیؓ نے بھی اور ان سے پہلے خلفاء نے بھی کبھی اپنے کو یہ مقام نہ دیا۔ اور حضرت عمرؓ فاروق کو سرِ منبر ایک عورت ٹوک دیتی تو حضرت عمرؓ اپنی غلطی کو محسوس کرتے ہیں۔ اور اس عورت کو کسی قسم کی ملامت بھی نہیں کی جاتی۔

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس طرح بات کرنی انسان کو اسلام سے خارج کرنے کے لئے کافی ہے۔ اور لوگوں کو رسول اللہ پر اعتراض کرنے کا اختیار ہی نہیں دیا گیا۔ ما کان لھم الخیرۃ من امرھم۔ معصوم اور مطاع ہونا صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہے۔ اور اگر کوئی شخص یہ مقام کسی صحابی یا امام کو دیتا ہے تو وہ دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی انسان کو خدائی صفات کا مظہر مانتا ہے۔ یا یہ کہتا ہے کہ خدا اس کی شکل اختیار کر کے زمین پر نمودار ہوا۔ یا کہتا ہے کہ اسے خدائی اختیارات ملے ہوئے ہیں۔ تو وہ دراصل اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔

اس لئے تعریف کا اصل معیار یہ ہے۔ جو مرتبہ کسی کا ہو اسے وہیں رکھا جائے۔ چنانچہ بعض شیعہ میں سے غالی فرقوں نے جو یہ کہا ہے کہ نبوّت دراصل حضرت علیؓ کو ملنی تھی۔ اور جبرائیل سے غلطی ہو گئی۔ اس لئے نبوّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مل گئی۔ یا جو یہ کہتے ہیں کہ شریعت کا ظاہر محمدؐ رسول اللہ کی طرف اُترا۔ اور اس کا باطن حضرت علیؓ کی طرف اُترا۔ تو یہ لوگ دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی رسالت کی توہین کرتے ہیں۔ اسی طرح بعض غالی فرقوں نے جو یہ کہا ہے کہ علیؓ خدا ہیں یا علیؓ کی شکل میں خدا ظاہر ہوا یا علیؓ مشکل کشا ہیں۔ اور انہیں خدائی کے اختیارات ملے ہوئے ہیں۔

Marfat.com

تو یہ دراصل اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی ہے۔

حضرت علیؓ کے زمانہ میں ہی لوگوں نے ان کے شان میں افراط و تفریط شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے خود فرمایا۔ کہ میرے معاملہ میں دو گروہ گمراہ ہوئے۔ جو مجھے میری شان سے بڑھاتے ہیں۔ اور جو میرے ساتھ دشمنی کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی تھی۔ اے علیؓ تیری مثال عیسیٰ ابنِ مریم کی ہے۔ یہودیوں نے ان سے بغض کیا۔ حتیٰ کہ ان کی پاکباز والدہ پر بھی بہتان لگا دیا۔ اور عیسائیوں نے انہیں اتنا بڑھایا۔ کہ جو ان کا مقام نہ تھا وہ دیدیا۔ یعنی خدا اور خدا کا بیٹا کہہ دیا۔ حضرت علیؓ کے متعلق بھی روافض نے انہیں بڑھا کر خدائی کا مقام یا کم از کم نبوت کا مقام[۱] دینے کی کوشش کی۔ اور خوارج نے (نعوذ باللہ) انہیں کافر کہہ کر اپنی عاقبت خراب کی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ صحابی ہیں۔ جن کے متعلق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی ہونے کی بشارت فرمائی ہے۔ اور اپنے لختِ جگر حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی رفاقت کے لئے انہیں منتخب فرمایا۔ گویا صحابہ کرام کا مقام صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے۔

---

[۱] کسی غیر نبی کو معصوم کہنا دراصل اس کو نبوت کا درجہ دینا اور اجرائے نبوت کے مترادف ہے حالانکہ نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔

Marfat.com

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مقام صدیقیت ملا تو صرف اس لئے ملا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلا طلب دلیل تصدیق فرمائی۔

یہ بھی درست ہے کہ حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابنِ عم اور ہاشمی تھے۔ لیکن کتنے ہی ابنِ عم اور ہاشمی تھے جنہوں نے اسلام اختیار نہ کیا۔ آج تاریخ اسلام میں ان کا تذکرہ بھی نہیں ہوتا۔ تو دراصل فضیلت تمام صحابہ کرام کی صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی وجہ سے ہے۔

ابوطالب اور ان کا اسلام

بعض لوگ بہت تکلف سے ابو طالب کا اسلام ثابت کرتے ہیں۔ اور ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے۔ کہ حضرت علیؓ کی شان میں کوئی نقص لازم نہ آئے۔ حالانکہ حضرت نوح علیہ السلام پر ان کے بیٹے کے کفر سے نقص لازم نہیں آتا۔ اگر حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کے کفر کی وجہ سے ان کی شان پہ کوئی حرف نہیں۔ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کے کفر کی وجہ سے ان کی نبوت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ تو حضرت علیؓ کے باپ کے اسلام کے لئے اتنا تکلف کیوں کیا جائے حتیٰ کہ بعض روافض نے حضرت علیؓ کے باپ کا نام عمران ثابت کرنے کی کوشش کی۔ تاکہ قرآن کی آیت ان اللہ اصطفیٰ آدم و نوحاً و آل ابراھیم و آل عمران علی العٰلمین سے آل ابوطالب کو آل عمران ثابت کر کے نص سے

فضیلت ثابت کی جائے۔ حالانکہ بخاری شریف میں یہ واقعہ حضرت سعید بن مسیب سے سارا نقل ہے۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کی وفات پر کلمہ لا الٰہ الا اللہ پیش کیا۔ تو ابوجہل نے عار دلائی۔ تب ابوطالب نے کہا کہ میں عبد المطلب کے مذہب پر ہی رہنا چاہتا ہوں اور کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

اسلام میں یہ کوئی فضیلت ہی نہیں کہ فلاں کا باپ ولی تھا۔ فلاں کا باپ نبی تھا۔ بلکہ اسلام میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ خود کیا ہے۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقکم۔ اگر خود متقی ہے اسکی اللہ کے نزدیک عزت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے۔ یخرج الحی من المیّت و یخرج المیت من الحی۔ کہ اللہ تعالیٰ کفار سے نیک پیدا کرتا ہے اور نیکوں سے بد پیدا کر دیتا ہے۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے چچا کے حق میں دعائے استغفار کرنا چاہی۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں:-

ما کان للنبی والذین آمنوا ان	نبی کے لئے اور مومنوں کے لئے یہ لائق
یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی	ہی نہیں کہ وہ مشرکوں کے لئے بخشش
قربی من بعد ما تبیّن لھم	مانگیں اگرچہ قریبی ہی کیوں نہ ہوں جبکہ
انھم اصحاب الجحیم۔ وما کان	انہیں معلوم ہو کہ وہ جہنمی ہیں۔ ابراہیم
استغفار ابراھیم لابیہ الا عن	نے اپنے باپ کے لئے صرف اس لئے
موعدۃ وعدھا ایاہ فلما	بخشش مانگی تھی کہ انہوں نے وعدہ کیا

Marfat.com

تبیّن لہ انہ عدو للہ تبرأ منہ اِن ابراھیم لاواہ حلیم۔ تھا لیکن جب معلوم ہو گیا کہ ان کا باپ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بری الذمہ ہو گئے۔ ابراہیمؑ بڑے نرم دل اور حلم والے تھے۔ (توبہ پ۱۱)

حضرت علیؓ بچوں میں سب سے پہلے اسلام لائے۔ بلکہ آنہوں نے آنکھیں ہی اسلام میں کھولیں۔ کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو اس وقت حضرت علیؓ کی عمر بمشکل پانچ[لہ] سات برس کی تھی۔ تو اس عمر کا بچہ اسلام کو سمجھ بھی نہیں سکتا۔ غالی لوگوں نے تو اور بھی روایات گھڑی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سوموار کے دن نبوت ملی اور دوسرے دن منگل وار کو حضرت علی نے نماز پڑھی اور اوّل من صلی وغیرہ کے الفاظ درج کئے۔ حالانکہ سنداً تو روائت کا مقام ہی کوئی نہیں۔ عقلاً بھی غلط ہے۔ پانچ سال کا بچہ نماز کیا پڑھے گا۔ اس قسم کی کافی روایات گھڑی گئی ہیں۔ جس میں حضرت علیؓ کی فضیلت حد سے زیادہ بیان کی جانے لگی۔ بلکہ قرآن کی آیات کو زیادہ سے زیادہ حضرت علیؓ کے حق میں نازل شدہ ثابت کیا گیا۔ لیکن ایسی روایات زیادہ تر

لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جنگ بدر میں حضرت علیؓ کو ایک علم دیا تھا اور حضرت علیؓ کی اس وقت عمر بیس برس تھی (البدایہ والنہایہ ص۳۳۵ ج۳) اور جنگ بدر ۲ھ میں ہوا۔ اور تیراں سال مکی زندگی کے ملانے سے آنحضرت کی بعثت کے وقت حضرت علیؓ کی عمر پانچ سال رہ جاتی ہے۔ اور زیادہ قرین قیاس یہی ہے۔ (مؤلف)

Marfat.com

موضوعات ہیں۔ اور موضوعات سے کسی کی فضیلت بیان کرنا دراصل ان کی توہین ہے۔ کیونکہ لوگ یہ سمجھیں گے کہ شاید ان کی فضیلت کی چونکہ کوئی بھی صحیح روایت نہیں۔ اس لئے موضوع گھڑی گئیں۔ حالانکہ ان کی فضیلت جو صحیح روایات سے ثابت ہے وہی کافی ہے۔

شجاعت تحمل اور استقلال

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا پورا زمانہ خانہ جنگی اور شورش کی نذر ہوا۔ اور اس پنجسالہ مدت میں آپ کو ایک لمحہ بھی سکون و اطمینان کا نصیب نہ ہوا۔ اس لئے آپ کے زمانہ میں فتوحات کا سلسلہ تقریباً بالکل ہی بند ہو گیا۔ ملکی انتظام کی طرف بھی توجہ کرنے کی فرصت نہ مل سکی لیکن ان گوناگوں مشکلات کے باوجود جنابِ مرتضیٰ کی زندگی عظیم الشان کارناموں سے پُر ہے۔ لیکن ان کارناموں پر نظر کرنے سے پہلے یہ امر قابلِ غور ہے کہ خلافت مرتضوی میں اس قدر اختلاف اور شر و فساد کے اسباب کیا ہیں؟ اور حضرت علیؓ نے کس تحمل، استقلال اور سلامت روی سے ان کا مقابلہ کیا۔

حضرت عثمان کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ نے جس وقت مسندِ خلافت پر قدم رکھا اس وقت نہ صرف دار الخلافہ بلکہ تمام دنیائے اسلام پُر آشوب تھی۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ اس نے مسلمانوں کے جذبہ غیظ و غضب کو مشتعل کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ بے شمار لوگوں نے اس واقعہ سے متاثر ہو کر دنیاوی سلسلوں کو خیر باد کہہ کر کنارہ کشی اختیار کر لی۔

Marfat.com

دوسری طرف شام میں بنو اُمیہ اپنے ابنِ عم کے خون کا مطالبہ بڑی شد و مد سے کر رہے تھے۔ اور حسب ذیل وجوہ کی بناء پر ایک گونہ حق بجانب بھی تھے :-

۱۔ حضرت علیؓ نے مفسدین کے مقابلہ میں حضرت عثمانؓ کی مدد نہیں کی۔

۲۔ اپنی خلافت میں قاتلینِ عثمانؓ سے قصاص نہیں لیا۔

۳۔ محاصرہ کرنے والوں کو قوتِ بازو بنایا۔ اور ان کو بڑے بڑے عہدے دئیے۔

یہ وجود تمام خانہ جنگیوں کی بناء قرار پائے۔ اس لئے غور کرنا چاہیئے۔ کہ اس میں کہاں تک صداقت ہے۔ اور کہاں تک حضرت مرتضیٰ کو معذور سمجھا جا سکتا ہے۔ پہلا سبب کہ مفسدین کے مقابلہ میں مدد نہ دینے کا اعتراض حضرت علیؓ پر ہی نہیں بلکہ دوسرے صحابہ پر اسی طرح عائد ہوتا ہے۔ لیکن اصل معاملہ یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے نہایت سختی کے ساتھ کشت و خون سے منع کر دیا تھا۔ باقی رہا نرمی کے ساتھ تو حضرت علیؓ نے اس باب میں جو کیا اس سے زیادہ ممکن نہ تھا۔ چنانچہ کئی مرتبہ مفسدین آئے۔ حضرت علیؓ نے ان کو سمجھا بجھا کر واپس کرنے کی کوشش کی۔ بالآخر جب وہ پوری طرح خلیفہ راشد کو قتل ہی کرنے پر تل گئے۔ تو اُنہوں نے حضرت علیؓ اور دوسرے اکابرین صحابہ سب پر پہرے بٹھا دیئے۔ اور کسی کو بھی حضرت عثمانؓ تک نہ جانے

Marfat.com

دیتے۔ اُم المومنین اُم حبیبہؓ نے محاصرہ کی حالت میں حضرت عثمانؓ کے پاس کھانے پینے کا کچھ سامان پہنچانا چاہا۔ تو مفسدین نے ان کا بھی پاس ولحاظ نہ کیا اور گستاخانہ مزاحمت کی۔

اسی طرح حضرت علیؓ نے سفارش کی۔ کہ آب ودانہ کی بندش نہ کی جائے۔ تو ان شوریدہ سروں نے نہایت سختی سے انکار کر دیا۔ جناب امیر کو اس قدر صدمہ ہوا کہ عمامہ پھینک کر اسی وقت چلے آئے۔ اور تمام معاملات سے قطع تعلق کر کے عزلت نشین ہو گئے۔ (طبری صفحہ ۳۸)

مفسدین نے تمام بڑے بڑے صحابہ کو حضرت عثمانؓ تک جانے سے روک رکھا تھا۔ بلکہ ان کی نقل وحرکت پر نہایت سخت نگرانی قائم کر دی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت حسنؓ نے اپنے پدر گرامی سے عرض کی۔ کہ اگر آپ میری گذارش پر عمل کر کے محاصرہ کے وقت مدینہ چھوڑ دیتے۔ تو آج مطالبہ قصاص کا جھگڑا آپ کے سر نہ پڑتا۔ اس وقت جناب امیرؓ نے یہی جواب دیا تھا۔ تمہیں کیا معلوم ہے کہ میں اس وقت آزاد تھا یا مقید تھا۔ (ابن اثیر صفحہ ۱۸۱/۳)

البتہ قاتلوں سے قصاص لینے کا الزام ایک حد تک لائق بحث ہے۔ لیکن حقیقت اس میں بھی یہ ہے کہ حضرت علیؓ کا دراصل پورا

---

[1] ان تمام واقعات وحالات کی تفصیل کے لئے دیکھو میری کتاب "سیرۃ عثمانؓ" (قیمت تین ۳ روپے)

تسلط قائم ہی نہ ہو سکا۔ ورنہ ضرور قصاص[1] لیتے۔

امر سوم یعنی محاصرہ کرنے والوں کو قوت بازو بنانا اور ان کو بڑے بڑے عہدے دینے کا الزام ایک حد تک صحیح ہے۔ لیکن حضرت علیؓ اس میں مجبور تھے۔ اس وقت دنیائے اسلام میں تین فرقے ہو گئے تھے۔ شیعہ عثمانؓ یعنی عثمانی فرقہ جو دیانتدارانہ طور پر سمجھتے تھے کہ خلیفہ راشد کا خون رائیگاں نہیں جانا چاہئے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مسلمان کے خون کی عزت اللہ تعالیٰ کے نزدیک خانہ کعبہ سے بھی زیادہ ہے۔ اور ان میں وہ لوگ بھی کافی تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کی بیعت کر چکے تھے۔ اگرچہ اس وقت نوبت یہاں تک نہ پہنچی تھی۔ لیکن اب جب کہ حالات یہاں تک پہنچ چکے تھے وہ کس طرح بدلہ لینے سے پیچھے ہٹتے۔

---

[1] ان ہی وجوہات کی بناء پر بعض نے حضرت علیؓ کی خلافت کو خلافت راشدہ میں شمار نہیں کیا۔ اور دلیل میں وہ روایت بھی پیش کرتے ہیں "یدور رحی الاسلام لخمس ثلاثین سنۃ او کما قال" کہ اسلام کا دور دورہ پینتیس سال تک رہے گا۔ اور اس میں حضرت علیؓ کی خلافت کا زمانہ نہیں آتا۔ کیونکہ دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی۔ سوا دو سال خلافت صدیقیؓ۔ ساڑھے دس سال خلافت فاروقی اور بارہ سال کی عثمانی رضخلافت ملانے سے پینتیس سال پورے ہو جاتے ہیں۔ اور واقعی یہ پینتیس سال اسلامی عروج کا زمانہ تھا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد پوری طرح تسلط ہی نہ ہو سکا تھا۔

Marfat.com

دوسرا گروہ ان اکابر صحابہ کرام کا تھا۔ جو اگرچہ حضرت علیؓ کو بھی خلیفہ برحق سمجھتا تھا۔ لیکن اپنے ورع و تقوٰے کے باعث خانہ جنگی میں حصہ لینا پسند نہ کرتا تھا۔ چنانچہ جب حضرت علیؓ نے مدینہ سے کوفہ کا قصد کیا۔ اور صحابہ کرام کو چلنے کے لئے کہا۔ تو بہت سے محتاط صحابہ نے معذرت کی۔

حضرت سعد وقاص نے کہا: مجھے ایسی تلوار دیجئے۔ جو مسلم اور کافر میں امتیاز رکھے۔ میں صرف اسی صورت میں جانبازی کے لئے حاضر ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا: "خدا کے لئے مجھے ایک ناپسندیدہ فعل کے لئے مجبور نہ کیجئے۔

حضرت محمدؓ بن مسلمہ نے کہا کہ قبل اس کے کہ میری تلوار کسی مسلم کا خون گرائے اسے اس زور سے جبلِ اُحد پر ماروں گا کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔

حضرت اسامہؓ بن زید نے عرض کی: "امیرالمؤمنین مجھے معاف کیجئے میں نے عہد کیا ہے کہ کسی کلمہ گو کے خون سے اپنی تلوار رنگین نہیں کروں گا۔

غرض یہ گروہ عملی اعانت سے قطعی کنارہ کش تھا۔ تیسرا گروہ شیعانِ علیؓ تھا۔ جس میں ایک بڑی جماعت ان لوگوں کی تھی جو یا تو خود محاصرہ میں شریک تھے۔ یا وہ ان کے زیر اثر تھے۔ اس لئے جناب امیر نخواہ ایک بڑی جماعت سے بے رخی کر کے قصداً ان کو اپنا دشمن نہیں بنا سکتے تھے۔ تاہم اکثر ان لوگوں کو ہی مقرب بنایا۔ جو درحقیقت اس کے اہل تھے۔

غرض اسباب و علل جو بھی رہے ہوں۔ اور ان کی حقیقت کچھ بھی ہو، لیکن واقعہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی مسند نشینی کے ساتھ ہی دنیائے اسلام میں افتراق

Marifat.com

واختلاف کی آگ بھڑک اُٹھی۔ اور شیرازہ ملی اس طرح بکھر گیا کہ جنابِ مرتضیٰ کی سعی اور جد وجہد کے باوجود پھر اوراقِ پریشان کی شیرازہ بندی نہ ہو سکی۔ اور روز بروز مشکلات میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ اس کے باوجود حضرت علیؓ نہایت استقلال سے ڈٹے رہے۔ اور کبھی بھی خطرات سے نہ گھبرائے۔

اس میں شک نہیں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جب عنانِ خلافت، ہاتھ میں لی تھی اس وقت بھی دُنیائے اسلام نہایت پُر آشوب تھی۔ لیکن دونو حالتوں میں بیّن فرق ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے سامنے گو مصائب کا طوفان اُمڈ رہا تھا۔ لیکن یہ کفر و ارتداد اور اسلام کا مقابلہ تھا۔ اس لئے سارے مسلمان اس کے مقابلہ میں متحد تھے۔ کل صحابہ ان کے معین و مددگار تھے۔ پھر خود حریف طاقتوں میں ہوا و ہوس اور باطل پرستی کی وجہ سے کوئی استقلال نہ تھا۔ اس لئے ان کو زیر کر لینا نسبتاً آسان تھا۔

اس کے برخلاف جناب امیر کے مقابلہ میں جو لوگ تھے وہ صرف مسلمان

؎ بعض لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی انت منی بمنزلۃ ھارون بموسیٰ الا انہ لا نبی بعدی۔ کہ تیرا مقام میرے نزدیک وہی ہے جو ہارونؑ کا موسیٰؑ کے نزدیک تھا۔ صرف وہ نبی تھے تم نبی نہیں ہو۔ سے یہ استنباط کیا ہے کہ جس طرح حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے بعد خلافت نہ سنبھال سکے تھے۔ اسی طرح تم سے بھی خلافت نہ سنبھالی جائیگی۔ کیونکہ یہ تمہارے بس کا روگ نہیں اس لئے اس معاملہ میں نہ آنا تمہارا مشن صرف دینی تبلیغ و اشاعت اور رشد و ہدایت کا سنبھالنا ہے۔ کیونکہ یہ انبیاء کا مشن ہے۔ اور سیاست و خلافت دوسروں کے لئے رہنے دو۔ (الوشیعہ مصنفہ موسیٰ جار اللہ روسی ترکستانی)

Marfat.com

تھے بلکہ ان میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب حرم حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ اور آپ کے پھوپھی زاد بھائی اور ہم زلف و حواری رسول حضرت زبیر ابن العوام مبشر بالجنہ صحابی اور غزوۂ اُحد کے ہیرو جن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں سارا بدن چھلنی ہو گیا تھا۔ اور اس صلہ میں بارگاہِ نبوّت سے نغیر کا لقب ملا تھا۔ گویا اتنے اتنے بڑے اکابر اُمت تھے۔ ان کے علاوہ امیر معاویہ رضؓ والی شام جیسے مدبر تھے۔ جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابتداری کا بھی شرفؔ[1] حاصل تھا۔ عمرؓو بن عاص فاتح مصر جیسے سیاستدان تھے۔ جن کی اسلام میں بڑی خدمات تھیں۔ اور ان میں سے ہر ایک اپنے کو برسرِ حق سمجھتا تھا۔ ساتھ ہی ان کو ساتھی بھی جاں نثار اور وفا شعار ملے تھے۔ جن کی مثالیں شیعانِ علی رضؓ میں بہت ہی کم تھیں۔ اس لئے انکے مقابلہ میں حضرت علیؓ کا عہدہ برآ ہونا بہت دشوار تھا۔

حضرت علی رضؓ کی سیاسی ناکامی کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ وہ جس زہد و اتقاء، دیانتداری، امانت، دیانت، عدل اور انصاف کے ساتھ حکومت

---

[1] جنگِ صفین میں ایک شخص قیدی آیا۔ جب حضرت امیر معاویہ رضؓ کے سامنے لایا گیا تو کہنے لگا۔ چونکہ آپ میرے ماموں ہیں۔ اس لئے مجھے چھوڑ دیجئے۔ امیر معاویہ رضؓ نے کہا کہ میں تیرا ماموں کیسے لگتا ہوں۔ اس نے کہا کہ آپکی ہمشیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمِ محترم تھیں۔ اور چونکہ وہ تمام مومنین کی ماں ہیں لہذا آپ میرے ماموں لگے۔ امیر معاویہ رضؓ نے اس کی گفتگو سن کر اسے چھوڑ دیا۔ اس واقعہ سے حضرت امیر معاویہ رضؓ کی دریا دلی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرفِ قرابت کی پاسداری کا بھی کافی ثبوت ملتا ہے۔

Marfat.com

کرنا چاہتے تھے۔ اور لوگوں کو جس راستہ پر لے جانا چاہتے تھے نومسلم اور ناتربیت یافتہ عوام کے قلوب میں ان چیزوں کی برداشت ہی نہ تھی۔ حضرت علیؓ ایک ایک خرمہرہ کا حساب لیتے تھے۔ یہی سبب ہے کہ حضرت علیؓ کے طرفداروں اوران کے بعض اعزہ تک دل برداشتہ ہوکر ان سے جدا ہوگئے تھے۔

ایک بہت بڑا سبب اس ناکامی کا یہ بھی تھا کہ چونکہ حضرت علیؓ بڑے بہادر تھے اوراپنے مقابلہ میں کتنی ہی فوج ہو یا کتنے بھی بڑے بڑے آزمودہ کار مقابلہ میں ہوں حضرت علیؓ کے دل میں کبھی بھی کسی قسم کی وحشت و دہشت کو دخل نہ تھا۔ اور نہ ہی کسی قسم کی پاسداری اور دفع الوقتی سے کام لیتے۔

ان سیاسی ناکامیوں کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ حضرت علیؓ کے حامیوں اورطرفداروں میں پورا اتحادِ خیال اور کامل خلوص نہ تھا۔ اس جماعت میں ایک بہت بڑا گروہ عبداللہ بن سبا کے پیروؤں کا تھا جس کا عقیدہ تھا کہ جنابِ مرتضیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں۔ پھر اس خیال نے یہاں تک ترقی کی کہ سبائی فرقہ کے لوگ حضرت علیؓ کو انسان سے بالاتر ہستی، بلکہ بعض خدا تک کہنے لگے۔ حضرت علیؓ نے ان کو عبرت ناک سزائیں دیں۔ لیکن جو وبار پھیل چکی تھی، اس کا دور کرنا آسان نہ تھا۔ اس فرقہ نے مذہب کے علاوہ سیاسی حیثیت سے بھی مسلمانوں کو بڑا نقصان پہنچایا۔ واقعہ جمل میں

ممکن تھا کہ صلح ہو جاتی۔ اور ہر قسم کا قتل و غارت بالکل ہی نہ ہوتا۔ لیکن اس جماعت نے پیش دستی کر کے جنگ شروع کر دی۔ اور واقعہ تحکیم کے بعد جب پھر صلح کے آثار نمودار ہوئے۔ تو یہی جماعت خارجی فرقہ کی صورت میں ظاہر ہو کر مسلمانوں کے قتلِ عام میں مشغول ہو گئی۔ لیکن ان گھر کے دشمنوں کی پریشانیوں اور مشکلات کے باوجود جناب مرتضیٰ نے غیر معمولی ہمت و استقلال اور عدیم النظیر عزم و ثبات کے ساتھ آخری لمحہ حیات تک ان مشکلات و مصائب کا مقابلہ کر کے دُنیا کے سامنے بے نظیر تحمل و سلامت روی کا نمونہ پیش کیا۔ اور اپنی ناکامی کے اسباب مشاہدہ کرنے کے باوجود دیانتداری اور شریعت سے سرمو تجاوز کرنا پسند نہ لیا۔ اگر آپ تھوڑی دنیاداری سے کام لیتے تو کامیاب ہو جاتے۔ لیکن دین ضائع ہو جاتا۔ جس کا بچانا ایک خلیفہ راشد کے لئے سب سے پہلا فرض ہوتا ہے۔

ملکی نظم و نسق

حضرت علی رضی اللہ عنہ انتظام مملکت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نقشِ قدم پر چلنا چاہتے تھے۔ اور اس زمانہ کے انتظامات میں کسی قسم کا تغیر کرنا پسند نہ فرماتے تھے۔ ایک دفعہ نجران کے یہودیوں نے (جن کو فاروقِ اعظمؓ نے حجاز سے جلا وطن کر کے نجران میں آباد کر دیا تھا) نہایت لجاجت کے ساتھ درخواست کی کہ ان کو پھر اپنے قدیم وطن میں آنے کی اجازت دی جائے۔ حضرت علیؓ نے صاف انکار کر دیا۔ اور فرمایا کہ عمرؓ سے زیادہ کون صحیح الرائے ہو سکتا ہے۔ (کتاب الخراج قاضی ابو یوسف۔ مصنف ابی شیبہ کتاب الغزوات)

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے تدبّر کے بالکلیہ قائل تھے۔ اسی لئے ان کے نقشِ قدم پر چلنا چاہتے تھے۔ ساتھ ہی اپنے عزم کے اتنے پکّے تھے کہ پھر حالات کیسے بھی ہوں کسی کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ اور بہادر آدمی کی یہ خاصیت ہے کہ جب پکّا ارادہ کرلے۔ تو پھر اس کو کوئی چیز متزلزل نہ کرسکے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کے وہ کارنامے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیّت میں گذرے۔ جیساکہ جنگ بدر جنگ خندق۔ جنگِ خیبر اور جنگِ ہوازن کے واقعات اس پر شہادت کے لئے کافی ہیں۔

زہد و تواضع

اس بہادری کے باوجود زہد کا یہ حال تھا کہ باوجود مال و دولت آنے کے بھی پس انداز کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ ایک دفعہ رات بھر باغ سینچ کر تھوڑے سے جَو مزدوری میں حاصل کئے۔ صبح کے وقت گھر تشریف لائے تو ایک ایک ثلث پسوا کر حریرہ پکوانے کا انتظام کیا۔ ابھی پک کر تیار ہی ہؤا تھا کہ ایک مسکین نے صدا دی۔ حضرت علیؓ نے سب اُٹھا کر اُس کو دے دیا۔ پھر بقیہ میں سے دوسرے ثلث کے پکنے کا انتظار کیا۔ لیکن ابھی تیار ہی ہؤا تھا کہ ایک یتیم نے دستِ سوال بڑھایا۔ وہ بھی اسے دیدیا۔ اور تیسرا حصّہ جو بچ رہا تھا۔ وہ بھی ایک قیدی کی نذر ہوگیا۔ اور یہ مردِ خدا رات بھر کی مشقت کے باوجود دن بھر فاقہ مست رہا۔ خدائے پاک کو یہ ایثار کچھ ایسا پسند آیا کہ بطور ستائش اس کے صلہ میں ویطعمون الطعام

Marfat.com

علیٰ حبہٖ مسکینا و یتیمًا و اسیرًا کی آیت نازل فرمائی۔

تواضع کا یہ حال تھا کہ اپنے ہاتھ سے محنت مزدوری کرنے میں کوئی عار نہ تھا۔ جوتا ٹانک لیتے۔ اونٹ چراتے اور کبھی کبھی زمین کھودتے ہوئے پائے جاتے۔ سادگی کا یہ حال تھا کہ زمین پر سونے میں بھی ہچکچاہٹ محسوس نہ فرماتے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اسی وجہ سے ابوتراب (مٹی کا باپ) کنیت سے پکارا۔ جسے آپ نے بہت پسند کیا۔ اور اس کے بعد جب کوئی آپ کو اس کنیت سے پکارتا تو بہت خوش ہوتے۔

آپ کی زندگی کا وہ دَور جو کہ حضرت فاطمۃؓ الزہراء کی زندگی میں گذرا بہت تنگ دستی کا تھا۔ بعد میں جب اللہ تعالیٰ نے وسعت دی تو وہ بھی اتنی تھی کہ چالیس ہزار سالانہ زکوٰۃ کی رقم ہوتی۔ (مسند احمد ص ۱۵۹/۱) چنانچہ آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ ایک وقت تھا کہ میں بھوک کی شدت کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھتا تھا۔ اور اب میرا یہ حال ہے کہ چالیس ہزار سالانہ زکوٰۃ کی رقم ہوتی ہے۔ اس تمول کے باوجود دل میں کبھی فخر نہیں آیا۔ بلکہ اس مال سے بھی زیادہ سے زیادہ جنّت ہی خریدا کرتے رہے۔

حضرت علیؓ کے محاسن اتنے تھے کہ امیر معاویہؓ بھی ان کی فضیلت کے قائل تھے۔ اور کبھی بھی یہ دعوےٰ نہیں کیا کہ وہ مجھ سے افضل نہیں ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ خود امیر معاویہؓ نے ضرار اسدی سے کہا کہ مجھ سے

حضرت علیؓ کے اوصاف بیان کرو۔ انہوں نے کہا کہ امیرالمؤمنین اس سے مجھے معاف فرمائیے۔

حضرت معاویہؓ نے اصرار کیا تو ضرار بولے۔ تو پھر سُنئے۔ وہ بلند حوصلہ اور نہایت قوی تھے۔ فیصلہ کُن بات کہتے۔ عادلانہ فیصلہ کرتے۔ ان کے ہر جانب سے علم کا چشمہ پھوٹتا تھا۔ ان کے تمام اطراف سے حکمت ٹپکتی تھی۔ دنیا کی دلفریبی اور شادابی سے وحشت کرتے اور رات اور اس کی وحشتناکی سے اُنس رکھتے تھے۔ بڑے رونے والے اور بہت زیادہ غور و فکر کرنے والے تھے۔ چھوٹا لباس اور موٹا جھوٹا کھانا پسند کرتے تھے۔ ہم میں بالکل ہماری طرح رہتے تھے۔ جب ہم ان سے سوال کرتے تھے۔ تو وہ ہمارا جواب دیتے تھے۔ اور جب ہم ان سے انتظار کی درخواست کرتے تھے۔ تو وہ ہمارا انتظار فرماتے تھے۔ باوجودیکہ اپنی خوش خلقی سے ہم کو اتنا قریب کرلیتے تھے۔ اور وہ خود ہم سے قریب ہو جاتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود خدا کی قسم ان کی ہیبت سے ہم ان سے گفتگو نہیں کرسکتے تھے۔ وہ اہلِ دین کی عزت کرتے تھے۔ غریبوں کو مقرب بناتے تھے۔ قوی کو اس کے باطل میں حرص وطمع کا موقع نہیں دیتے تھے۔ ان کے انصاف سے ضعیف نااُمید نہیں ہوتا تھا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے ان کو بعض معرکوں میں دیکھا کہ رات گذرچکی ہے۔ ستارے ڈوب چکے ہیں۔ اور اپنی داڑھی پکڑے ہوئے ایسے مضطرب ہیں جیسے مارگزیدہ مضطرب ہوتا ہے۔ اور اس حالت میں وہ غم زدہ آدمی کی طرح رو رہے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ اے دُنیا مجھ کو فریب نہ

Marfat.com

دے۔ دوسرے کو دے۔ تو مجھ سے چھیڑ چھاڑ کرتی ہے۔ یا میری مشتاق ہے۔ افسوس افسوس میں نے تجھ کو تین طلاقیں دیدیں۔ جس سے رجعت نہیں ہو سکتی۔ تیری عمر کم اور تیرا مقصد حقیر ہے۔ آہ زادِ راہ کم اور سفر دور و دراز کا ہے۔ راستہ وحشت خیز ہے۔ یہ سن کر امیر معاویہؓ رو پڑے۔ اور فرمایا خدا ابوالحسن پر رحم کرے۔ خدا کی قسم وہ ایسے ہی تھے۔

علمی مقام

حضرت علیؓ کا تفسیر و حدیث میں بھی نمایاں مقام تھا۔ ان کے مرویات علمِ تفسیر اور احادیث کے ذخائر میں کافی شاہد ہیں۔ لیکن جو مقام اللہ تعالےٰ نے انہیں اجتہاد میں عطا فرمایا تھا وہ بہت ہی بلند تھا۔ حضرت علیؓ کے فیصلے باقاعدہ طور پر صحابہ میں نہایت اہمیت کے ساتھ قبول کئے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے۔ اقضانا علیؓ واقرءنا ابیؓ۔ یعنی ہم میں مقدمات کے فیصلوں کے لئے سب سے موزوں علیؓ ہیں اور سب سے بڑے قاری ابیؓ ہیں۔ (طبقات ابنِ سعد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت علیؓ کو یمن میں قضاء پر مامور فرمایا تو ساتھ دعا بھی فرمائی۔ اس وجہ سے قضا میں ان کا خاص ممتاز مقام تھا۔ بڑی کتابوں میں حضرت علیؓ کے فیصلوں کی مثالیں کافی ملتی ہیں۔ بلکہ ان کے فیصلے قانون کے نظائر کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس لئے اہلِ علم نے ان کو تحریر میں مدون کر لیا تھا۔ مگر اس عہد میں اختلاف اور فرقہ آرائی کا زمانہ شروع ہو چکا تھا۔ اس لئے ان میں تحریف بھی ہونے لگی۔ چنانچہ

Marfat.com

عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے جب ان فیصلوں کا تحریری مجموعہ پیش ہوا۔ تو اس میں سے ایک حصّہ کو انہوں نے جعلی بتایا۔ اور فرمایا کہ عقل اور ہوش کی سلامتی کے ساتھ علیؓ کبھی ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ (مقدمہ صحیح مسلم)

تقریر و خطابت میں حضرت علیؓ کو خداداد ملکہ حاصل تھا۔ مسائل میں بڑے بڑے مجمعوں میں فی البدیہہ تقریر فرماتے تھے۔ تقریر نہایت خطیبانہ، مدلّل اور مؤثر ہوتی تھیں۔ شریف رضی نے حضرت علیؓ کے تمام خطبوں کو نہج البلاغۃ کے نام سے چار جلدوں میں جمع کر دیا ہے۔ اور ان پر اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے یہ نہایت صحیح لکھا ہے کہ ان خطبوں نے ہزاروں اور لاکھوں آدمیوں کو فصیح و بلیغ مقرر بنا دیا ہے۔ لیکن نہج البلاغہ کے تمام خطبوں کا صحیح ہونا ایک مشتبہ امر ہے۔ کیونکہ ان میں ایسے خیالات و اصطلاحات بھی ہیں۔ جو تیسری صدی میں یونانی فلسفہ کے ترجمہ کے بعد سے عربی میں رائج ہوئے۔ اور ان میں حضرت علیؓ کی زبان سے ایسی باتیں بھی ہیں۔ جن کو کوئی صاحب ایمان ان کی طرف منسوب نہیں کر سکتا۔

حضرت علیؓ کی طرف بہت سے اشعار بھی منسوب ہیں جن میں سے دو چار احادیث صحیحہ میں بھی مذکور ہیں۔ مثلاً آپ کا وہ رجزیہ شعر جو معرکہ خیبر میں آپ نے پڑھا تھا۔

انا الذی سمتنی امی حیدرہ ؎ کلیث غابات کریہ المنظرۃ

لیکن بہت سے جعلی اشعار بنا کر آپ کی طرف منسوب کر دیے گئے ہیں۔ بلکہ ایک پورا دیوان "دیوانِ علیؓ" کے نام سے موجود ہے۔ افسوس ہے کہ طلبہ اور علماء

نہایت شوق سے اسے پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ حالانکہ اس کی زبان اس لائق بھی نہیں کہ کسی عربی شاعر کی طرف منسوب کی جائے۔ چہ جائیکہ انہیں افصح الفصحاء حضرت علیؓ مرتضیٰ کے اشعار کہے جائیں۔

علمِ نحو کی بنیاد بھی حضرت علیؓ نے ہی رکھی۔ ایک دفعہ ایک شخص کو قرآن غلط پڑھتے سُنا۔ اس سے خیال پیدا ہوا کہ کوئی قاعدہ ایسا بنا دیا جائے جس سے اعراب میں غلطی واقعہ نہ ہو سکے۔ چنانچہ ابوالاسود دئلی کو چند قواعد کلیہ بتا کر اس فن کی تدوین پر مامور کیا۔ اس طرح علمِ نحو کے ابتدائی اصول بھی آپ کی ہی طرف منسوب ہیں۔ (فہرست ابنِ ندیم)

تصوف کے بھی اکثر سلسلے سینہ مرتضوی پر جا کر ختم ہوتے ہیں۔ حضرت جنیدؒ کا قول ہے کہ اصول اور آزمائش و امتحان میں ہمارے شیخ الشیوخ علیؓ مرتضیٰ ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ نے ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۷۷ میں لکھا ہے کہ خلافت سے پہلے حضرت ممدوح کو اس میں بیحد انہماک تھا۔ مگر خلافت کے بعد مصروفیت نے ان کو اس فن کی تفصیل بیان کرنے کی فرصت نہ دی۔ محدثین کے اصولِ روایت کے مطابق حضرت علی مرتضیٰ کے صوفیانہ اقوال پایۂ صحت کو نہیں پہنچے۔ اور نہ سلسلہ صحبت کی کڑیاں ثابت ہوتی ہیں۔ یہ اکثر سلسلے حضرت حسن بصری پر جا کر ختم ہوتے ہیں۔ ان کو حضرت علیؓ کا فیض اور صحبت یافتہ سمجھا جاتا ہے۔ مگر حضرت حسنؒ بصری کی صحبت اور تعلیم محدثین کی روائتوں سے ثابت نہیں۔ بلکہ امام ترمذی نے تو اس سے بھی انکار کیا ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ سے بلا واسطہ کچھ سُنا بھی ہے اور حضرت حسنؒ بصری تک کا سلسلہ روایت بھی نقد و نظر سے خالی نہیں۔

Marfat.com

باب چہارم

خلافیات

مسئلہ خلافت

مسئلہ خلافت شیعہ اور سُنی حضرات میں بہت بڑا نزاعی مسئلہ بنا ہوا ہے۔ بلکہ شیعہ سُنی اختلافات کی اصل جڑ یہ مسئلہ ہی ہے۔ اگر خلافت کے مسئلہ کو نزاعی مسئلہ نہ شمار کیا جائے۔ تو تمام شیعہ سُنی اختلافات یکسر ختم ہو جاتے ہیں شیعہ حضرات کا یہ خیال ہے کہ خلافت دراصل حضرت علیؓ کا حق تھا "افسوس کہ انہیں مل نہ سکا"۔ اور اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ خلافت جس کا حق تھا اللہ تعالےٰ نے اسے دلا دیا تھا۔

بہت تعجب کا مقام ہے جب ہم تاریخی حالات پر نظر ڈالتے ہیں کہ حضرت علیؓ تو اس چیز کے دعویدار نہیں بنتے۔ اور شیعہ حضرات ہیں کہ حضرت علیؓ کو خلافت کا حق دار ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں۔ "مُدعی سست گواہ چُست" والا معاملہ بن جاتا ہے۔ کیونکہ کوئی ایک بھی صحیح روایت ان کا ساتھ نہیں دیتی۔ بلکہ جب ہم پُرانے ذخائر کو دیکھتے ہیں تو ہمیں خلافتِ راشدہ میں یہ اختلاف ملتا ہی نہیں۔ اور بعد کی پیدا شدہ چیز معلوم ہوتی

Marfat.com

ہے۔ چنانچہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مسندِ خلافت پر متمکن ہوتے ہیں۔ تو حضرت علیؓ نے ان کی بیعت[1] کی۔ لیکن قریباً چھ ماہ تک متواتر خلافت سے پوری طرح تعاون نہ کر سکے۔ کیونکہ حضرت فاطمۃ الزہرا اپنے باپؐ کی وفات کے غم میں صاحبِ فراش تھیں۔ اور حضرت علیؓ ان کی تیمارداری کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اس کے باوجود مرتدین کی جنگ "غزوہ ذی القصہ[2]" میں حضرت علیؓ نے حضرت صدیقؓ کی زیرِ قیادت پورا حصّہ لیا اور جنگ میں شمولیت کی۔ بلکہ پورے اڑھائی برس حضرت صدیقؓ کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ کسی جگہ شیعہ یا سُنی کی کتاب سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک نماز میں بھی حضرت صدیقؓ کے پیچھے پڑھنے سے انکار کیا ہو۔

اس کے بعد دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دَورِ خلافت میں تو حضرت علیؓ کے سینکڑوں مخلصانہ مشورے، تجاویز اور تعاون کی مثالیں ملتی ہیں۔ جو فریقین کی کتب میں لکھی ہوئی ہیں۔ اس تعاون کی انتہا یہ تھی کہ حضرت علیؓ نے حضرت الزہرا کے بطنِ اطہر کی سب سے چھوٹی لڑکی اُمِ کلثوم کو فاروقِ اعظم کے نکاح میں دیدیا۔ اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہمدردی کا یہ حال تھا کہ سب سے زیادہ دفاع حضرت علیؓ نے ہی کیا۔ اور جب تک بلوائیوں نے حضرت علیؓ کو بھی محصور نہ کر دیا پوری کوشش سے خلیفہ راشد سے دفاع کیا۔ اس تیس سالہ خلافت میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نظر نہیں آتا جس سے ثابت ہو کہ حضرت علیؓ نے خلیفہ وقت کی مخالفت کی ہو۔ یا ان کے پیچھے نماز

[1] البدایہ والنہایہ ص۲۴۵ ج۷ [2] ایضاً ص۲۴۹ ج۵

پڑھنے سے گریز کیا ہو۔

جہاں تک میری دانست ہے خلافت راشدہ میں یہ مسئلہ منصۂ شہود پر ہی نہیں آیا تھا۔ بلکہ شیعہ کی سب سے اہم کتاب نہج البلاغۃ کے بعض خطبات سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ خلفائے ثلاثہ کی خلافت کو درست مانتے تھے۔ اور ان کے ساتھ پورا پورا تعاون کرتے تھے۔ البتہ بعد میں جب روافض وخوارج کا زور ہوا۔ تو انہوں نے مسلمانوں میں اختلافات پیدا کرنے اور ان کو ہوا دینے کے لئے ان مسائل کو پیدا کیا۔ نہج البلاغۃ مصری ص۵۹ وعلاوہ دیکھ[۴]

صحیح روایات میں دیکھا جائے۔ تو خلفائے اربعہ کے لئے صراحۃً نام لے کر سوائے شیخین کے کسی کا نام نہیں ملتا[۵۲]۔ البتہ وہ بشارات جو مجملاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔ ان میں سے اکثر میں اصحاب ثلاثہ کے نام بھی آتے ہیں[۵۳]۔

(حاشیہ صفحہ ۳۵۲)
۵۱ البدایہ والنہایہ ص۱۳۹ نوٹ۔ شیعہ حضرات کی کتب میں اس نکاح کو بہت برے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اول فرج غصبت منا۔ کیونکہ جب یہ حقیقت نہ جھٹلائی جا سکی اور ان کے گہرے تعلقات کا انکار نہ کیا جا سکا تو پھر ان بھونڈے الفاظ میں بیان کیا کہ اہل غیرت ان کو بیان کرنے سے بھی گریز کرتا ہے۔ چہ جائیکہ حضرت علیؓ جیسے بہادر اور غیرتمند انسان ایسی حرکت ہوتی دیکھیں اور محسوس بھی نہ کریں۔ فافہم

۵۲ اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر اور اس کے علاوہ روایات کے لئے دیکھو ازالۃ الخفاء ص۱۵۱،۱۵

۵۳ ازالۃ الخفاء صفحہ ۴۷ تا ۵۰ جلد اول۔ اس کے علاوہ ازالہ میں سینکڑوں دلائل خلفائے راشدین کی خلافت کے ہیں۔

Marfat.com

ان روایات کے علاوہ اگر قرآن کی ان آیات کو ہی لیا جائے جن میں خلافت راشدہ کی پیش گوئی فرمائی گئی ہے۔ مثلاً ایک ہی آیت جو سورۃ نور میں وارد ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ایسے جامع الفاظ میں شروع فرمایا ہے سورۃ انزلنھا وفرضنھا کہ ہم نے اس سورہ کو ہم نے ہی نازل کیا ہے اور ہم نے ہی تم پر اس کا ماننا فرض کیا ہے اور اس میں ہم نے تمہاری تذکیر و عبرت کے لئے بڑے نشانات نازل فرمائے ہیں۔" چنانچہ ان بڑے نشانات میں سے صداقت اسلام کی ایک بہت بڑی نشانی خلافتِ راشدہ ہے جس کے متعلق آیت ۵۵ میں فرمایا ہے :۔

وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم	جو تم میں سے ایمان لاچکے ہیں اور اعمالِ
وعملوا الصالحات یستخلفنھم	صالحہ کرچکے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں وعدہ
فی الارض کما استخلف الذین	دیتا ہے کہ ان کو ضرور زمین میں خلیفہ
من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم	بنائے گا جیسے اس سے پہلے لوگوں کو بھی
الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم	بنایا۔ اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے
من بعد خوفھم امناً یعبدوننی	پسندیدہ دین (اسلام)، کو مضبوط بنیاد
لا یشرکون بی شیئاً۔ ومن	پر قائم کرے گا۔ اور یقیناً ان کے موجود
کفر بعد ذٰلک فاولٰئک	خوف کو حالتِ امن میں بدل دے گا
ھم الفٰسقون۔	کہ بلا کھٹکے میری ہی بندگی کریں گے، میرے
(۱۸ پ / ۱۳)	ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں ٹھہرائیں

(اب)، ان (واضح دلائل)، کے بعد بھی جو شخص انکار کرے تو ایسے لوگ فاسق ہیں

آیت کا مطلب صاف ہے کہ آیت کے اوّلین مخالف وہ لوگ ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں موجود تھے۔ اور وعدہ اس وقت کیا گیا جبکہ مسلمانوں پر حالتِ خوف طاری تھی۔ اور دینِ اسلام نے ابھی حجاز کی زمین میں بھی مضبوط جڑ نہیں پکڑی تھی۔ پھر اس کے چند سال بعد یہ حالتِ خوف نہ صرف امن میں بدل گئی۔ بلکہ اسلام عرب سے نکل کر ایشیا اور افریقہ کے بڑے حصّہ پر چھا گیا۔ اور اس کی جڑیں اپنی پیدائش کی زمین میں ہی نہیں بلکہ کرۂ زمین میں ایسی جم گئیں کہ آج بھی یورپ انہیں نہیں اکھاڑ سکا۔ یہ اس بات کا تاریخی ثبوت ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنا یہ وعدہ حضرت ابوبکرؓ صدیق۔ عمر فاروقؓ۔ اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے زمانے میں پورا کر دیا[1]۔

اگر آج کوئی شخص خلفائے راشدین کے ایمان و صلاحیت میں شک کرتا ہے یا ان کی خلافت کو غلط سمجھتا ہے تو دراصل وہ شخص ایک ایسی حقیقت کا انکار کرتا ہے جس کے قبول کئے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں جسے آج مخالف اسلام بھی قبول کر چکے ہیں۔ اور اگر خدانخواستہ آج اس حقیقت کا انکار ہی کیا جائے۔ تو پھر (نعوذ باللہ) قرآن خدا کی کتاب نہیں ہو سکتی۔ اور نہ ہی اسلام سچا مذہب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ قرآن کے اوّلین مخاطب لوگوں میں یہ وعدہ پورا نہیں ہوا۔ اور آج تک بھی نہ ہو سکا۔

---

[1] اس کی تصدیق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اس خطبہ میں کی جس میں حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو ایرانیوں کے مقابلہ میں خود جانے سے روکا جو آج بھی نہج البلاغۃ میں موجود ہے۔ اور آیتِ استخلاف پڑھ کر اس کی تصدیق فرمائی۔

Marfat.com

ایک دفعہ شاہِ ایران رضا شاہ پہلوی کو اس کے شیعہ ہم مجلسوں نے کہا کہ تم عمر (رضی اللہ عنہ) پر تبرا بازی کیوں نہیں کرتے۔ تو اس نے کہا کہ "عمرؓ کا کیا قصور ہے؟ اس کا صرف یہ قصور ہے کہ اس نے تمہیں اسلام پہنچایا۔ اس لئے اس پر تبرا کروں؟" اور حقیقت بھی یہ ہی ہے کہ اگر عمر فاروق کی فتوحات فارس کو مسلمان نہ کرتیں تو شاید ایران آج اسلامی ممالک میں شمار نہ ہوتا۔ اور ایرانی آج بھی اہرمن (شیطان) کی پوجا کرتے۔

آج اگر خلفائے ثلاثہ کے دور کو اسلامی تاریخ سے نکال دیا جائے تو تمام اسلامی تاریخ یکسر ختم ہو جاتی ہے۔ (محمد علی جناح)

جس اسلام کی کھیتی کا بیج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بویا وہ خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں ہی بار آور ہوا۔ اور آج بھی اس کے پھل کو ہم نصف دُنیا پر اسلامی حکومتوں کی شکل میں دیکھ رہے ہیں۔

قصۂ قرطاس

اگر آج خلفائے ثلاثہ کی خلافت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے جیسا کہ فی الواقع ہے تو باقی شیعہ سُنی اختلافات کی کچھ وقعت باقی نہیں رہتی۔ مثلاً واقعہ قرطاس یعنی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوت ہونے کے قریب فرمایا کہ کاغذ قلم دوات لاؤ۔ تاکہ میں لکھ دوں۔ تاکہ تم اختلافات سے بچ جاؤ۔ لیکن آپؐ کے اس فرمان پر عمل درآمد نہ ہو سکا۔ کیونکہ حضرت عمرؓ فاروق نے آنحضرتؐ کو آخری وقت تکلیف دینا نامناسب سمجھا اور کہا کہ اللہ کی کتاب ہمارے پاس موجود ہے۔ جو ہماری ہدایت کیلئے

Marfat.com

کافی ہے۔اس بات پر کچھ اختلاف ہؤا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو۔ کیونکہ جس حالت میں میں ہوں وہ ہی میرے لئے بہتر ہے۔

اس واقعہ کو حضرت عمر فاروقؓ کے لئے ایک بہت بڑا طعن اور نشانہ سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ اسی مجلس میں حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ بھی موجود تھے۔ وہ ہی جلدی سے کاغذ اُٹھا لاتے۔ لیکن وہ بھی نہ لائے اور انہیں اس پر طعن نہیں کیا جاتا۔

شیعہ حضرات اس واقعہ کو اس لئے طعن بتاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کو پروانہ خلافت لکھ کر دینے کے لئے کاغذ منگوایا تھا۔ جسے حضرت عمرؓ نے روکا۔ حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے قبل فرما چکے تھے۔ بلکہ خود خلافت عطا فرما چکے تھے۔ جبکہ آپؐ نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو نمازوں کے لئے اپنا نائب (خلیفہ) مقرر فرمایا۔ اگرچہ حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ نے کہا کہ حضرت آپؐ ان کی بجائے عمرؓ کو نائب مقرر فرمائیں۔ کیونکہ حضرت ابوبکرؓ رقیق القلب ہیں۔ اور وہ نماز نہیں پڑھا سکیں گے۔ تو آپ نے ڈانٹا اور فرمایا اللہ انکار کرتا ہے اس سے کہ ابوبکرؓ کے سوا کوئی اور خلیفہ بنے۔ اور مومنین بھی اور کسی کو تسلیم نہیں کریں گے[1]

---

[1] یہ تمام ٹکڑے عبارات احادیث کا ملخص ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھو ازالۃ الخفا ص ۹۰-۹۱

Marfat.com

جب کاغذ منگوانے سے پروانہ خلافت لکھنا مقصود نہ ہو تو شیعہ[1] کا اعتراض دراصل ختم ہو جاتا ہے۔ اور اگر پھر بھی اعتراض ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ کے بعد چار دن زندہ رہے۔ چنانچہ جو کچھ آپؐ لکھوانا چاہتے تھے۔ اس کی آپ نے وصیت فرمادی تھی۔ چنانچہ آپ کی وہ وصیتیں آج بھی احادیث میں موجود ہیں۔ لیکن ان میں خلافت علیؓ کی کوئی وصیت نہ سنّی احادیث میں ملتی ہے نہ شیعہ کتب میں۔ اس لئے یہ مفروضہ ہی غلط ہے کہ آپ نے کاغذ خلافت علیؓ کی وصیت کے لئے مانگا تھا۔

جناب رسول کی نعش مبارک کو چھوڑ کر ابو بکرؓ و عمرؓ کا سقیفہ چلا جانا؟

مخالفین کا ایک بڑا اعتراض یہ ہے۔ کہ رسول مقبول کے انتقال فرماتے ہی لوگوں کو خلافت کی پڑ گئی۔ اور نعش مبارک کو بے گور و کفن چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو گئے۔ چنانچہ اسی مضمون کے چند اشعار مثنوی رومی میں الحاق کر دیئے گئے۔ جس کو پڑھ کر سخت روحانی صدمہ ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ حضرت حکیم الامتہ کی روح پر فتوح پر ہمیشہ رحمت و برکت کے

---

[1] مولانا شبلی نے "الفاروق" میں لکھا ہے کہ یہ حدیث کئی طرق سے مروی ہے۔ مگر پہلے راوی سب طرق میں عبداللہؓ بن عباس ہیں اور ان کی عمر اس وقت تیرہ برس کی تھی۔ نیز یہ اس وقت موجود بھی نہیں تھے۔ اور یہ معلوم نہیں کہ انہوں نے کس سے سنا اور انہوں نے سرے سے ہی انکار کیا ہے۔ لیکن مجھے اس میں تامل ہے۔ (مؤلف)

Marfat.com

امطار دانوار نازل فرماتا رہے کہ اُنہوں نے ثابت کیا کہ یہ اشعار الحاقی ہیں۔
پروفیسر نکلسن نے حال ہی میں مثنوی رومی کی مخطوطاتِ قدیمہ کی رُو سے
جو تدوین کی ہے بحمد للہ اس میں بھی یہ اشعار نہیں ہیں۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس قضیئے کے پیدا کرنے کی ذمہ داری
شیخین پر عائد نہیں ہوتی۔ وہ تو نعش مطہر کے پاس حاضر تھے کہ اطلاع ملی
کہ سقیفے میں بڑا اجتماع ہو رہا ہے۔ (جو درحقیقت کیا دھرا منافقین کا تھا)
جس میں خلافت کا مسئلہ پیش ہے۔

کسی پیغمبر یا بادشاہ کی جانشینی کا سوال اہم مہمات سے ہے۔ لہٰذا اس کا
طے ہونا ضروری تھا۔ اگر انصار میں سے کوئی خلیفہ مقرر ہو جاتا۔ تو قریش کے
خلاف ہونے کے علاوہ قریش انصار کی قیادت اور سربراہی کسی طرح گوارا نہ
کرتے۔ اور اگر انصار و مہاجرین دونوں جماعتوں میں سے ایک ایک خلیفہ
مقرر ہوتا۔ تو ایک میان میں دو تلواریں کس طرح سماتیں۔ علاوہ بریں اس
مسئلہ کے طے ہو جانے میں زیادہ سے زیادہ ایک دو گھنٹے صرف ہوئے
ہونگے۔ پھر یہ سب لوگ واپس پہنچ گئے۔ رسول مقبول کا وصال پیر کو دوپہر
ڈھلے کے بعد ہوا اور تدفین ہوئی منگل اور بدھ کی درمیانی شام کو یعنی
وفات سے ۲۸ یا ۲۹ گھنٹوں کے بعد۔ ظاہر ہے اس مدت میں حضرات اہل بیت
بھی متصل و متواتر نعش مبارک کے پاس بیٹھے نہ رہے ہونگے۔ حوائج ضرورت
کے علاوہ نماز پنجگانہ کی ادائیگی ضرور تھی۔ جب حضرات اہل بیت بھی حوائج
ضروریہ اور ادائیگی نماز پنجگانہ کے لئے نعش مبارک سے جدا ہوئے تو شیخین کا

Marfat.com

ایک اہم نہایت سوال کے طے کرنے کے لئے کچھ دیر کے لئے وہاں سے چلے جانا کس طرح قابلِ اعتراض ہے۔ تھوڑی سی غیر حاضری کے بعد یہ صحابہ آخر تک تجہیز و تکفین میں شامل رہے۔ بلکہ خود حضرت علیؓ بھی جسدِ مبارک کو چھوڑ کر اگلے روز یعنی منگل کے جلسۂ عام میں حضرت صدیق سے بیعت کرنے تشریف لے گئے تھے۔ یہ بالکل واضح ہے کہ حضرت صدیقؓ کی روایت کردہ حدیث کے مطابق حجرۂ عائشہ میں قبر کھودی گئی۔ قبر کھودنے کے لئے دو نام پیش کئے گئے تو حضرت فاروقؓ کی پیش کردہ اس تجویز پر عمل کیا گیا کہ دونوں کو بلایا جائے جو پہلے آجائے اس سے قبر کھدوائی جائے۔ اس لئے یہ بھی غلط ہے کہ شیخین خلافت کی دوڑ دھوپ میں لگے رہے۔ حالانکہ یہ اتنا بڑا بوجھ تھا جس کو اٹھانا معمولی بات نہ تھی۔

حضرت علیؓ نے حضرت صدیقؓ سے بیعت کب کی؟

عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ نے چھ ماہ بعد یعنی حضرت فاطمہؓ الزہرا کی وفات کے بعد حضرت صدیقؓ سے بیعت کی۔ اس خیال کا ماخذ بخاری شریف کی ایک طویل حدیث ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ کے انتقال کے بعد حضرت علیؓ نے حضرت صدیقؓ کو بلا کر کہا کہ آپ کے فضل کو اور جو کچھ اللہ نے آپ کو دیا ہے اسے ہم جانتے ہیں اور جو چیز (خلافت) اللہ تعالیٰ نے آپ کو بخشی ہے۔ اس میں ہم آپ کی ریس نہیں کرتے۔ لیکن ہاں آپ نے خلافت کا معاملہ خود ہی طے کر لیا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

کی قرابت کی وجہ سے ہم بھی اس میں اپنا حصہ سمجھتے تھے۔ یہ سُن کر حضرت صدیقؓ نے بچشم پُرنم معذرۃً کچھ کہا۔ تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ آپ رات کے وقت تشریف لائیں۔ میں بیعت کرلوں گا۔ چنانچہ اسی روز آپ نے بیعت کرلی۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے چھ ماہ بعد بیعت کی مگر درایۃً اس روایت پر یہ اعتراض ہے کہ چھ ماہ تک بیعت نہ کرنا، ایک ایسی بات ہے جو ایک طرف حضرت علیؓ کی شان سے بہت بعید ہے کہ آپ جیسی تقدس مآب بہترین خیرخواہ اسلام و مسلمین ہستی باقاعدہ منتخب شدہ خلیفہ سے بیعت نہ کرے۔ دوسری طرف حضرت صدیقؓ بلکہ عامۃ المسلمین اسے گوارا نہیں کرسکتے تھے کہ چھ ماہ تک حضرت علیؓ کی سی اہم شخصیت کو ان کی بیعت سے انکار یا تامل ہو۔ روایۃً دو تین حدیثیں ہیں۔ جو اگرچہ بخاری و مسلم میں مروی نہیں ہیں۔ مگر وہ انہی دونوں کے شرائط پر ہیں۔ انہیں حاکم نے مستدرک میں نقل کیا ہے۔ اور سیوطی نے تاریخ الخلفاء اور ابنِ تیمیہؒ نے منہاج السنہ میں بیان کیا ہے۔

ایک روایت تو یہ ہے کہ جب واقعہ سقیفہ کے دوسرے روز عام جلسے میں حضرت صدیق نے ایک مختصر دیا اور کہا کہ میں خلافت کا خواہاں نہ تھا۔ میری مرضی کے خلاف اتنے بڑے کام کا طوق میری گردن میں ڈال دیا گیا ہے وغیرہ وغیرہ تو حاضرین نے اسے خموشی سے سُنا۔ البتہ علیؓ اور زبیرؓ نے کہا کہ ہم کو اس بات پر برہمی تھی کہ مشورے کے وقت ہمیں نظر انداز کیا گیا۔ ورنہ ہم میں بلاشبہ رسول اللہؐ کے بعد امارت کے مستحق ابوبکرؓ ہی ہیں۔ وہ صاحبِ غار اور ثانی اثنین ہیں۔ ہم اُن کے شرف و عظمت سے واقف ہیں۔ رسولِ مقبولؐ نے نماز کی امامت کا

Marfat.com

حکم اپنی حینِ حیات ہی میں دیا تھا۔ (انتہیٰ)

ابو بکرؓ نے منبر پر چڑھ کر اِدھر اُدھر نظر ڈالی۔ اور حضرت علیؓ کو نہ پا کر اُنکی بابت پوچھا تو انصار ان کو بُلا لائے۔ حضرت صدّیق نے کہا کہ آپ رسولؐ اللہ کے چچازاد بھائی اور داماد ہو کر مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا چاہتے ہیں۔ تو حضرت علیؓ نے کہا کہ ملامت نہ کیجئے! اس کے بعد آپ نے حضرت صدّیق سے بیعت کر لی (انتہیٰ) یہ حدیث بھی صحیحین کے شرائط کے مطابق ہے۔"

ابنِ کثیر نے ان حدیثوں کو بیان کر کے حدیث بخاری کے ساتھ اس طرح تطبیق دی ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت صدّیق سے دو بار بیعت کی۔ پہلی بار تو واقعہ سقیفہ کے دوسرے روز۔ اسے بیعت عام کہا جائیگا۔ دوسری بار حضرت فاطمۃ الزہرا کے انتقال کے بعد چھ ماہ تک پبلک سے غائب اور خلیفۃ الرسول کے تعاون سے باز رہنے کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے بیعت کی۔ اور وہ بیعت رضا ہے۔

قصۂ فدک

یہ قصہ بھی فریقین کے درمیان معرکۃ الآراء بن گیا ہے۔ باغ فدک کی آمدنی کو رسولِ مقبول نے اپنے اہل وعیال کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔ جو بچتا وہ یتامیٰ، مساکین، ابن السبیل وغیرہ پر خرچ فرماتے تھے۔ جب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے۔ تو میراث کا مسئلہ پیش ہوا۔ جسکے باعث حضرت عباسؓ حضرت علی۔ امہات المومنین اور حضرت فاطمۃ الزہرا دعویدار ہوئے۔ اس میں اختلاف ہے کہ آیا حضرت فاطمہؓ خود تشریف لے گئیں یا قاصد بھیجا۔ حدیث بخاریؒ سے تو دوسری صورت ثابت ہوتی ہے۔ دعوائے

کے جواب میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول مقبول کے سب اعزہ و اقارب کو میں اپنے اعزہ و اقارب سے زیادہ محبوب و عزیز سمجھتا ہوں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ چونکہ خود رسول مقبول کا یہ ارشاد موجود ہے کہ "ہم انبیاء کا گروہ کوئی چیز وراثت میں نہیں چھوڑتے۔ جو چیز ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے"۔ اس لیئے میں اس جائداد کو کیونکر تقسیم کرسکتا ہوں۔ البتہ رسول مقبول کی زندگی میں اہلِ بیت کو جس قدر فائدہ پہنچتا تھا۔ وہ اب بھی پہنچتا رہیگا۔

یہ جواب دینے کے بعد حدیث بخاری میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ فوجدت دلم تتکلم حتیٰ ماتت۔ مخالفین نے اس کے یہ معنی لیئے کہ حضرت فاطمہ اس قدر غصے ہوئیں کہ ابوبکر سے کبھی نہیں بولیں یہاں تک کہ انتقال فرماگئیں۔ ہماری گزارش ہے کہ اگر حضرت فاطمہؓ حضرت صدیق رضؓ کے اس معقول اور مطابق شریعت جواب پر اس قدر ناراض ہوئیں کہ انھوں نے حضرت صدیق سے بولنا ترک کردیا۔ تو نعوذ باللہ خاک بدہن خاتون جنت کے اعلیٰ کردار پر حرف آتا ہے۔ فرض کیجئے کہ اس چودہویں صدی میں بھی جبکہ دینداری کی حالت ناگفتہ بہ ہے اگر کسی پرہیزگار پاکباز پابندِ شریعت خاتون کا باپ کچھ جائداد چھوڑ کر مرجائے اور اپنے کسی مخلص اور صادق القول دوست کے سامنے جائداد کے ایک حصے کو وقف کردے جس کا اس کی بیٹی کو علم نہ ہو۔ اور وہ دوست متوفی کی بیٹی سے کہے کہ فلاں جائداد کو تو تمہارا متوفی باپ میرے سامنے وقف کرگیا ہے۔ تو قارئین

کرام ذرا سوچیں کہ اس خاتون پر کیا اثر ہوگا۔ کیا وہ تکذیب کرکے اس حصّہ جائداد کو وقف نہ ہونے دیگی یا خدا رسوؐل کی خوشنودی کے لئے اپنے والد متوفی کے حکم کی تعمیل کرنے میں اپنی سعادت دارین سمجھے گی۔ اگر وہ خاتون درحقیقت پرہیزگا پابندِ شریعت، فی سبیل اللہ بے دریغ خرچ کرنے والی ہے۔ تو وہ ہرگز ہرگز چون و چرانہ کرے گی۔ تو کیا رسوؐلِ مقبول کی صاحبزادی سیدۃ النساء خاتونِ جنّت جو سائلوں کو سارا کھانا کھلا کر دو تین روز تک متواتر روزے رکھتی تھیں۔ اپنے پدر بزرگوار فداہ روحی کی حدیث مبارک کو سُن کر تعمیلِ حکم میں اپنے دل میں ذرہ برابر ملال لائیں۔ معاذ اللہ وحاشا و کلا۔ بلکہ آپ خوش ہوئی ہونگی۔ کہ بحمد اللہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایسا شخص مسند آرائے خلافت ہوا ہے۔ جو رسوؐلِ مقبول کے حکم کی سرِ مو بھی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ اگر خلیفۃ الرسول وہ جائداد اپنی اولاد کو دیدیتے۔ یا اپنے ذاتی تصرّف میں لاتے تو ضرور ملال کی بات تھی۔ آپ نے تو یہ فرمایا کہ جو کچھ آپؐ کے زمانے میں ملتا تھا وہ اب بھی ملتا رہیگا البتہ اس کی ملکیّت اب بیت المال کی طرف منتقل ہوگئی ہے۔ اگر یہ توجیہ صحیح اور تسکین بخش ہے تو وَجدَت کے معنے یہ ہوئے کہ آپ نے حضرتِ صدّیق کے فرمان کو بطیب خاطر قبول فرمایا اور سوال کرنے کی غلطی کا احساس کیا۔ اور پھر آپ نے اس بارے میں کبھی کسی قسم کی گفتگو نہیں کی (یہ مفہوم ہوا لم تتکلم کا) جناب ثناء اللہ پانی پتی السیف المسلول میں لکھتے ہیں۔ "وجدت لفظیست مشترک در چند معنے بمعنے غضبت (غصّے ہوئیں) مذمت (نادم ہوئیں۔ وغمت (رنج کیا) آمدہ کذا فی نہایۃ الجزری۔ اینجا ارادی وجدت رامعنی

ندمت یا غمت استعمال کردہ و بعضے رواۃ کہ روایت حدیث بمعنے کردند وجدت را بمعنے غضبت فہمیدہ ہمان قسم یادداشت و معنی این حدیث حقیقت آنست کہ چوں فاطمہ جواب ابوبکر شنید و باستماع حدیث پیغمبر دریافت کرد کہ سوال میراث خلاف شریعت واقع شدہ ندامت کشید۔ یا غمگین شد کہ این فعل چرا از من ظہور شد۔

علاوہ بریں حدیث صحیح ہے کہ مسلمان کو دوسرے مسلمان سے دو تین روز سے زیادہ مدت تک سلام و گفتگو ترک نہیں کرنا چاہیئے۔ حضرت فاطمہ رض کا عمل خلاف حدیث ہو سکتا تھا؟ یہ تاریخی واقعہ ہے کہ فدک کے بارے میں حضرت صدیق کا جو عمل درآمد تھا۔ وہ حضرت حسین رض کے زمانۂ خلافت تک جاری رہا۔ یعنی خاتونِ جنت کے نہ شوہر محترم نے نہ لختِ جگر نے اس میں کسی قسم کی ترمیم یا تنسیخ کی۔ البتہ اموی عہد میں اس کی خلاف ورزی کی گئی۔ پھر جب حضرت عمر بن عبد العزیز تخت نشین ہوئے۔ تو انہوں نے پھر سابقہ عمل درآمد بحال کر دیا۔ شیعی عالم فاضل ابن میثم بحرانی نے نہج البلاغہ کی شرح مسمی بمصابیح السالکین میں ایک طویل روایت بیان کی ہے۔ اس کا خلاصہ ہم بیان کرتے ہیں۔ اس سے اس مسئلہ متنازعہ فیہا پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ "ابوبکر رض نے جب حضرت فاطمہ رض کا کلام سنا تو کہا اے عورتوں میں سب سے بہتر عورت، اور باپوں میں سب سے بہتر باپ کی بیٹی! میں نے رسولِ مقبول کے اسلحہ، سواری اور نعلین وغیرہ چیزیں تو حضرت علی رض کو دے دی ہیں۔ رسولِ مقبول کو یہ فرماتے ہوئے میں نے سنا ہے۔ کہ ہم انبیاء کی جماعت

Marfat.com

سونے چاندی اور زمین اور جائداد میں کسی کو اپنا وارث نہیں چھوڑتے۔ ہم تو ایمان، علم و حکمت اور سنّت وراثت میں چھوڑتے ہیں۔

اس پر حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ رسول اللہ نے وہ باغ مجھے ہبہ کر دیا تھا۔ ابوبکرؓ نے کہا کہ اس کا کون گواہ ہے۔ تو علیؓ اور ام ایمن نے گواہی دی۔ پھر عمر اور عبدالرحمٰن نے گواہی دی کہ رسول اللہؐ اس کی آمدنی تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ مجھے ابوبکرؓ نے کہا کہ تم سب نے صحیح کہا۔ اور یہ اس طرح کہ پدر بزرگوار کی چیز آپ ہی کی ہے بعد رسول مقبول فدک کی آمدنی سے آپ کی خوراک کا انتظام کر کے جو بچتا تھا اُسے تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔ اور کچھ خُدا کی راہ میں دے دیا کرتے تھے۔ اور میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ میں بھی ایسا ہی کرتا رہوں گا۔ اس پر حضرت فاطمہؓ راضی ہو گئیں۔ اور عہد کروا لیا۔ (فرضیت بذالک واخذ العھد علیہ)

ابوبکرؓ فدک کی آمدنی سے بقدرِ کفایت حاجت آپ کو دیتے رہے۔ اور پھر خلفائے ثلاثہ بھی ایسا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ معاویہؓ کے زمانے میں امام حسنؓ کے بعد تیسرا حصہ مروان کو ملتا رہا۔ اور خود مروان کے زمانہ خلافت میں ساری خالصہ ہو گئی۔ تا اینکہ عمر ابن عبدالعزیز نے جائداد پھر اولادِ فاطمہ کو لوٹا دی۔ جس پر شیعہ تو کہتے ہیں کہ یہ پہلا غصب کردہ مال ہے جو اس نے لوٹایا۔ اور اہلِ سنت کہتے ہیں اس نے خالصہ کر کے ان کو بخش دیا۔ (انتہیٰ)

اس روایت سے حضرت فاطمہؓ کا حضرت صدیقؓ کے فیصلے سے راضی ہو جانا ظاہر ہے۔ (حاشیہ صفحہ ۳۶۷ کے نیچے دیکھیں)

کیا حضرت علیؓ کی خلافت متحقق نہیں ہوئی؟

جس طرح شیعہ حضرات کی طرف سے خلفاء ثلاثہ پر اعتراض کئے جاتے ہیں کہ ان کی خلافت غاصبانہ تھی۔ اور حضرت علیؓ تمام عمر ڈر کر زندگی گذارتے رہے۔ اور ان سے ٹکر نہ لے سکے۔ حالانکہ ایک غیرت مند آدمی کی اس میں توہین ہے۔ خصوصاً جس شخص کا لقب ہی (حیدر) شیر خدا ہو۔ بالکل اسی طرح خارجیوں کی طرف سے حضرت علیؓ پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان کی خلافت متحقق ہی نہیں ہوئی۔ کیونکہ مدینہ کے اہلِ حل وعقد نے ان کی بعیت میں حصہ نہ لیا۔ اور بہت سے صحابہ کرام نے فتنہ سے الگ رہنے کے لئے بعیت نہ کی۔ اور شام کے تمام علاقہ میں سے کسی نے بھی نہ کی۔ اگر بعیت کی تو صرف ان

ا۔ (حاشیہ صفحہ ۳۶۶) ماخوذ از مضمون خلافت و صحابیت ڈاکٹر زبید احمد پی۔ ایچ۔ ڈی از رسالہ تجلی جنوری سنہ ۱۹۶۱ء میرے خیال میں اس کو اختلافی مسئلہ بہت بعد میں بنایا گیا ہے۔ کیونکہ حضرت فاطمۃ الزہرا تو اسے عدالت میں پیش کرنے پر بھی پشیمان ہوئیں۔ اور باقی زندگی کبھی تذکرہ بھی نہ کیا۔ اور اگر خدانخواستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ولا نورث و نورث نہ بھی ہوتا تو حضرت فاطمہؓ کو صرف نصف حصہ مل جاتا۔ لیکن وہ بھی سال کے اندر ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ اور شاید خلافت اموی تک چپہ چپہ زمین بٹ جاتی۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی وجہ سے فدک کی پوزیشن ایک وقف جائداد کی سی ہو گئی تھی۔ جو آخر تک محفوظ رہی۔ اور اس پر متصرف بھی فاطمی خاندان ہی رہا۔ صرف مروان کی حکومت میں ایک تہائی مروان لینے لگا تھا جس کو عمر بن عبدالعزیزؒ نے پھر فاطمی خاندان میں لوٹا دیا۔ البتہ خلفائے ثلاثہ نے اس وقف کی حفاظت ضرور کی ہے۔

بلوائیوں نے کی۔ جنہوں نے سابقہ خلافت کو درہم برہم کیا۔

جس طرح یہ چیز بالکل غلط ہے۔ کہ خلفاء ثلاثہ کی خلافت برحق نہیں تھی بالکل اسی طرح یہ بھی غلط ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت متحقق نہ ہوئی۔ کیونکہ خلافت دراصل "اقامتِ دین" کا نام ہے۔ اگر صرف انتظاماتِ حکومت تو ہو لیکن اقامت دین نہ ہو تو وہ بادشاہت ہوگی۔ خلافت نہ ہوگی۔ اور اسی طرح اگر کوئی زبردستی حاکم بن بیٹھے۔ جیساکہ موجودہ نظامات میں ڈکٹیٹر شپ کہلاتی ہے۔ اور اگر وہ "اقامتِ دین" کا انتظام کردے۔ باقاعدہ حدود شرعیہ کا نفاذ ہو۔ اور اسلامی قوانین کا اجراء ہو۔ نماز و زکوٰۃ کا نظم قائم ہو۔ تو اس کی بھی اطاعت فرض ہو جاتی ہے۔ اس سے بغاوت[1] عین اسلام سے بغاوت ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے اگر کوئی خلیفہ باقاعدہ منتخب ہو کر خلیفہ بنے۔ لیکن دین قائم نہ کرے۔ حدود اللہ کو توڑے۔ اور شریعتِ اسلامی کے خلاف منہیات کو رواج دے۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر لوگوں کو آمادہ کرے۔ تو اس کی اطاعت

---

[1] یہی وجہ ہے کہ زیدی شیعہ خلفاء ثلاثہ کی خلافت کو درست مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے بطیبِ خاطر خلفاء ثلاثہ کی اطاعت کی۔ اور کبھی بغاوت کی ادنےٰ کوشش بھی نہیں کی۔ کیونکہ انہوں نے پوری طرح دین قائم کر دیا تھا۔ اگرچہ شیعوں کے باقی فرقے خلفائے ثلاثہ کی خلافت کو درست نہ مانتے ہوئے بھی ہر اس خلافت کی اطاعت کو فرض ماننے میں متفق ہیں جس کی بیعت متحقق ہو چکی ہو۔ اور نظام قائم ہو چکا ہو۔ کیونکہ حضرت علیؓ و دیگر اہلِ بیت کا خلفاء ثلاثہ کی اطاعت کرنا اور ان سے بغاوت نہ کرنا ان کے لئے کافی دلیل ہے

Marfat.com

فرض نہیں ہے۔ بلکہ اس کی نافرمانی فرض ہے۔ لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ (الحدیث) کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے لئے کسی مخلوق کی فرمانبرداری جائز نہیں۔

چونکہ حضرت علیؓ نے اس وقت یہ ہی مناسب سمجھا کہ اس بدانتظامی کو ختم کیا جائے۔ اور بلوائیوں سے بیعت قبول کر کے ان کو مدینہ سے نکال دیا جائے۔ اور امن کو بحال کیا جائے۔ اس لئے ان کا خلافت کو قبول کر لینا درست تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ بلوائیوں نے وفا نہ کی۔ اور اگر وہ خلافت کو قبول نہ کرتے۔ تو بلوائیوں نے قتل عام شروع کر دینا تھا۔ اس لئے حضرت علیؓ نے بلوائیوں سے بیعت کر لی۔ تو یہ وقت کا تقاضا تھا۔ اور بہت ہی اچھا کیا۔ اگر بلوائیوں کے دباؤ سے ہی بیعت قبول کی ہو۔ بلکہ اگر ایسے موقع پر حضرت علیؓ خود بخود بھی نظمِ خلافت سنبھال لیتے تو بھی درست تھا۔ جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے قوم کو ہدایت کے لئے مواقع بہم پہنچتے دیکھے تو عہدہ قبول کر لیا اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بسا اوقات ایسا ہوا کہ ایک امیرِ لشکر شہید ہو گیا۔ تو دوسرے نے خود بخود علم سنبھال لیا۔ اور اللہ نے فتح بھی دی۔ اس لئے حضرت علیؓ کی خلافت درست تھی۔ البتہ دوسری طرف جن لوگوں نے ان کی بیعت نہ کی۔ ان کا اختلاف محض اجتہادی اختلاف تھا۔ کیونکہ جنگِ جمل اور جنگِ صفین میں بھی حضرت علیؓ کے مقابل خلافت کا کوئی دعویدار نہ تھا۔ بلکہ قاتلانِ عثمانؓ مطلوب تھے حضرت علیؓ نے بیعتِ خلافت قبول کر کے بلوائیوں اور باغیوں کے فتنہ کو ایک گونہ روک دیا تھا۔

Marfat.com

جس طرح کہ حضرت صدیق رضؓ نے انتشار کی خبر سنتے ہی سقیفہ بنی ساعدہ میں جا کر اُمت کو انتشار و اختلاف میں پڑنے سے بچا لیا۔

حقیقت یہ ہے کہ خلفائے اربعہ میں سے کسی نے بھی خواہش نفس سے خلافت نہیں لی۔ بلکہ اُمت نے ان پر زبردستی بوجھ ڈالا۔ اور اُنہوں نے بھی اس کو بوجھ سمجھ کر ہی اُٹھایا۔ چنانچہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری میں نماز کے لئے حکم دیا تو حضرت صدیق رضؓ نے محسوس کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی نیابت کے لئے ارشاد فرمادیا ہے تو اُمت کس طرح کسی اور کو نائب بنائے گی۔ چنانچہ واقعہ بھی اسی طرح ہوا کہ سقیفہ میں جب آپ نے فرمایا۔ الائمة من قریش۔ تو انصار و مہاجرین نے بالاتفاق آپ کو منصب خلافت کے لئے منتخب فرمالیا۔ اور کہا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین کے لئے آپ کو مقرر فرمادیا ہے۔ تو ہم اپنی دُنیا کے لئے بھی آپ ہی کو خلیفہ منتخب کرتے ہیں۔

حضرت صدیق رضؓ امامت نماز سے ہی محسوس کر گئے۔ کہ خلافت کا بوجھ مجھ پر ڈالا جانے والا ہے۔ اس لئے اُنہوں نے حضرت عائشہ رضؓ کو کہا کہ حضرت کو کہہ دیں کہ میرے باپ بہت رقیق القلب ہیں۔ اس لئے اس کام پر انہیں مامور نہ فرمائیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے فرمایا۔ یابی اللہ ورسولہ والمؤمنون۔ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور مومن سب اس چیز سے انکاری ہیں کہ نیابت کسی اور کو ملے۔

Marfat.com

اس واقعہ کی صحت پر شیعہ وسُنّی دونوں حضرات متفق ہیں۔ اس سے معلوم ہُوا کہ حضرت صدیق اس بوجھ کو اُٹھانے سے پس وپیش کرتے تھے۔ اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں امام مقرر نہ کیا ہوتا تو کبھی بھی اسے قبول نہ کرتے۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ فاروق کی خلافت آتی ہے۔ تو اس کو بھی تمام لوگ محسوس کرینگے کہ وہ بھی خلافت کو ایک بہت بڑی ذمہ واری اور بوجھ محسوس کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب فوتیگی کے وقت صحابہ کرام نے انہیں کہا کہ کسی کو اپنا نائب مقرر فرما جائیں۔ تو اُنہوں نے فرمایا کہ میں جس بوجھ کو اپنی زندگی میں اُٹھائے رکھنا نہیں چاہتا تھا وہ بوجھ مرنے کے بعد بھی میرے سر پر ہی رہے۔ یعنی نائب مقرر کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اگر صحابہ نے کہا کہ آپ اپنے بیٹے کو نائب مقرر فرما جائیں۔ تو بھی فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ اپنی اولاد کو دنیوی فوائد سے محروم کر جاؤں۔ کیونکہ حضرت عمر فاروق سمجھتے تھے کہ جو سہولتیں خلیفہ کو میسر ہوں۔ وہ رعیت کو میسر آنی چاہئیں۔

ایک دفعہ کسی غلام نے شہد کا شربت پانی کی جگہ دے دیا۔ تو آپ رو دئے۔ اور فرمایا کہ خلیفہ کے لئے یہ شربت کس طرح جائز ہے۔ جبکہ رعیت کو دو وقت کا کھانا بھی میسّر نہ ہو۔ یہ ہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ عموماً فاقوں رہتے تھے۔ تاکہ فاقہ کشوں کی تکلیف کا اندازہ ہو سکے۔

اگر حضرت عمر فاروقؓ خلافت کو دُنیاوی بادشاہوں کی طرح بہت بڑی نعمتِ عظمیٰ سمجھتے۔ تو آپ اسے اپنی اولاد میں منتقل کر دیتے۔ کیونکہ اکثر صحابہ کرام

Marfat.com

کی یہ خواہش تھی لیکن آپ نے اسے بوجھ سمجھتے ہوئے اپنی اولاد کو ان مشکلات میں پڑنے سے محفوظ رکھا۔

اسی طرح حضرت عثمان غنیؓ نے بھی خلافت کو بوجھ اور ذمہ داری ہی سمجھا۔ اور حضرت علیؓ تو خلافت کی ذمہ واریوں سے اتنے پریشان تھے، کہ کئی مرتبہ آپ نے موت کی آرزو کی۔ بلکہ وفات کے وقت حضرت حسنؓ کو وصیت کر دی۔ کہ اس بوجھ کو اٹھانے کی کوشش نہ کرنا۔ کیونکہ حضرت علیؓ سمجھتے تھے کہ جن مجبوریوں کے ماتحت انہوں نے خلافت کو قبول کیا تھا وہ بھی حل نہ ہو سکیں۔ اور سب سے پہلے بیعت کرنے والے کوفی ہی سب سے زیادہ غدار نکلے۔

اُمت میں سب سے زیادہ افضل کون تھا؛

شیعہ حضرات کے نزدیک اُمت میں سب سے افضل حضرت علیؓ ہیں۔ لیکن اہلِ سنت کے نزدیک تمام اُمت میں سے سب سے افضل حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ۔ چنانچہ بخاری شریف باب مناقب ابی بکرؓ میں وارد ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں۔ کہ ہم اُمت میں سے سب سے افضل حضرت ابوبکرؓ کو گنا کرتے۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کو۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ کو۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

ویسے اوصاف کے لحاظ سے بھی دیکھا جائے۔ تو اُمت میں سے افضلیت اس کو ملنی چاہیئے۔ جو سب سے زیادہ نبوّت کے قریب ہو۔ اور نبوّت کا سب سے بڑا خاصہ زہد عن الدنیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی

Marfat.com

گذار دی۔لیکن دُنیا سے کوئی تعلق قائم نہ کیا۔وفات کے وقت گھر میں چراغ جلانے کے لئے تیل بھی نہ تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں (اہلِ بیت) نے کبھی تین دن سیر ہو کر کھانا نہ کھایا۔اور فوت ہوئے تو صرف تلوار، زرع اور سواری کے بغیر کوئی چیز نہ تھی۔

جب ہم صحابہ میں سے دیکھتے ہیں۔تو سب سے زیادہ زاہد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔جنہوں نے اپنا تمام مال و دولت حضورؐ کے لئے وقف کر دیا تھا۔اور جنگ تبوک کے وقت سارے کا سارا متاع بیت لا کر قدموں میں ڈھیر کر دیا تھا۔اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مقام ہے۔جنہوں نے نصف مال لا کر جنگی امداد کے لئے دے دیا۔ویسے اپنی خلافت کے دَور میں ان کے زہد کے سینکڑوں ایسے واقعات ملتے ہیں جن کی نظیر نہیں۔اور شیخین نے وفات کے وقت یہ وصیت فرما دی کہ جتنا ہم نے اخراجات کے لئے لیا ہے۔وہ ہماری جائیداد میں سے واپس کر دیا جائے۔ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مقام آتا ہے۔تو وہ باوجود بہت بڑے رئیس ہونے کے اتنی سخاوت کرتے کہ اپنی زندگی میں اسلام پر کوئی وقت ایسا نہیں آیا۔جو حضرت عثمانؓ کی سخاوت کا مرہونِ منت نہ ہو۔اور جب فوت ہوئے۔تو اپنے پاس ایک درہم بھی نہ تھا۔بلکہ سب کچھ خیرات کر چکے تھے۔اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام ہے۔جو ساری زندگی ہی زہد و اتقا میں گذار گئے۔

حضرت علیؓ نے اگرچہ ساری زندگی زہد میں گذاری۔لیکن جو باوجود

Marfat.com

مالدار ہونے کے زہد اختیار کرنا بہر حال افضل ہے اس شخص سے جس کے پاس ہی کچھ نہ ہو[1]

تواضع ز گردن فرازاں نکوست ⁂ گدا گر تواضع کند خوئے اوست

حضرت علیؓ افضلیتِ اصحابِ ثلاثہ کے معترف تھے۔ اور ان کے مرویات سے یہ چیزیں ملتی ہیں۔ چنانچہ بخاری شریف مناقب ابی بکرؓ میں وارد ہے کہ محمد بن حنفیہ نے اپنے باپ حضرت علیؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل کون ہیں۔ تو آپ نے فرمایا ابوبکرؓ۔ پھر پوچھا کہ اس کے بعد تو فرمایا عمرؓ۔ محمدؒ بن حنفیہ کہتے ہیں۔ کہ میں ڈرا کہ تیسرے نمبر پر حضرت عثمانؓ کا نام نہ لے دیں۔ اس لئے میں نے سوال کا انداز بدلتے ہوئے کہا کہ تیسرے نمبر پر آپ ہیں۔ تو آپ نے فرمایا میں تو تمام مسلمانوں میں سے ایک آدمی ہوں۔

نہج البلاغۃ کے ان خطبوں میں جن میں حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ کو بیعت کی ترغیب دی ہے۔ ان میں اصحابِ ثلاثہ کی فضیلت کا اعتراف کیا ہے۔ گویا سنیوں کی افضل کتاب بخاری شریف اور شیعوں کی مستند کتاب نہج البلاغۃ دونوں میں حضرت علیؓ کا اعتراف موجود ہے کہ اصحابِ ثلاثہ افضل ہیں۔ نیز کم از کم میری نظر میں کوئی ایک صحیح روایت بھی ایسی نہیں گذری جسمیں حضرت علیؓ نے اپنے آپ کو اصحابِ ثلاثہ سے افضل کہا ہو۔ جب حضرت علیؓ ہی اصحابِ ثلاثہ کی افضلیت کے قائل ہوں۔ تو دوسروں کو انکار کا کوئی حق ہی نہیں رہتا۔

---

[1] دیسے حضرت علیؓ جب فوت ہوئے تو ان کی کافی جائیداد تھی۔ چنانچہ مسند احمد ص ۱۵۹ میں ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ایک وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھتا تھا اور آج یہ حال ہے کہ ۴۰ ہزار سالانہ میری زکوٰۃ کی رقم ہوتی ہے

اختلافاتِ اُمت

اختلافات کا ہو جانا بالکل ناگزیر امر ہے۔ کتنی پیار و محبت کی گھریلو زندگی ہو یا دوستانہ اختلافات ہو ہی جاتے ہیں۔ اسی لئے اختلافات نپٹانے کے لئے سورۂ نساء اور سورۂ حجرات میں احکام صادر فرمائے ہیں۔

اختلاف دو قسم کا ہوتا ہے۔ پہلا وہ جو محض اصلاح اور فلاح و بہبود کے لئے ہو۔ اس میں اختلاف کرنے والا نیک نیت ہوتا ہے۔ اور بسا اوقات اگر فریقین میں سے کسی کا نقصان ہو تو انہیں اس کا افسوس بھی ہوتا ہے۔ اس قسم کے اختلاف سے اگرچہ نقصان تو ہوتا ہے۔ لیکن اس کو اتنی اہمیت نہیں دی جا سکتی صحابہ کرام کے اختلاف اسی قسم کے ہیں۔

دوسرا اختلاف وہ ہے۔ جو محض بغض و عناد کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس کے پس پردہ اصلاح وغیرہ کی بجائے تخریب مقصود ہوتی ہے۔ اختلاف کرنے والے میں دیانت و امانت قطعاً نہیں ہوتی۔ قرآن کہتا ہے فما اختلفوا الا من بعد ما جاءتھم البیّنٰت بغیا بینھم۔ کہ یہود نے اہلِ اسلام

سے اور رسول اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اختلاف کیا اور علم ہونے کے باوجود محض سرکشی اور بد دیانتی کی وجہ سے اختلاف کیا۔ ان کا مقصد اہلِ اسلام میں پھوٹ ڈالنا اور اسلامی نظم کو درہم برہم کرنا ہوتا ہے۔ جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسلام پیش کیا تو جن لوگوں نے اسے قبول کیا۔ اور اس اسلام کی وجہ سے تکالیف بھی برداشت کیں۔ جانی اور مالی نقصان برداشت کیا۔ لیکن اپنے اسلام کو داغدار نہ کیا۔ ان کے متعلق دل میں یہ خیال لانا بھی کبیرہ گناہ ہے کہ وہ بغض وعناد کی وجہ سے اختلاف کرتے تھے۔ کیونکہ اگر ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پیش کر دیا جاتا۔ تو وہ فوراً اختلاف کو ختم کر دیتے۔ اور بعد میں اسی طرح ملتے رہتے جیسے کبھی کوئی اختلافی بات ہی نہیں ہوئی۔

سب سے پہلا اختلاف اُمت میں آں حضرت کی وفات پر ہوُا۔ بعض صحابہ کا خیال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک وفات نہیں پا سکتے، جب تک تمام دُنیا میں اسلام نہیں پھیل جاتا۔ لیکن حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے خطبہ سے لوگ سمجھ گئے۔ کہ واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

اس دُنیا سے رحلت فرما گئے ہیں۔ اور حضرت صدیق کے مُنہ سے قرآن کی آیت سُنتے ہی خاموش[1] ہو گئے۔

دوسرا اختلاف خلافت کا ہوا۔ انصار کا ارادہ تھا کہ خلیفہ ہم میں سے ہو۔ لیکن وہاں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سُنتے ہی تمام خاموش ہو گئے۔ جبکہ حضرت صدیقؓ نے فرمایا کہ الائمۃ من قریش۔ کہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ میرے بعد خلافت قریش میں ہو گی۔ اور کسی نے بھی کوئی اعتراض نہ کیا۔

تیسرا اختلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے متعلق ہوا۔ کہ آپ کو غسل کپڑے اُتار کر دیا جائے۔ یا بمع کپڑوں کے غسل دیا جائے۔ اس میں بھی حضرت عمرؓ فاروق نے حضرت کا ارشاد بیان کیا۔ تو آپ کو کپڑوں سمیت غسل دیا گیا۔ اور اختلاف ختم ہو گیا۔

چوتھا اختلاف آپؐ کے دفن کے متعلق ہوا۔ کہ کس جگہ دفن کیا جائے۔ لیکن وہاں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے اختلاف ختم ہو گیا۔ اور صحابہ کے کہنے کے مطابق

---

[1] حضرت صدیقؓ نے فرمایا تھا من کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت۔ اس کے بعد اپنے استدلال میں قرآن کی آیت پڑھی۔ افان مات او قتل الانقلبتم علیٰ اعقابکم

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جگہ دفنا دیا گیا جہاں وہ فوت ہوئے تھے۔

یہ تمام اختلافات ان لوگوں میں ہوئے، جن کی تربیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ چنانچہ جب ان کے سامنے قرآن کی آیت یا فرمان نبوی پیش کیا گیا۔ سب نے فوراً سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اور قطعاً کسی قسم کا اختلاف نہ کیا۔

لیکن دوسری قسم کے اختلافات ۳۳ھ میں شروع ہوئے۔ یعنی خلیفہ ثالث کے آخری سالوں میں۔ چونکہ وہ اختلافات دراصل اختلافات نہیں تھے۔ بلکہ غیر ملکی سازش تھی۔ جو صرف اسلامی تنظیم کو درہم برہم کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے وہ کسی انصاف اور اعتدال کی بات کو کس طرح تسلیم کر سکتے تھے؟ ان کا اختلاف محض اسلام دشمنی اور بغض و عناد پر مبنی تھا۔ چنانچہ وہی لوگ جو حضرت عثمانؓ کو خلافت سے معزول کروانا چاہتے تھے اور ان کی جگہ حضرت علیؓ کو مسندِ خلافت پر بٹھانا چاہتے تھے۔ حضرت علیؓ کے خلیفہ بنتے ہی سب سے پہلے وہی ان کے زیادہ نافرمان بنے۔ جب انہی نافرمانوں کو اپنے لشکر سے الگ کرنا چاہا۔ تو انہوں نے الگ ہونے سے انکار کر دیا۔

اس وقت کے اختلافات سے چند فرقے نمودار ہوئے۔ جن کو دراصل دینی گروہ نہیں کہنا چاہیے۔ بلکہ وہ کچھ سیاسی

قسم کے فرقے تھے۔ سب سے پہلے "شیعانِ عثمانؓ" اور "شیعانِ علیؓ"[1] دو گروہ پیدا ہوئے۔ لیکن ان دونوں گروہوں میں صحابہ کرام بھی شامل تھے۔ کوئی ایک دوسرے کو کافر نہ کہتا تھا۔ بلکہ مُسلمان سمجھتا۔ اس کے علاوہ ایک تیسرا گروہ جو ان گروہوں سے الگ تھلگ رہا۔ اور خانہ جنگی میں قطعاً کوئی حصّہ نہ لیا۔ لیکن پھر بھی پہلے دونوں گروہوں میں سے کسی کو بھی بُرا بھلا کہنے کو جائز نہ سمجھتا۔ بلکہ دونوں کو مسلمان سمجھتا۔

حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں جب سبائی پارٹی کے لوگوں کو من مانی کارروائیاں کرنے کا موقع ملا۔ تو اُنہوں نے حضرت علیؓ کے معاملہ میں بہت غلو سے کام لیا۔ حتیٰ کہ بعض نے حضرت علیؓ کو خدا اور خدا کا مظہر کہا۔ اور اس کا انکار کرنے والوں کو کافر کہا۔ حضرت علیؓ کو جب معلوم ہوُا تو اُن کو سخت سزائیں بھی دیں۔ یہی وہ لوگ تھے۔ جو رافضی۔ غالی اور سبائی کے نام سے مشہور ہوئے۔

---

[1] اس دور میں شیطانِ علیؓ کا عقیدہ بالکل اہلِ سنت کا عقیدہ تھا۔ صرف حضرت علیؓ کی خلافت کا استحکام اور ان کے مکمل تسلط کے خواہاں تھے۔ اور شیعانِ عثمانؓ وہ تھے جو حضرت عثمانؓ کے قصاص کے مطالبہ میں پیش پیش تھے۔ اور یہ دونوں گروہ حضرت عثمانؓ کی شہادت پر پیدا ہوئے۔

Marfat.com

غالی فرقہ کے ردِّ عمل سے خارجی فرقہ نمودار ہوا۔ جو بجائے اس کے کہ غالی رافضیوں کے عقائد کی تردید کرتے وہ حضرت علیؓ کو بھی ناجائز الفاظ سے یاد کرنے لگے۔

خارجی دراصل سبائی فرقہ کی ہی ایک شاخ تھی۔ جن کے لیڈر عیار قسم کے تھے۔ اور ہر ماحول کے مطابق اپنے آپ کو تبدیل کر لیتے۔ اور عوام نومُسلم اور ناتربیت یافتہ مقلد جنگ جُو تھے۔ جو اپنے دماغ سے کچھ نہ سوچتے۔ بلکہ جس طریقے پر ان کے لیڈر انہیں چلاتے چل جاتے۔ چنانچہ وہ ہی لوگ حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے میں پیش پیش تھے۔ اور وہ ہی جمل وصفین کے میدانوں میں جنگ کو بھڑکانے والے تھے۔ اور واقعہ تحکیم کے بعد وہی لوگ حضرت علیؓ کو کافر کہہ کر ان سے جنگ کرنے والے تھے۔

جتنی زبردستی سے جنگ کرنے والے یہ خارجی تھے۔ اگر ان کو قیادت اچھی نصیب ہو جاتی۔ تو یہ لوگ تو اسلامی جنگوں میں بہترین سرمایہ ہوتے۔ لیکن افسوس کہ وہ بعض غیر ملکی سازشیوں کے ہتھے چڑھ کر ضائع ہو گئے۔

یہ جتنے فرقے تھے ان کو دینی فرقے نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ دراصل یہ سیاسی فرقے تھے۔ دینی فرقوں کے عروج کا زمانہ چوتھی صدی ہے۔ اور ان کا نمود دوسری صدی میں ہوا۔

Marfat.com

اس قسم کی فرقہ بازی ایک بہت بڑا فتنہ ہوتا ہے ۔ اور اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح دی تھی جس طرح آپ نے ایک بہترین خطہ کی خبر دی تھی۔ چنانچہ بخاری شریف باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الفتن قبل المشرق میں ارشاد ہے۔ کہ آپ نے حرمین شریفین کی خیر و برکت میں اپنے یمن (داہنی طرف)، اور اپنے شام (بائیں طرف) کو داخل کرنے کے لئے دُعا فرمائی :۔

اللھم بارك لنا فی شامنا وفی یمننا وقالوا وفی نجدنا فاظنہ قال فی الثالثۃ ھنا لك الذلازل والفتن وبھا یطلع قرن الشیطان وفی روایۃ قال رجل وفی عراقنا قال ان فیھا قرن الشیطان وتھیج الفتن وان الجفا بالمشرق۔ (کنز العمال ص۲۲۴ ج۶)

اے اللہ (جس طرح ہمارے حرمین حجاز کو خیر و برکت سے نوازا ہے) ہمارے یمن، اور شام میں (بھی) برکت فرما۔ کسی نے کہا کہ ہمارے نجد عراق کے لئے بھی دُعا فرمائیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ مشرق کی طرف تو فتنوں کی آماجگاہ ہے۔ وہاں فتنے جوش مارکر اُبھر رہے ہیں۔

یعنی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے خطۂ ارض کی نشان دہی فرمائی۔ اور عرب کے مخصوص خطوں کا نام لے کر

Marfat.com

بتادیا۔ اسی طرح بدترین خطۂ ارض کا بھی نام لے کر بتادیا کہ مدینہ طیبہ کا مشرق جو عراق ہی کا علاقہ آتا ہے۔ فتنوں کی زمین ہے۔ اور واقعی جتنے فتنے اُبھرے اسی زمین سے اُبھرے ہیں۔ قاتلینِ عثمانؓ سبائیوں کے پیش پیش یہ کوفی لوگ ہی تھے۔ حضرت عمرؓ فاروق کو شہید کرنے والا اسی طرف کا تھا۔ حضرت علیؓ کو انہی لوگوں نے شہید کیا۔ حضرت حسینؓ کو انہی لوگوں نے شہید کیا۔ خارجی تمام اسی علاقہ کے تھے۔ بلکہ اُمت میں جتنے اختلافات آج نظر آرہے ہیں سب مشرق ہی کی مہربانیاں ہیں۔ عرب علاقوں میں آج بھی چلے جائیں اختلافات ہونگے۔ لیکن کفربازی نہیں ہوگی۔ لیکن اپنے مشرق کو دیکھئے۔ کہ معمولی اختلافات پر بھی کفربازی کا غلغلہ ہوگا۔

صحابہ کرام میں بھی اختلافات تھے۔ لیکن کفربازی کا مرض نہ تھا۔ ہمیں صحابہ کے اختلافات سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ اور بجائے اس کے کہ ایک دوسرے کو کافر کہہ کر متنفر کیا

لہ یہ بھی اس دور کے مسلمان کی کم علمیوں اور تعصبوں میں سے ایک ہے کہ وہ پیشگوئی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خارجیوں (جو پہلے سبائی تھے) کے لئے بیان فرمائی تھی آج اہلِ سنت کے ان لوگوں پر چسپاں کی جاتی ہے جن کی حقانیت قرآن و حدیث کے علاوہ فقہ سے بھی ثابت ہے۔ خدا ہمیں سمجھنے کی توفیق دے۔

Marfat.com

جائے۔ بلکہ اختلاف رکھتے ہوئے بھی ایک دوسرے کی خیر خواہی کرنا چاہیئے۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق یہ ہوتا جو آج کے علماء پیش کرتے ہیں۔ تو اسلام کبھی ترقی نہ کرتا۔

خالد گھرجاکھی

(مطبوعہ اتحاد پریس لاہور)

Marfat.com

۲۲

سیرت الاخوین

یعنی

علی ابنِ ابی طالبؓ و عثمانؓ ذوالنورینؓ

مرتبہ

خالد گھرجاکھی

مکتبہ نور گھرجاکھ ضلع گوجرانوالہ

قیمت فی جلد ــــ پانچ روپے